سیرت حضرت امیر معاویہؓ

جلد دوم

مولانا محمد نافع

سیرت حضرت امیر معاویہؓ

جلد دوم

مولانا محمد نافع

اکرم آرکیڈ، ۲۹۰ ٹیمپل روڈ (صفاں والا چوک) لاہور۔ پاکستان فون: ۷۲۳۸۰۱۳

ناشر : تخلیقات، لاہور

اہتمام : لیاقت علی

پرنٹرز : المطبعۃ العربیۃ
[illegible]

سن اشاعت : ستمبر 1995

قیمت : 200 روپے

"فہرست تمہید برائے جواب المطاعن"

"تمہید برائے جواب المطاعن"

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی امام الرسل و خاتم النبین وعلی ازواجہ و بناتہ والہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین

بندہ ناچیز محمد نافع عفااللہ عنہ کی طرف سے یہ گزارش کی جاتی ہے کہ "سیرۃ امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ" کی تالیف کے بعد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر لکھنے کا قصد کیا ہے۔

اس تالیف کے دو حصے تجویز کیے ہیں ایک حصہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات، سیرت، ان کے کردار و اخلاق اور ان کی اسلامی خدمات وغیرہ پر مشتمل ہے

اور دوسرا حصہ موصوفؓ پر تجویز کردہ اعتراضات اور وارد کردہ مطاعن کے جوابات پر مشتمل ہے۔

ان کی سیرت کا حصہ علیحدہ مرتب کیا گیا ہے جب کہ جوابات المطاعن کا حصہ الگ تحریر کیا گیا ہے۔ جوابات المطاعن میں اکتالیس کے قریب مشہور مشہور اعتراضات و مطاعن کے جوابات دیے گئے ہیں (بعونہ تعالیٰ)

کتاب لو تاملہ الضریر۔ لعاد کریمتاہ بلا ارتیاب

یعنی یہ وہ کتاب ہے کہ اگر نابینا بھی اس پر غور کرے۔ تو بے شک اس کی دونوں آنکھیں بینا ہو جائیں۔

ناظرین کرام کی خدمت میں اطلاعاً ذکر ہے کہ جوابات المطاعن پہلے مرتب کیے گئے ہیں جب کہ سیرت و سوانح حضرت امیر معاویہؓ کا حصہ بعد میں ترتیب دیا گیا ہے

اب بطور تمہید کے چند امور پہلے ذکر کیے جاتے ہیں اس کے بعد مطاعن کے جوابات حسب استطاعت پیش خدمت ہوں گے (انشاء اللہ تعالیٰ)

صحابہ کرامؓ کا مقام اور صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف اور فضیلت

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مقام اور ان کے فضائل قرآن مجید میں بے شمار مواقع پر موقعہ بہ موقعہ مذکور ہیں۔ مدح صحابہؓ کے مسئلہ کو قرآن مجید نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے جیسا کہ علماء کرام پر واضح ہے۔ اور ان میں کوئی اچھے اور برے کی تقسیم نہیں ہے

اسی طرح احادیث میں بھی اس جماعت خیر کا شرف اور فضیلت بہت مواقع میں منقول ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل و مناقب کی تفصیلات کا یہ موقعہ نہیں ہے لیکن یہاں اثبات مسئلہ کے لئے بعض روایات پیش کی جاتی ہیں۔ اور چند اقوال اکابرین ملت کے درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام فضیلت نمایاں طور پر ثابت ہے۔

(۱)

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ :۔

لا تسبوا اصحابی ولو انفق احدکم مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ (اوکما ذکر فی الحدیث)ـ[۱]

یعنی میرے اصحابؓ کے متعلق برائی سے کلام مت کرو (ان کا مقام و مرتبہ یہ ہے) کہ اگر ایک تمہارا آدمی احد کے پہاڑ کے برابر بھی زر کثیر (صدقہ) کرے تو ان کے ایک مد قریباً ایک سیر کے برابر بلکہ اس کے نصف کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔

۱ مشکوۃ شریف ص ۵۵۳ باب مناقب الصحابۃ الفصل الاول (متفق علیہ) طبع نور محمد۔ دہلی

اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بہ نسبت دیگر لوگوں کے صحابہ کرامؓ کی عظمت اور ان کا مقام واضح طریقہ سے ثابت ہے۔ اور ان میں اس فضیلت کے باب میں آپس کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔

(۲)

ایک دوسرے مقام میں یعنی فیض القدیر شرح جامع صغیر میں الشیخ عبدالرؤف المناوی نے حدیث ذکر کی ہے کہ :۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ :۔

اذا ذکر اصحابی فامسکوا (۱)

یعنی جب میرے اصحاب کا ذکر آئے تو اپنی زبان کو (ان پر طعن سے) روک رکھو۔

مطلب یہ ہے کہ ان کے مشاجرات و منازعات وغیرہ پر نظر نہ کرو اور جو چیزیں ان کے لائق شان نہیں ہیں ان کے ذکر سے بچو یہ لوگ امت کی بہترین شخصیات ہیں۔ ان کو خیر امت اور خیر القرون فرمایا گیا۔ (المناوی)

یہاں سے معلوم ہوا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے متعلق طعن سے زبان کو روکنا واجب ہے جیسا کہ اوپر والی روایت سے بدگوئی کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اور اسی طرح اس مقام پر طعن و تشنیع کرنے سے باز رکھا گیا ہے۔

تنبیہ

کبار علماء نے اس روایت کی تائید و تصدیق کے متعلق درج ذیل کلام کیا ہے جو اہل علم کے لئے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔

۱ فیض القدیر ص ۳۴۷ / ج اول بحوالہ الطبرانی عن ابن مسعودؓ للشیخ عبدالرؤف المناوی

فقد روی هذا الحدیث عن ثلثة من الصحابة و اسانیده و ان کان فیها مقال کما ذکره فی فیض القدیر و لکنه اعتضد بتعدد الروایات فلذالک رمز السیوطی علیه برمز الحسن وعد هذا الحدیث حسنا ۔ (۱)

(۳)

مشہور صحابی سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں کسی ایک مشہد یعنی جنگ کے موقع میں ایک مسلمان حاضر ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اسکا چہرہ غبار آلود ہو۔ یہ شخص، اس شخص سے افضل ہے۔ جو عمر نوح علیہ السلام پا کر نیک عمل کرتا رہے۔

یہ فضیلت سب صحابہ کو شامل ہے اس میں کسی ایک طبقے کی تخصیص نہیں۔

قال واللہ لمشهد شهده رجل یغبر فیه وجهه مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم افضل من عمل احدکم ولو عمر عمر نوح علیه السلام ۔ (۲)

(۴)

اسی طرح جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ابن بطہ نے صحیح اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ :۔

(مخاطبین کو نصیحت کرتے ہوئے) عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو سب و شتم مت کرو۔ کیونکہ ان کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ ان حضرات کا جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ساعت کا قیام آپ لوگوں کے چالیس برس کے عمل سے بہتر ہے۔

۱ احکام القرآن از مولانا مفتی محمد شفیعؒ کراچی ص ۲۷۳ / ج ۴ تحت بحث ان الصحابة کلهم مغفورون ماجورون

۲ مسند لامام احمدؒ ص ۱۸۷ / ج اول تحت مسندات سعید بنؓ زید بن عمرو بن نفیل

اور وکیع سے مروی روایت کے مطابق تمام عمر کی عبادت سے بہتر ہے۔

وروی ابن بطتہ باسناد صحیح عن ابن عباس انہ قال لا تسبوا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلمقام احدھم ساعتہ یعنی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیر من عمل احد کم اربعین سنتہ و فی روایتہ وکیع خیر من عبادۃ احد کم عمرہ ھذا۔" (۱)

(۵)

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حین حیات میں ہی بعض لوگ بعض صحابہؓ کے متعلق بدگوئی کرنے لگے اور ان کی شان میں کوتاہی کرنے کے در پے ہوئے تو ان حالات کے پیش نظر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے صحابہ کرامؓ کی شان اور عظمت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :۔

لوگوں کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے متعلق استغفار کرنے اور بخشش طلب کرنے کا حکم ہوا تھا مگر انہوں نے ان کے حق میں بدگوئی شروع کر دی ہے۔

عن عائشہؓ قالت : امروا بالاستغفار لاصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فسبوھم۔ (۲)

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے حق میں طعن اور تشنیع کا حکم نہیں بلکہ ان حضرات کے حق میں استغفار کرنے کا حکم ہے اور ان کو نیکی کے ساتھ یاد کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کی روشنی میں علماء کرام نے بعبارت ذیل عمدہ

۱ شرح فقہ اکبر لملا علی بن سلطان القاریؒ ص ۸۳ طبع مجتبائی دہلی۔ تحت عنوان اہل السنتہ فی تسمیتہ معاویتہؓ

۲ المصنف لابن ابی شیبتہ ص ۱۷۹ / ج ۱۲ کتاب الفضائل ۔ طبع کراچی قول صدیقہؓ مسلم شریف میر منقول ہے ص ۴۲۱ / ۲۵۰ تحت ابواب التفسیر طبع نور محمد دہلی

تشریح درج کی ہے جو اہل علم کی تسلی کے لئے بلفظہ ذکر کی جاتی ہے۔

وقال تعالی فاعف عنهم واستغفرلهم و محبته الشئی کراهته لضده ' فیکون انه سبحانه یکره السب لهم الذی هو ضدالاستغفار' والبغض لهم الذی هو ضد الطهارة وهذا معنی قول عائشته رضی الله عنها "امروا بالاستغفار لاصحاب محمد فسبوهم" رواہ مسلم۔ ۱

بدزبانی اور بدگوئی کرنے والے کا حکم

اکابرین امت نے اس سلسلہ میں اپنے بیانات واضح طور پر ذکر کئے ہیں کہ جو شخص صحابہ کرامؓ کے خلاف بدزبانی یا بدگوئی کرے تو اس کے دل میں صحابہ کرامؓ کے حق میں برائی اور بغض ہے اور اس کا اسلام متہم ہے۔

وہ شخص قابل اعتماد نہیں بلکہ وہ قابل سزا اور مستوجب عقوبت ہے۔

حضرت سیدنا امیر معاویہؓ حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابو سفیانؓ و غیرھم یہ تمام حضرات برگزیدہ صحابی ہیں صحابہ کرام کے متعلق احکامات سب بزرگوں کے حق میں یکساں ہیں

پس صحابہ کرامؓ کے حق میں بدگمانی کرنا اور سوء ظنی کرنا دین اسلام میں نہایت شنیع فعل ہے اور اس سے اس شخص کا اسلام مشکوک ہو جاتا ہے۔ اس کے ایمان کا شریعت میں کوئی وزن نہیں رہتا۔

۱۔ چنانچہ امام احمدؒ سے فضل بن زیادہ نے سنا کہ امام موصوف سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی تنقیص شان کرتا ہے کیا اس

۱ احکام القران از حضرت مفتی محمد شفیعؒ کراچی ص ۲۴۵ / ج ۴ تحت بحث الصحابتہ کلھم عدول

شخص کو رافضی کہا جائے؟ تو آنجناب نے فرمایا کہ ان دونوں حضراتؓ پر وہی شخص جرات کر سکتا ہے جس کے اندر برائی پوشیدہ ہے---- نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایک صحابیؓ کے ساتھ بھی جو شخص بغض رکھتا ہے اس کے باطن میں خباثت چھپی ہوئی ہے۔

وقال الفضل بن زیاد سمعت ابا عبداللہ یسال عن رجل تنقص معاویتہ و عمرو بن العاص ایقال لہ رافضی؟ فقال انہ لم یجتری علیھما اللولہ خبیتہ سوء ما انتقص احد احدا من الصحابتہ الا ولہ داخلتہ سوء ۱

۲۔ المیمونی ذکر کرتے ہیں کہ مجھے امام احمدؒ نے فرمایا اے ابوالحسن جب تو کسی شخص کو دیکھے کہ وہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی صحابیؓ کو برائی کے ساتھ ذکر کرتا ہے تو سمجھ لے کہ اس کا اسلام متہم ہے اور اس کا ایمان مشکوک ہے۔

.....وقال المیمونی قال لی احمد بن حنبلؒ: یا ابالحسن! اذا رائیت رجلا یذکر لاحد من الصحابتہ بسوء فاتھمہ علی الاسلام" ۲

حسن ظن کا حکم

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے متعلق اکابر علماء امت نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے کہ: "آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کرامؓ کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہئے اور ان سے اعتراضات اور رذائل کی نفی کرنی چاہئے۔ یہ دین اسلام کی طرف سے ہمیں حکم ہے

۱ مخطوطہ تاریخ ابن عساکر ۷۴۷ / ج ۱۶ (قلمی عکس شدہ) تحت ترجمہ حضرت معاویتہؓ

(ب) البدایتہ والنہایتہ ص ۱۳۹ / ج ۸ تحت ترجمہ معاویہؓ

۲ مخطوطہ ابن عساکر ص ۷۴۷ / ج ۱۶ (قلمی عکس شدہ) تحت ترجمہ حضرت امیر معاویہؓ

(ب) البدایتہ والنہایتہ ص ۱۳۹ / ج ۸ تحت ترجمہ حضرت امیر معاویہؓ

۱۔ اور اس باب میں اگر کوئی اعتراض پایا جائے اور اس کی کوئی تاویل کی گنجائش نہ مل سکے تو اس صورت میں اس روایت کے راویوں کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں گے اور صحابہ کرامؓ کی طرف غلط امر کا انتساب نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ امام النوویؒ شرح مسلم شریف جلد ثانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ

.....فانا ماموروں بحسن الظن بالصحابةؓ و نفی کل رذیلة عنهم و اذا انسدت الطرق (طرق تاویلها) نسبنا الکذب الی الرواة۔ ۱

ظاہر ہے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا سو صحابہ کرام کے بارے میں یہ حسن ظن امت پر واجب ہے

اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں صحابہ کرامؓ کا مقام بیان کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے رذائل کی نفی کے سلسلہ میں ہدایت فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ :- ...... پس زبان را از جفائے ایشاں باز باید داشت وہمہ را بہ نیکی یاد باید کرد۔ ۲

۳۔ اسی طرح علامہ عبدالعزیز پرہارویؒ نے اپنے رسالہ "**الناھیة عن طعن معاویة** میں یہی ہدایت فرمائی ہے اور بہت عمدہ نصیحت کی ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ کے ساتھ حسن ظن رکھنا اور ان کے ادب کو ملحوظ رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے سلف صالحین' اہل حدیث اور اہل اصول (اہل فقہ) کا یہی مذہب ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے اسی پر ثابت قدمی کی التجا کرتے ہیں۔

۱ شرح مسلم شریف للنوادیؒ ص ۹۰ / ج ۲ بحوالہ المازری تحت الجہاد والسیر باب حکم الفی طبع نور محمدی دہلی۔

۲ مکتوبات امام ربانیؒ ص ۸۴ دفتر اول حصہ دوم (طبع ثانی لاہور ۱۳۸۴ھ) آخر مکتوب ہشتادم (۸۰)

بحسن الظن والتارب لجميعهم واجب علی کل مسلم فهذا مذهب السلف الصالح واهل الحدیث والاصول ونسال اللہ الثبات علیہ ۱

اسی سلسلہ میں مشہور بزرگ عبداللہ بن مبارکؒ اپنی سند کے ساتھ ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ :۔

۴۔ ابراہیم بن میسرہ کہتے ہیں کہ عادل خلیفہ عمرو بن عبدالعزیزؒ نے کسی انسان کو کبھی تازیانے نہیں لگوائے مگر اپنے دور میں اس شخص کو جس نے حضرت امیر معاویہؓ پر سب و شتم کیا۔ اس کو کوڑے لگوائے"

اس واقعہ پر مندرجہ ذیل علماء کی عبارات پیش کی جاتی ہیں جس میں یہ واقعہ مذکور ہے

عن ابراهیم بن میسرة قال بلغنی ان عمر بن عبدالعزیز ماجلد سوطا فی خلافتہ الا رجلا" شتم معاویتہ عندہ فجلدہ ثلاثتہ اسواط ۲

اور اسی طرح البدایہ والنہایہ میں مذکور ہے کہ :۔

وقال ابن المبارک عن محمد بن مسلم عن ابراهیم بن میسرة' قال' ماراٴیت عمر بن عبدالعزیز ضرب انسانا قط الا انسانا شتم معاویتہ فانہ ضربہ اسواطا ۳

۵۔ اور شمس الائمہ ابوبکر السرخسی نے اپنی تصنیف اصول سرخسی میں صحابہ کرامؓ پر طعن کرنے والے اشخاص کے متعلق مندرجہ ذیل تصریح ذکر کی ہے فرماتے ہیں کہ :۔

۱ الناهیتہ عن طعن معاویتہؓ لعبد العزیز الفرہارویؒ ص ۳۳ تحت فصل فی الاجوبتہ عن مطاعنہ

۲ الاستیعاب ص ۳۸۳ / ج ۳ (مع الاصابتہ) تحت معاویتہ بن ابی سفیانؓ

۳ البدایہ والنہایتہ ص ۱۳۹ / ج ۸ تحت ترجمہ حضرت امیر معاویہؓ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے متعدد مواضع میں صحابہ کرامؓ کی ثنا اور وصف بیان فرمائی ہے جیسا کہ محمد رسول اللہ والذین معہ الخ الایۃ اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں صحابہ کرامؓ کو خیر الناس فرمایا ہے اور یہ لوگ اس عہد کے خیر الناس ہیں جس دور میں میں ہوں (الحدیث)

اور اسلامی شریعت صحابہ کرامؓ کے ذریعے نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہے (یعنی صحابہ کرام شریعت اسلام کے ناقلین ہیں) اب جو شخص ان کے حق میں طعن و تشنیع کا مرتکب ہو وہ ملحد اور بے دین ہے اور اسلام کو پس پشت ڈال دینے والا ہے

اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کا علاج صرف تلوار ہے

ان اللہ تعالی اثنی علیھم فی غیر موضع من کتابہ کما قال تعالی "محمد رسول اللہ والذین معہ" الایۃ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصفھم بانھم خیر الناس فقال "خیر الناس قرنی الذین انا فیھم والشریعۃ انما بلغتنا بنقلھم فمن طعن فیھم فھو ملحد منابذ للاسلام دواءہ السیف ان لم یتب ۱

۶۔ مندرجہ امور کی تائید میں علامہ ابن تیمیہؒ کا ایک اہم حوالہ اس مسئلہ پر ذکر کیا جاتا ہے ناظرین کرام ملاحظہ فرمالیں۔ لکھتے ہیں کہ :۔

ہر چہار خلفائے راشدینؓ کے بعد جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کرامؓ خیر الناس ہیں ان حضرات میں سے کسی ایک کی بھی برائی ذکر کرنا کسی شخص کے لئے جائز نہیں۔

۱ اصول السرخسی لابی بکر محمد بن احمد بن ابی سھل السرخسی ص ۱۳۴ جلد ثانی تحت من طعن فی الصحابۃ فھو ملحد الخ طبع حیدر آباد

صحابہ کرامؓ میں سے کسی ایک کا بھی عیب اور نقص بیان کرنا اور اس پر طعن قائم کرنا کسی کے لئے روا نہیں ہے۔ جو شخص یہ کام کرے اس کی تادیب اور اس کو سزا دینا واجب ہے۔

ایسے طعن کرنے والے شخص کو معاف نہ کیا جاوے بلکہ اسے سزا میں ڈال دیا جائے۔ اگر وہ اس سے توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کرلی جائے اور اگر وہ توبہ کرنے سے اعراض کرے اور طعن کرنے پر جما رہے تو اس کو دوبارہ سخت سزا دی جائے اور حبس دوام میں ڈال دیا جائے۔ حتی کہ مرجائے یا رجوع اور توبہ کرلے

ثم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بعد ھولاء الاربعتہ خیر الناس لا یجوز لاحد ان یذکر شیئا من مساویھم ولا یطعن علی احد منھم بعیب ولا نقص فمن فعل ذالک فقد وجب تادیبہ و عقوبتہ لیس لہ ان یعفو عنہ بل یعاقبہ و یستتیبہ فان تاب قبل منہ وان ثبت اعاد علیہ العقوبتہ وخلدہ فی الحبس حتی یموت او یراجع۔ ۱

مندرجات بالا

سے درج ذیل چیزیں ثابت ہو رہی ہیں

۱۔ صحابہ کرامؓ کے ساتھ حسن ظن رکھنے کا حکم ہے اور سوء ظنی کرنے اور بدگمانی سے منع کیا گیا ہے۔

۲۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں جو شخص بدکلامی کرے اور بدزبانی سے پیش آئے ایسے شخص کا اسلام مشکوک ہے اور وہ دین میں متہم ہے اور شریعت میں اس کے دین کا کچھ اعتبار نہیں۔

۱۔ الصارم المسلول علی شاتم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۷۳ (لابن تیمیہؒ (طبع اول حیدر آباد) فصل فی حکم سب اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم وسب اھل بیتہ

۳۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کے متعلق تنقیص شان اور طعن کرنے والا شخص بدظنی کا شکار ہے اور اس کا دل برائی اور خباثت سے آلودہ ہے۔

۴۔ حتیٰ کہ ایسے بدگو شخص کے لئے عادل خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا طریقہ کار یہ تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف بدزبانی کرنے والے کو تازیانے لگوائے جاتے تھے تاکہ وہ آئندہ بدکلامی سے باز رہے۔

۵۔ جو بھی اصحاب کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے حق میں نازیبا کلام کرے اور سب و شتم یا طعن تشنیع کرے وہ سزا کے قابل ہے اس سے توبہ کرائی جائے اگر توبہ نہ کرے تو حبس دوام میں ڈالا جائے تاکہ اسی حالت میں ہلاک ہو جائے۔

ایک تاریخی جائزہ

امیرالمومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت خلفاء راشدین و عشرہ مبشرہ کے بعد بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اکابر ہاشمی حضرات کے ساتھ خلافت کی صلح کے بعد ان کی خلافت کے دور میں اسلام کی بڑی ترقی ہوئی اور دین کو بہت فروغ نصیب ہوا اور دور دراز ممالک پر اسلام کا پرچم لہرایا

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے لے کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے صلح تک کے دور میں جو اسلامی فتوحات کا سلسلہ رک گیا تھا حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں پھر پوری مستعدی کے ساتھ دوبارہ شروع ہوا اور دور دور تک اسلامی سلطنت کا حلقہ وسیع ہو تا گیا حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں اسلامی حکومت کی حدود بخارا سے لے کر قیروان تک اقصائے یمن سے لے کر قسطنطنیہ تک پھیل چکی تھیں اور ان کے علاوہ حجاز' یمن' شام' مصر' عراق' الجزیرہ' ارمینیا روم' فارس' خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ تمام ممالک

اسلامی حکومت کے ماتحت ہوئے۔[۱]

حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں بے شمار بری اور بحری فتوحات ہوئیں اور آپؓ کے ہاتھوں اقصائے عالم تک اسلام کا پرچم بلند ہوا۔ اور آپؓ کی مساعی جمیلہ سے دین اسلام کو غلبہ حاصل ہوا۔

جناب امیر معاویہؓ کی نگرانی میں حضرات صحابہؓ و تابعین کی مساعی جمیلہ سے اسلام کے احیاء و ابقاء کا بہت بڑا کام ہوا۔ خلافت راشدہ کے دور کے بعد یہ دور اسلام کی ترقی کا بہترین دور ہے اور اس میں اسلام کے فروغ کی انتہائی کوششیں کی گئیں اور بحمد اللہ وہ بار آور ہوئیں اور اسلام ان ممالک پر غالب آگیا اور فرمان خداوندی لیظهره علی الدین کله کا بہترین نقشہ سامنے آگیا۔

کثرت اعتراضات کے وجوہ

اس دور کے بعد بنو امیہ کے خلفاء و امراء یکے بعد دیگرے آتے رہے ہیں حتی کہ ۱۳۲ھ بموافق ۷۴۹ء میں بنی عباس کے ایک شخص ابو العباس السفاح نے بنی امیہ کی خلافت اور حکومت کو ختم کر کے بنو عباس کی حکومت قائم کر لی ظاہر بات ہے کہ بنو عباس نے بنو امیہ کے اقتدار کو ختم کیا تھا اور خاندانی و قبائلی تعصبات کے تحت یہ لوگ بنو امیہ کے سخت خلاف تھے جیسا کہ بعد میں آنے والی حکومت پیشرو حکومت کے عموماً خلاف ہوتی ہے۔ اور ایک قوم کی حکومت کو ختم کر کے دوسری قوم کا غلبہ اقتدار آتا ہے تو سابقہ حکومت کی خوبیوں کو بھی خرابیوں کے ساتھ بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان کی اچھائیوں کو برائیوں کے

۱ کتاب دول الاسلام للذہبیؒ ۲۸ / ج اول تحت سنہ ستین (۶۰ھ)

ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور ان کے بہترین کارناموں کو فروتر شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور ان کے خلاف کئی قسم کے غلط / صحیح الزامات لگائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں سابقہ حکومت کے خلاف نفرت پیدا ہوتی ہے اور ان کے ساتھ بدظنی پھیلنے کے اسباب رونما ہوتے ہیں گویا کہ سابق اقتدار اور لاحق میں یہ ایک قسم کی نظریاتی تفریق قائم ہو جاتی ہے اور پیش رو حکومت کے کار خیر کو بدنما شکل میں پیش کرنے کی سعی کی جاتی ہے دنیا میں قوموں کے معاشرہ کا یہ ایک عام دستور چلا آ رہا ہے۔

نفسیاتی ضابطہ

اس فطری اور نفسیاتی ضابطہ کے تحت یہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ بنو عباس کے دور (دوسری صدی ہجری) میں عموماً" تاریخ کی تدوین کی ابتدا ہوئی اور مورخین نے عام طور پر تاریخی وقائع مرتب کرنے میں نظریات مذکورہ بالا کو ملحوظ رکھا۔ اور وہ تاریخی واقعات جب مرتب کئے گئے تو ان کو عموماً" ایسی شکل میں پیش کیا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کی خوبیاں خرابیاں نظر آنے لگیں۔ اور ان کے بہترین کارنامے عموماً" وانداز کر کے ذکر کئے گئے اور ان کی اسلامی اور ملی خدمات کو غلط صورت میں دکھایا گیا اور آپ کے دور کے محاسن و مفاخر کو پس پشت ڈال کر ان میں معائب و نقائص کے پہلو پیدا کئے گئے اور ایسے واقعات تاریخ میں بھر دیئے گئے جن سے امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر کئی قسم کے مطاعن قائم کئے جا سکیں۔

حضرت امیر معاویہؓ کے عمدہ کردار و اخلاق کو غلط رنگ دینے کی کوشش کی گئی اور ان کی کردار کشی کی پوری سعی کی گئی اور آپ کے اعلیٰ کارناموں کو بدنما شکل میں دکھایا گیا۔

بعض مورخین نے اپنے دور کے حکام کی خوشنودی اور امراء کی رضامندی کو بھی پیش نظر رکھا اور ان کی نظروں میں اپنا مقام پیدا کرنے کی خاطر اپنی تصانیف میں مذکورہ طرز اختیار

کیا اور اس طریقہ سے انہوں نے اپنے معاشی و تمدنی حالات کو بھی مستحکم کیا۔

چنانچہ اس نہج پر تاریخ نویسی کے متعلق کئی واقعات ایسے دستیاب ہوتے ہیں جو مندرجہ بالا امور پر شاہد ہیں اور اس کے موید ہیں جیسا کہ سابقاً ذکر کیا ہے کہ بنو عباس کے خلفاء کے دور حکومت میں عموماً" تاریخ کی تدوین ہوئی اور عباسیوں نے خصوصاً" حضرت امیر معاویہؓ کی شخصیت کو داغدار کرنے اور ان کے اعلیٰ مقام کو گرانے کے لئے علانیہ طور پر ایسا طرز عمل اختیار کیا جس کو نظر انداز کر کے ایک مورخ کا صحیح واقعات پر قلم اٹھانا کوئی سہل کام نہیں تھا۔

مذکورہ بالا حقائق ہم نے مضمون نگاری کی خاطر تخیل کے درجہ میں ہی ذکر نہیں کئے اس کی تائید میں تاریخ میں واقعات پائے جاتے ہیں۔

قارئین کے اطمینان کی خاطر ذیل میں تاریخ سے چند ایک واقعات پیش خدمت ہیں جو مسئلہ ہذا کے ثبوت میں ایک قوی دلیل ہیں۔

(۱)

جس وقت ابو العباس السفاح نے بنو امیہ کے آخری فرماں روا خلیفہ مروان بن محمد بن مروان وغیرہ کو قتل کروا دیا تو اس موقعہ پر مورخین نے لکھا ہے کہ:۔

ابو العباس السفاح کی افواج کا امیر عبداللہ بن علی دمشق شہر میں تیغ برہنہ کے ساتھ داخل ہوا اس نے شہر میں قتل و غارت تین ساعات کے لئے مباح قرار دے دیا۔ شہر دمشق کی جامع مسجد کو اپنے چوپایوں، گھوڑوں اور اونٹوں کے لئے اصطبل کے طور پر ستر دن تک استعمال میں رکھا۔

اس چیز کو علامہ ابن کثیر نے ابن عساکر کے حوالے سے بنی امیہ کے آخری خلیفہ (مروان بن محمد بن مروان) کے مقتل کے تحت عباسیوں کے مظالم ذکر کرتے ہوئے دمشق کے احوال

میں لکھا ہے کہ:۔

.....وذکر فی ترجمتہ محمد بن سلیمان بن عبداللہ النوفلی قال کنت مع عبداللہ بن علی اول ما دخل دمشق دخلھا بالسیف واباح القتل فیھا ثلاث ساعات وجعل جامعھا سبعین یوما" اصطبلا" للدوابہ وجمالہ..... الخ۔۱۷

مزید برآں عباسیوں نے بنو امیہ کے ساتھ عداوت پوری کرنے کے لئے اکابر بنو امیہ مثلاً حضرت امیر معاویہؓ عبدالملک بن مروان' ہشام بن عبدالمالک وغیرہم کی قبور کو اکھیڑ ڈالا اور ان کی بے حرمتی کی چنانچہ ابن کثیرؒ نے مزید لکھا ہے کہ:۔

.....ثم نبش قبور بنی امیتہ..... الخ۔۱۸

مورخین نے لکھا ہے کہ ان حالات میں عبداللہ بن علی مذکور نے خلفاء بنو امیہ کی اولاد اور ان کے حامیوں کو تلاش کر کے ایک ہی دن میں سینکڑوں افراد کو قتل کروا دیا۔ یہ چیز البدایہ لابن کثیر میں مذکور ہے کہ

..... ثم تتبع عبداللہ ب ن علی بن امیتہ من اولاد الخلفاء وغیرھم فقتل منھم فی یوم واحد اثنین وتسعین الفا" عند نھر بالرملتہ..... الخ۔۱۹

مذکورہ بالا حالات و واقعات سے واضح ہے کہ جس دور میں اسلامی تاریخ کی تدوین کی ابتدا ہو رہی تھی اس دور میں مخالفین کی طرف سے بنو امیہ کے ساتھ عداوت اور مخالفت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور ان کے قابل ذکر اشخاص و افراد کو چن چن کر ختم کر دیا تھا۔۲۰

ان حالات میں مورخین حضرت امیر معاویہؓ کے متعلقہ حالات کو کسی صحیح نہج پر کیسے تحریر کر سکتے تھے؟ اور ان کے عہد کی شاندار خدمات وہ کس طرح زیر قلم لا سکتے تھے؟

(۲)

اسی طرح حافظ الذہبی نے اپنی متعدد تصانیف میں مامون الرشید (عباسی خلیفہ) کے عہد کا ایک دیگر واقعہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

(۱)..... وفیها (۲۱۱ھ) اظهر المامون التشیع وامر ان یقال خیر الخلق بعد النبی صلی الله علیه وسلم علی رضی الله عنه وامر بالنداء ان برات الذمة ممن ذکر معاویة بخیر۔ ۱

(۲)..... وفیها (۲۱۱ھ) امر المامون فنودی برات الذمة ممن ذکر معاویة بخیر وان افضل الخلق بعد النبی صلی الله علیه وسلم علی رضی الله عنه۔ ۲

---- ان ہر دو عبارات کا مطلب یہ ہے کہ:۔

۲۱۱ھ میں مامون الرشید عباسی خلیفہ نے اپنے مذہب شیعہ ہونے کا اظہار کیا اور اس نے سرکاری طور پر اعلان کرایا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خیر الخلائق علی المرتضیٰؓ ہیں اور اس امر کی منادی کرائی کہ جو شخص معاویہ بن ابی سفیانؓ کے حق میں کلمات خیر کہے گا تو حکومت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں (اور ہم اس سے بری الذمہ ہیں۔)

تائید از شیعہ

اس واقعہ کی تائید شیعہ کے مشہور مورخ "المسعودی" نے اپنی تصنیف "مروج الذھب" میں مامون کے حالات کے تحت بالفاظ ذیل درج کی ہے:۔

.....وفی سنة اثنتی عشرة ومائتین نادی منادی المامون: برئت الذمة من احد من الناس ذکر معاویة بخیر او قدمه (علی احد) من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ ۲

یعنی ۲۱۲ھ میں مامون نے منادی کرائی کہ جو شخص بھی معاویہؓ کو خیر کے ساتھ ذکر کرے گا یا

۱ دول الاسلام للذہبی ص ۹۴ / تحت سنہ ۲۱۱ھ

۲ العبرفی خبر من غبر للذہبی ص ۳۵۹ / ج اول تحت سنہ ۲۱۱ھ مطبوعہ کویت

۲ مروج الذھب المسعودی الشیعی ص ۴۰ / ج ۴ تحت نداء المامون فی امر معاویۃ و سببہ (ذکر ایام المامون)

اس کو کسی صحابی پر مقدم جانے گا اس شخص سے حکومت بری الذمہ ہے (اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار نہیں)

علامہ شبلیؒ کی طرف سے تائید

قریبی دور کے ایک مشہور مورخ علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنی تصنیف "الانتقاد علی تمدن الاسلامی" میں اسلامی تاریخ کی تدوین پر ایک بہترین جائزہ ذکر کیا ہے جس سے ہمارے مضمون بالا کی تائید و تصدیق ہوتی ہے:۔

.....ثم ان هناک امر اخر وهو ان المورخین باسرهم کانوا فی عصر بنی العباس ومن المعلوم انه لم یکن یستطیع احد ان یذکر محاسن بنی امیته فی دولته العباسیین فاذا صدر من احد شیئ من ذالک فلتته کان یقاسی قائلها انواعا من الهتک والابذار وخامته العاقبته وکم لنا من امثال هذه فی اسفار التاریخ۔ ۲۴

۔۔۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ:۔

اسلامی تاریخ کے مورخین عموماً" بنی عباس کے عہد میں ہوئے ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ عباسیوں کے عہد میں بنو امیہ کے محاسن ذکر کرنے کی کسی شخص میں استطاعت نہیں تھی کیونکہ اگر کسی سے بنو امیہ کی خوبی کی کوئی چیز اتفاقاً" صادر ہو جاتی تو اس کے قائل کو کئی قسم کی ایذاؤں کا سامنا کرنا پڑتا اور ہتک عزت کے علاوہ ناموافق انجام سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ دفتر تاریخ میں اس قسم کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ اس نوع کے سرکاری اعلانات اور تشددانہ عملی اقدامات کے بعد تاریخ مرتب کرنے والوں نے جو تواریخ مدون کی ہیں وہ حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں معائب نقائص اور مطاعن ہی درج کریں گے۔ ان سے آنموصوفؓ کے فضائل و محامد اور ملی خدمات کے بیان کی امید رکھنا عبث ہے۔ الاماشاء اللہ اگر کوئی مورخ ان فرامین شاہی سے متاثر نہ

ہوا ہو اور وہ بہت قلیل اور شاذ کے درجہ میں ہو گا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جسے قارئین کو مطالعہ تاریخ کے وقت پیش نظر رکھنا از حد ضروری ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ان کوائف و حالات کی روشنی میں حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف تاریخی مواد میں کثرت سے اعتراضات پائے گئے اور معاندین صحابہؓ نے انہیں اپنے ذوق کے مطابق خوب نشر کیا اور اس مواد کو عوام میں پھیلا کر آنموصوف کی کردار کشی کی۔

تاریخ کے راویوں کا نظریاتی کردار

تاریخی واقعات کو نقل کرنے والے رواۃ میں مختلف نظریات اور رجحانات کے حامل لوگ ہوتے تھے بعض راوی خارجی اور بعض رافضی وغیرہ ذہن رکھتے تھے اور اسی طرح ناقلین واقعہ میں کئی قسم کے اپنے رجحانات پائے جاتے تھے۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ روایت کو نقل کرنے میں راوی کے ذہن اور رجحان کو بڑا دخل ہوتا ہے

اور واقعہ کو بیان کرنے میں معبر کی تعبیر بڑی اثر انداز ہوتی ہے۔ بات کچھ ہوتی ہے اور اس بات کے نقل کرنے والے کے الفاظ اس کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں بالخصوص جب کہ روایت بالمعنی کی انہیں عام اجازت ہو تاریخ کے ناقلین ان حالات میں حقیقت واقعہ کو نظر انداز کر کے اس میں اپنی روایات کو چلا دیتے ہیں اس وجہ سے بھی بہت سے اعتراضات کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ اور کئی مطاعن رونما ہو جاتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مورخین نے اپنے غیر محتاط رویہ کی وجہ سے بہت کچھ مواد تاریخ میں ذکر کر دیا جس سے مخالفین نے مطاعن پیدا کر لئے اور یہ چیزیں امیر معاویہؓ پر کثرت اعتراضات کا باعث ہوئیں۔

بعض قواعد و ضوابط

طعن اور دفع طعن کے باب میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر کسی صحیح روایت سے طعن پیش کیا جائے جو اصول روایات کے اعتبار سے قابل قبول ہو۔ تو اس کا ازالہ کیا جاوے گا اور جس طعن کی روایت قواعد فن کے اعتبار سے قابل رد اور ناقابل اعتماد ہو اس سے پیدا کردہ الزام قابل سماعت نہیں ہوتا اور حسب ضابطہ اس کا جواب دینا ہمارے ذمے نہیں

چنانچہ اکابر علماء فرماتے ہیں کہ :۔

فترد کل من روایات التاریخ مایعود منها علی شین و عیب فی بعض اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔"۔ ۱

یعنی وہ تاریخی روایات جن میں سے بعض صحابہ کرامؓ پر عیب اور طعن پیدا کیا جاتا ہے وہ روایات قابل رد ہیں اور قبول کے لائق نہیں۔

مزید برآں یہ چیز علماء کرام نے اس موقعہ میں تصریحا ذکر کر دی ہے کہ جو روایات درایت اور عقل کے خلاف ہوں اور اصول شرعی کے معارض ہوں ان کے متعلق یقین کیجئے کہ وہ بے اصل ہیں اور ان کے رواۃ کا کوئی اعتبار نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو روایت حس اور مشاہدات کے خلاف پائی جائے اور کتاب و سنت کی نصوص متواترہ کے متباین ہو اور اجماع قطعی کے برخلاف پائی جائے ایسی صورتوں میں بھی وہ روایت قبول نہیں کی جاتی

چنانچہ علامہ السخاویؒ نے شرح الفیۃ الحدیث للعراقی میں بعبارت ذیل یہ تصریحات ذکر کی ہیں۔

۱ احکام القرآن از حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کراچی ص ۲۷۴ / ج ۳ تحت بحث خاتمۃ الکلام فی مشاجرات الصحابۃ"

وکل حدیث رائتہ یخالفہ العقول اویناقض الاصول فاعلم انہ موضوع فلا یتکلف اعتبارہ ای لا تعتبر رواتہ ولا تنظر فی جرحھم اویکون مما یدفعہ الحس والمشاھدۃ او مباینا لنص الکتاب او السنتہ المتواترۃ او الا جماع القطعی حیث لا یقبل شئی من ذالک التاویل۔ ۱

مزید برآں کبار علمائے امت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر یہ قاعدہ ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کی مذمت کی متعلقہ احادیث کذب محض ہیں اور ان کا کچھ اعتبار نہیں چنانچہ ابن قیمؒ نے کتاب "المنار المنیف" میں تحریر کیا ہے کہ:۔

ومن ذالک الاحادیث فی ذم معاویتہ رضی اللہ عنہ..... وکل حدیث فی ذمہ فھو کذب"۔ ۲

پس مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت اور تنقیص شان بیان کرنے والی روایات ناقابل اعتماد ہیں اور التفات کے ہرگز لائق نہیں۔

ایک اصول

اکابرین اہل سنت و الجماعۃ کی عقائد اور قواعد کی کتابوں میں یہ قاعدہ مذکور ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات بابرکات معصوم ہے اور یہ ان کا خاصہ ہے۔

انبیاء کرامؑ کے ماسواء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابرین امت معصوم نہیں۔ ان سے غلطی کا صدور ممکن ہے۔

۱ فتح المغیث شرح الفیہ الحدیث للعراقی تالیف علامہ السخاویؒ ص ۲۴۹، ۲۵۰ / ج اول طبع مدینہ منورہ تحت عنوان الموضوع

۲ المنار المنیف فی الصحیح والضعیف ابن قیم ص ۱۱۰ فصل نمبر ۳ طبع حلب

فان العصمۃ عن الخطاء مطلقا من خواص الانبیاءؑ ولا توجد فی الصحابۃ فضلا عن الاولیاء۔ ۱

لیکن علمائے دین نے یہاں لکھا ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے اور اس کی تاویل ممکن ہو تو وہ تاویل کی جائے گی اور اگر تاویل ممکن نہ ہو تو روایت کو رد کرنا لازم ہو گا اور غلطی سے سکوت واجب ہو گا اور طعن کرنے سے بالیقین اجتناب کیا جائے۔ کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے حق میں مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

وان صدر عن احد من الصحابۃ مالا یلیق فلا یبعدعن الامکان ولما تشاجروا وقع بینھم التساب والتحارب و امور یتوحش المتامل فیھا الا ان مذھبنا اھل السنۃ والجماعۃ ھو بذل الجھد فی تاویلھا و اذا لم یمکن التاویل وجب ردالروایۃ او وجب السکوت و ترک الطعن للقطع بان الحق سبحانہ وعدھم المغفرۃ والحسنیٰ۔" ۲

مذکورہ بالا اصول اور قواعد کے تحت جواب المطاعن میں کلام چلایا گیا ہے اور صحابہ کرام کی عدم معصومیت تسلیم کر لینے کے بعد یہ چیزیں ذکر کی گئی ہیں۔

اگر ان سے فروگزاشتیں ہوئی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی کے سامان کر دیئے ہیں اور ان سے مغفرت کر دینے اور جنت عطا فرمانے کے وعدے بھی فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے صادق ہیں اور وہ یقیناً پورے ہو کر رہیں گے۔

لیکن اسلامی قواعد کی رو سے ہم پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے دفاع کرنا لازم ہے۔ اسی بنا پر ہماری یہ کوششیں جاری ہیں۔ اور حضرت امیر معاویہؓ پر وارد کئے گئے مطاعن و اعتراضات کے جوابات اس سلسلہ میں مرتب کر کے پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱ الرفع والتکمیل لمولانا عبدالحی الکھنویؒ ص ۱۷۱ تحت تذنیب نبیہ طبع حلب

۲ الناھیۃ عن طعن معاویۃؓ مولانا عبدالعزیز فرھارویؒ ص ۳۳ تحت فصل فی الاجوبۃ عن مطاعنہ

طاعنین کے اصناف

امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف سوء ظنی اور تنفر رکھنے والے کئی لوگ ہیں اور بدگمانی پھیلانے والے کئی طبقات ہیں۔

۱۔ ان میں سے اپنے آپ کو شیعہ کہلانے والے (روافض) تو زمانہ قدیم سے ہی بدظنی کا شکار ہیں اور ان کی تمام مساعی کیا بلکہ تمام زندگی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت اور ان کی تنقیص شان میں صرف ہوتی ہے اور یہی ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ اور سوال آخرت کا ان کو کچھ خوف نہیں۔

۲۔ اور بعض گروہ ایسے ہیں جو اکابر صحابہ کرامؓ سے عقیدت رکھتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد شریف کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور حضرت امیر معاویہؓ کی تنقیص کرنا اور ان سے سوء ظن رکھنا اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تکملہ اور تتمہ سمجھتے ہیں۔

مگر درحقیقت یہ چیز اہل سنت والجماعۃ کے مسلک اعتدال کے برخلاف ہے اور یہ طریق کار مسلک اہل سنت کے لئے ضرر رساں ہے اور اس اسلوب سے فرقہائے شیعہ کے نظریات کی تائید ہوتی ہے۔ جو دین کے تقاضوں کے منافی ہے۔ لہٰذا یہ طریقہ بھی صحیح نہیں اور بالکل غلط ہے

۳۔ اور بعض لوگ حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف ظاہر روایات پر نظر کرنے کی وجہ سے ان پر طعن قائم کرتے ہیں اور بوجہ ظاہریت کے روایت کی تاویل اور اس کے صحیح مفہوم اور محمل تک ان کے ذہن کی رسائی نہیں ہوتی۔ یہ لوگ بھی سوء ظنی کا شکار ہیں اور اپنی کم فہمی کی وجہ سے غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

۴۔ اور اس دور میں بعض طبقے ایسے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ

عنہ کی تنقیص شان اور عیب چینی کرنے میں تمام تر قوتیں صرف کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعۃ میں شمار کرتے ہیں یہ گروہ بڑے خطرناک ہیں اور اہل اسلام میں رخنہ ڈالنے والے ہیں اور گمراہی پھیلا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت بخشے اور تمام صحابہ کرامؓ اور اولاد نبوی کے ساتھ محبت نصیب فرمائے

اور ان سے حسن ظن رکھنے کی ہمیں توفیق عنایت فرمائے اور سوء ظنی و بدگمانی سے محفوظ رکھے۔ آمین

ان تمہیدی اور اصولی امور کے بعد ہم حضرت امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف وارد کئے گئے مطاعن کے جوابات پیش کرتے ہیں۔

یہ جوابات ان ہی مطاعن سے متعلق ہیں جو ہمارے سامنے مختلف طریق سے آئے ہیں۔ تمام مطاعن کے جوابات کا دعویٰ نہیں۔ اللہ کریم ہماری یہ کوشش منظور و مقبول فرمائے اور اسے مسلمانوں کی ہدایت کا باعث بنائے۔ اور صحابہ کرامؓ سے بدظنی رفع کرنے کا سبب قرار دے۔

ایک معذرت

مولف ناچیز ایک بہت کم علم آدمی ہے اور اس طریق کا ادنیٰ خادم ہے۔ بندہ نے کم و بیش اکتالیس مطاعن کے جوابات پیش کئے ہیں ان میں اپنی معلومات کی حد تک جواب باصواب کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن یہ کوئی حرف آخر نہیں۔

اگر ان میں کوئی کوتاہی رہ گئی ہو تو علماء کرام اور فاضلان عظام اس کی اصلاح فرمائیں اور مزید جوابات مرتب کر کے سعادت دارین حاصل کریں۔ اور دفاع عن الصحابہؓ کا فریضہ ادا کریں۔

اس دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دفاع کرنا اور ان کے مقام و مرتبہ کی حفاظت کرنا نہایت اہم دینی کام ہے جو قیامت میں اجر کثیر کا موجب ہو گا۔

نیز یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جتنے مطاعن کے جوابات پیش کئے گئے ہیں ان میں ترتیب زمانی صحیح طور پر قائم نہیں کی جا سکی۔ کیونکہ یہ امر نہایت دشوار ہے اور عادۃ مشکل ہے۔

پس کیف ما اتفق ان کو پیش کر دیا گیا ہے۔

ناظرین کرام (اہل انصاف) سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

ان ارید الا الا صلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ

و کلا و عدالله الحسنی (سورۃ الحدید)

"اللہ تعالیٰ نے (صحابہ میں سے) ہر ایک سے حسنی (جنت) کا وعدہ فرمایا ہے"

ان الذین سبقت لهم منا الحسنی اولئک عنها مبعدون (سورۃ انبیاء)

بلاشبہ وہ لوگ جن کے لئے ہماری جانب سے الحسنٰی (جنت) کا وعدہ پہلے ہو چکا ہے

---------- وہ دوزخ سے دور رہیں گے ----------

جواب المطاعن

تالیف حضرت مولانا محمد نافع (محمدی شریف ضلع جھنگ)

اس پیشکش میں جلیل القدر صحابی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر وارد کردہ قدیم و جدید مطاعن اور وضع کردہ اعتراضات کا مسکت جواب پیش کیا گیا ہے۔ اور حتی الوسع مجادلانہ و مناظرانہ نوک جھونک اور عبارتی گرفت سے اجتناب کرتے ہوئے تحقیقی انداز میں معلومات پیش کی ہیں اور دفاع عن الصحابہ کا فریضہ ادا کیا ہے۔ یہ تالیف بہ نظر انصاف ملاحظہ کرنے سے بہت سود مند ثابت ہو گی (انشاء اللہ تعالیٰ) اور بہت سے شبہات کے ازالہ کا باعث بنے گی --- (بعونہ تعالیٰ)

فہرست جواب المطاعن

حضرت امیر معاویہؓ پر وارد کردہ اعتراضات کے جوابات

روایت ''الفئتہ الباغیتہ'' کے متعلقات

قبل ازیں ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ'' کے مباحث صفین میں بقدر ضرورت اس روایت کے مفہوم اور محمل کے متعلقات بیان ہو چکے ہیں۔ اب اس مقام میں کچھ بقایا چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔ جو مقام کے اعتبار سے نہایت سود مند ہیں۔

واقعہ اس طرح ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بناء مسجد نبوی کے موقعہ پر حضرت عمار بن یاسرؓ کو ارشاد فرمایا

ویح عمار تقتلک الفیئتہ الباغیتہ

اور بعض مقام میں صیغہ غائب کے ساتھ یہی کلام مذکور ہے یعنی **تقتلہ الفیئتہ الباغیتہ (او کما ذکر فی الحدیث)** اس کا مطلب یہ ہے کہ (عمار کو) ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

روایت ہذا کے بعض طرق میں بعض مقامات میں اس طرح کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں کہ :۔

(اول) .... **یدعوھم الی الجنتہ ویدعو نہ الی النار**

یعنی (عمار) ان کو جنت کی طرف بلاتا ہے اور وہ (لوگ) اسے آگ کی طرف بلاتے ہیں پھر اس سے آگے بعض مقامات میں الفاظ ذیل کا اضافہ بھی پایا گیا ہے۔

(دوم)........ **لا انا لھا اللہ شفاعتی یوم القیامتہ** یعنی یہ لوگ قیامت کے دن میری شفاعت نہیں پا سکیں گے۔

معترض لوگ روایت ہذا اور اس کے ان اضافہ جات کے پیش نظر حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت پر باغی ہونے کے طعن کے ساتھ ساتھ ان کے جہنمی ہونے اور شفاعت سے محروم ہونے کا طعن تجویز کرتے ہیں ------ مطلب یہ ہے کہ معترضین کے نزدیک امیر

معاویہؓ اور ان کی جماعت باغی ہے اور جہنم کی مستحق اور شفاعت سے محروم ہے۔

جن حضرات کی شیعہ کتب کی مباحث مطاعن پر نظر ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اس مسئلہ میں روایت ہذا ان کے نزدیک مدار طعن اور محور اعتراض ہے۔

قتلا بين فيئتين مومنين۔‘‘ ے ۱

تاریخ الصغیر للبخاری صفحہ ۴۲ تحت من مات بعد عثمان فی خلافۃ علیؓ

یعنی حضرت عمار بن یاسرؓ کی حضانت و پرورش کرنے والی خاتون کہتی ہیں کہ ایک بار عمار بیمار ہو گئے (ہم لوگ اس کی بیماری کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے) تو عمار کہنے لگے (پریشان نہ ہوں) اس بیماری میں میری موت نہیں آئے گی وجہ یہ ہے کہ ’’میرے حق میں میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایمانداروں کی دو جماعتوں کے درمیان میں مقتول ہوں گا اور اس صورت میں میری موت واقع ہو گی۔

اس روایت کی روشنی میں ذیل اشیاء ثابت ہوتی ہیں۔

۱ حضرت عمارؓ کی موت قتل کی صورت میں ہو گی یعنی بستر پر موت نہیں آئے گی۔

۲ حضرت عمار کی موت مومنین کی دو جماعتوں کے درمیان واقع ہو گی

۳ یہ دونوں جماعتیں ایماندار ہوں گی بے ایمان نہیں ہوں گی

۴ ان دو پارٹیوں کا باہم تنازع یا مابہ الاختلاف کا معاملہ ایسا نہیں ہو گا کہ ان کو ایمان سے خارج کر ڈالے اور یہ دینی حدود سے متجاوز ہو جائیں بلکہ وہ مجتہد فیہ مسئلہ کے درجہ میں ہو گا

(۳)

اصل روایت کی صحت مسلم ہونے اور اس کی دوسری شکل پیش کر دینے کے بعد یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ رواۃ اور ناقلین کی طرف سے روایت کی پہلی شکل میں ادراجات اور اضافے پائے گئے ہیں۔ اور یہ تمام ظن راوی ہے اصل روایت کا حصہ نہیں اور مدار طعن یہی کلمات ہیں ان کی وجہ سے طاعنین نے طعن پیدا کر لئے ہیں۔ ان کی نشاندہی کر دینے سے مسئلہ صاف ہو جاتا ہے اور قابل اشکال نہیں رہتا۔

ے ۱ تاریخ الصغیر للبخاریؒ ص ۴۲ تحت من مات بعد عثمانؓ فی خلافۃ علیؓ

یہ کلمات (یدعوھم الی الجنتہ و یدعونہ الی النار) صرف راوی عکرمہ نے نقل کیئے ہیں۔
اس روایت کے نقل کرنے والے دوسرے راوی ان کلمات کو نہیں ذکر کرتے یہ الفاظ
صرف عکرمتہ سے مروی روایات میں ہی پائے جاتے ہیں

بندہ کی ایک خام جستجو کے مطابق یہ روایت قریباً" بیس سے زائد مصنفین ۱ نے نقل
کی ہے اور ان میں سے بعض تصانیف میں روایت ہذا متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے۔
حتی المقدور جستجو کر کے یہ چیز ان کتب سے اصل ماخذ ملاحظہ کرنے کے بعد پیش کی جا
رہی ہے۔ اس تحقیق کو نقل در نقل پر محمول نہ کر لیا جائے۔ نیز یہ چیز بھی ملحوظ رہے کہ
یہاں ہمارا کلام اس مسئلہ میں مرفوع و متصل روایات کے متعلق ہے اور جو روایات غیر
مرفوع اور مرسل یا غیر متصل ہیں یہ بحث ان کے اعتبار سے نہیں کی جا رہی ہے۔
مندرجہ بالا مرویات میں سے قریباً" دو تین اسانید جو عکرمہ عن ابن عباس منقول ہیں
صرف ان میں یہ کلمات پائے گئے ہیں بندہ کی ایک ناقص تلاش کے مطابق ان کے ماسوا کسی
صحیح مرفوع و متصل روایت میں کلمات ہذا نہیں دستیاب ہو سکے۔ جس میں عکرمتہ راوی نہ
ہو تاحال یہی تحقیق ہے **والعلم عند اللہ** بنا بریں یہ واضح کر دینے میں کوئی حرج نہیں کہ یہ
کلمات **(یدعوھم الی الجنتہ و یدعونہ الی النار)** عکرمتہ کی طرف سے ادراج فی الروایتہ
ہیں اور یہ اضافہ ظن راوی کے درجہ میں ہے۔ اور صرف اس کی طرف سے یہ کلمات اضافہ
کیئے گئے ہیں۔ یہ مرفوع اور متصل روایت کا حصہ نہیں ہیں۔ اس کے بعد عکرمتہ کے
متعلق چند ایک چیزیں پیش کی جاتی ہیں جو اس ادراج کا پس منظر واضح کرنے میں ممد و معاون
ہو سکتی ہیں

۱ عکرمتہ مولی ابن عباسؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا غلام اور شاگرد ہے اور اس کا اصل نام
عکرمتہ البربری ابو عبداللہ المدنی مولیٰ ابن عباس ہے۔

۲ عکرمتہ کے متعلق علماء رجال نے توثیق بیان کی ہے اور اس کی وثاقت اور عدالت کو کامل
طور پر ذکر کیا ہے (جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے) اور یہ کوئی مخفی امر نہیں ہے۔

۱ حاشیہ قولہ یہ روایت قریباً" بیس سے زائد مصنفین نے نقل کی ہے۔

۴ اس کے باوجود علماء رجال نے مندرجہ ذیل چیزیں بھی عکرمہ کے بارے میں نقل کی ہیں۔

الف .... قال ابو خلف الخزار عن یحیی البکاء سمعت ابن عمر یقول لنافع اتق الله ویحک یا نافع ولا تکذب علی کما کذب عکرمۃ علی ابن عباس ۱؎

ب عن سعید بن المسیب انہ کان یقول لغلامہ برد یا برد لا تکذب علی کما یکذب عکرمۃ علی ابن عباس۔"۲؎

ج علی بن عبداللہ بن عباس............ انہ قال عکرمۃ یکذب علی ابی۔"۳؎

د .... قال علی بن المدینی کان عکرمۃ یری رای نجدۃ الحروری۔۴؎

ھ......... ولکنہ کان یری رای الخوارج رای الصفریۃ۔"۵؎

و......... قال وکان عکرمۃ یری رای الاباضیۃ۔"۶؎

(فرقۃ من الخواج تنسب الی عبداللہ بن اباض)

ز......... عکرمۃ مولی ابن عباس من اوعیۃ العلم تکلموا فیہ لرایہ لا لحفظہ اتہم برای الخوارج و ثقہ غیر واحد ------- انتہی۷؎

ح......... قال یحی و بلغنا عن عکرمۃ انہ کان لا یقول ھذا (ای قول الخوارج) و ھذا باطل۸؎

۱ تہذیب التہذیب ۲۶۷، ۲۶۸ / ج ۷ تحت عکرمۃ مولی ابن عباسؓ

۲ کتاب المعرفۃ والتاریخ للبسوی ص ۵ / ج ۲ تحت عکرمۃ مولی ابن عباسؓ

تہذیب التہذیب ص ۲۶۷، ۲۶۸ / ج ۷ تحت عکرمۃ مولی ابن عباسؓ

۳ تہذیب التہذیب صفحہ ۲۷۸ / ج ۷ تحت عکرمۃ مولی ابن عباسؓ

۴ کتاب المعرفۃ والتاریخ ص ۷ / ج ۲ تحت عکرمۃ مولی ابن عباسؓ

۵ الکامل لابن عدی ص ۱۹۰۵ / ج اول تحت عکرمۃ مولی ابن عباسؓ

طبقات لابن سعد ص ۲۱۶ / ج ۵ (طبع لیدن) تحت عکرمۃ

۶ کتاب المعرفۃ والتاریخ للبسوی ص ۱۲ / ج ۲ تحت عکرمۃ مولی ابن عباسؓ

۷ المغنی فی الضعفاء للذہبیؒ ص ۴۳۸ / ج ۲ تحت عکرمۃ مولی ابن عباسؓ

۸ التاریخ یحیی بن معین المتوفی (۲۳۳ھ) ج ۲ ص ۴۱۲ / ج ۲، ص ۱۰۶ / ج ۳ طبع مکہ مکرمہ

مندرجہ بالا چند امور جو عکرمتہ کے متعلق پیش کئے ہیں ان سے مقصد یہ ہے کہ عکرمتہ ذاتی طور پر اباضیہ الصفریۃ اور نجدۃ الحروری کی رائے رکھتا تھا۔ اور یہ لوگ جس طرح نظریاتی طور پر حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف تھے اسی طرح حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کے بھی فکری اور نظری طور پر مخالف تھے۔ ان کو تاریخ میں خوارج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان حالات کے اعتبار سے اگر عکرمتہ حضرت امیر معاویہؓ کے مقام و مرتبہ اور ان کی جماعت کے خلاف کوئی بات اپنی طرف سے روایت میں درج کر دے تو یہ ممکن ہے یہ چیز ادراج شمار ہو گی افتراء نہیں۔ اور ہم اسے بھی ایک احتمال کے درجہ میں ذکر کر رہے ہیں۔

۴۔ اس مقام میں یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ مذکورہ کلمات نقل کرنے میں عکرمتہ کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم اسے ادراج نہ کہتے

قاعدہ یہ ہے کہ جس راوی کا روایت کے متعلق متابع نہ پایا جائے وہ قابل تسلیم نہیں سمجھی جاتی اور اس پر کامل اعتماد نہیں ہوتا۔ اس بنا پر یہ مدرج کلمات لائق اعتبار نہیں ہیں۔

(حاشیہ)

قولہ: بیس سے زائد مصنفین

اہل علم کی تسلی کے لیے ان تصانیف کا نام ذکر کر دینا مزید سمجھا گیا ہے جن میں روایت (الفئتہ الباغیہ) نقل کی گئی ہے لیکن ان مقامات میں "**یدعوھم الی الجنتہ و یدعونہ الی النار**" اور کلمہ "**لا انا لھا اللہ شفاعتی یوم القیامتہ** وغیرہ میں سے کوئی ایک کلمہ بھی نہیں پایا گیا:۔

(۱) مسلم شریف جلد ثانی کتاب الفتن باب اشراط الساعۃ (دو بار)

(۲) ترمذی شریف ابواب المناقب (مناقب عمارؓ)

(۳) **الخصائص للنسائی** (متعدد بار مروی ہے)

(۴) **المصنف** عبد الرزاق جلد یازدھم

(۵) الصحیح لابن حبان جلد ہشتم و نہم (متعدد بار)

(۶) مسند ابی داؤد الطیالسی تحت احادیث زید بن ثابت

(۷) المصنف لابن ابی شیبتہ جلد پانزدھم' کتاب الجمل' باب ما ذکر فی الصفین (دوبار)

(۸) المسند لامام احمدؒ جلد دوم سوم' چہارم پنجم ششم

ان مقامات میں صرف ایک روایت جو عکرمتہ کے ذریعے مروی ہے اس میں (-یدعوھم ... الخ) کا اضافہ پایا گیا ہے۔ باقی مقامات میں دستیاب نہیں ہوا۔

(۹) المستدرک للحاکم۔ جلد سوم۔ ابواب فضائل عمار بن یاسرؓ (متعدد بار)

(۱۰) طبقات لابن سعد۔ جلد سوم تزکرہ عمار بن یاسرؓ (متعدد بار)

(۱۱) دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ششم (تین بار)

(۱۲) کتاب الاعتقاد علی مذہب السلف للبیہقی صفحہ ۳۷۴ / ۳۷۵ طبع بیروت (۲ عدد روایت)

(۱۳) شرح السنتہ للبغوی۔ جلد ۱۴ باب مناقب عمار بن یاسرؓ

(۱۴) مجمع الزوائد للہیثمی۔ جلد نہم۔ باب فضل عمارؓ (بحوالہ ابی یعلی۔ البزار۔ الطبرانی) متعدد بار

(۱۵) التاریخ لابن جریر الطبری۔ جلد ششم۔ تحت مقتل عمار بن یاسرؓ

(۱۶) التاریخ لابن جریر الطبری۔ جلد ۱۳' تحت من مات او قتل فی سنتہ ۳۷ھ

(۱۷) حلیتہ الاولیاء لابی نعیم جلد چہارم تحت عبداللہ بن ابی ھذیل (تین بار)

(۱۸) حلیتہ الاولیاء لابی نعیم جلد ہفتم تحت شعبتہ بن حجاج (متعدد بار)

(۱۹) تاریخ بغداد للخطیب۔ جلد دوم' پنجم' یازدھم (متعدد بار)

(۲۰) کنز العمال للمتقی الھندی۔ جلد ششم' باب صفین فضائل عمار (متعدد بار)

(۲۱) کنز العمال للمتقی الھندی۔ جلد ہفتم کتاب الفضائل تحت عمار بن یاسرؓ (متعدد بار)

(۲۲) التاریخ لابن عساکر جلد ثانی عشر ص ۴۳۴ (مخطوطہ قلمی) تحت تذکرہ عمار بن یاسر۔

علی سبیل التنزل"

اگر اس نقد سے قطع نظر کر لی جائے تو علماء کرام نے ان کلمات کے محمل کے لئے متعدد توجیہات ذکر کی ہیں۔

(ا)

عمار بن یاسرؓ کو اسلام کے ابتدائی دور میں کفار کی طرف سے ایذا رسانی کی جاتی تھی اور حضرت عمار کو اسلام ترک کرنے پر مجبور اور مقہور کیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود پ توحید اور اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اس ابتدائی اور زمائشی دور میں بعض دفعہ نبی اقدس صلی الل ہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا :۔

ا فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعبث قریش بعمار "مالھم و لعمار؟ عمار یدعوھم الی الجنتہ و یدعونہ النار۔" ۱

یعنی اس حال میں کہ قوم قریش عمار کے ساتھ ایذا رسانی کرتے ہوئے کھیل بناتے تھے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے لئے اور عمار کے لئے کیا ہے؟ عمار ان کو جنت کی طرف دعوت دیتا ہے اور یہ لوگ اسے نار کی طرف بلاتے ہیں۔

۲ اور بعض جگہ اسی روایت کے آخر میں مزید یہ کلمات بھی پائے جاتے ہیں و ذالک داب الاشقیاء الفجار۔ ۲ یعنی یہ فاجر اور شقی لوگوں کا طریقہ ہے جو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے۔

۱ البدایہ لابن کثیرؒ ص ۲۶۸ / ج ۷ تحت بحث صفین

۲ التاریخ لابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۶۲۶ / ج ۱۲ تحت عمار بن یاسرؓ

۲ فضائل الصحابتہ لامام احمدؒ ص ۸۵۸ / ج ۲ تحت فضائل عمار بن یاسرؓ

۲ کنز العمال لعلی متقی الہندی ص ۷۵ / ج ۷ تحت عمار بن یاسرؓ کتاب الفضائل

۳ التاریخ لابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۶۲۶ / ج ۱۲ تحت تذکرہ عمار بن یاسرؓ

اسی مفہوم کو صاحب فیض الباری الشیخ الکبیر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے مندرجہ ذیل عبارت میں بیان کیا ہے۔

۳۔ اما قولہ "یدعوھم الی الجنۃ" فاستیناف لحالہ مع المشرکین و قریش العرب و اشارۃ الی المصائب التی اتت علیہ من جھتہ قریش و تعذیبھم والجائھم ایاہ علی ان یکفر بربہ فابی الا ان یقول اللہ احد وفیہ قلت

بادہ نوشان غمت داودؒ و معروفؒ و جنیدؒ جاں فروشان درت عمارؓ و سلمانؓ و بلالؓ

فھذہ حکایۃ للقصۃ الماضیۃ و منقطعۃ عما قبلھا لا اخبار عن حال قاتلیہ۔ا

یعنی یدعوھم الی الجنۃ والا جملہ مستانفہ ہے اور مشرکین و قریش عرب کے حال کو بیان کرنے کے لئے ہے اور وہ مصائب جو قریش کی طرف سے تعذیب اور اجبار کی صورت میں حضرت عمارؓ پر وارد کئے گئے تھے ان کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ عمارؓ کو اپنے رب کے ساتھ کفر پر مجبور کرتے تھے اور عمارؓ انکار کرتے ہوئے "اللہ احد" پکارتے تھے۔ پس یہ جملہ گزشتہ قصہ کی حکایت کے طور پر منقول ہے اور اپنے ماقبل سے منقطع ہے۔ اور عمارؓ کے قاتلین کے حال کے ساتھ اس جملہ کا تعلق نہیں۔ اور اسی کیفیت کے مناسب جناب حضرت شاہ صاحبؒ نے مذکور فارسی شعر ذکر فرمایا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ جملہ اگر واقعہ میں روایت کا جزو ہے تو اس کا محمل اور محل سابقہ ابتلائی آزمائشی دور ہے اور رواۃ نے اپنے تصرفات کی بنا پر اہل اسلام کے باہم قتال کی طرف لگا دیا ہے جو مقام "صفین" میں پیش آیا تھا۔

(۲)

اور اگر ان کلمات کا سابق دور کے ساتھ تعلق نہ بھی بنایا جائے تو علماء کرام نے ان کلمات کا مفہوم ذیل صورت میں ذکر کیا ہے۔

ا فیض الباری للشیخ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ ص ۵۲ / ج ۲ تحت الحدیث (طبع مجلس علمی، ڈابھیل)

فالجواب انهم کانوا ظانین انهم یدعون الی الجنته وان لم یکونوا کذالک بحسب الواقع لکنهم معذورون للتاول الذی ظھرلھم لکونھم مجتھدین لا لوم علیھم۔ ۱

اور اسی طرح شارح بخاری شریف علامہ کرمانی نے بھی یہی توجیح ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ : **قلت انھم کانوا ظانین انھم یدعونہ الی الجنتہ وان کان فی الواقع دعاء الی النار وھم مجتھدون یجب علیھم متابعتہ ظنونھم** "۔۲

ان عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ عمار بن یاسرؓ کے ساتھ مقاتلہ کرنے والے اپنے زعم میں جنت کی طرف دعوت دے رہے تھے اگرچہ واقعہ کے اعتبار سے غلطی پر تھے لیکن وہ اپنی تاویل فکر کی بنا پر مجتہد معذور کے درجہ میں تھے۔ ان پر اپنے ظن و گمان کی متابعت لازم تھی فلہذا یہ لوگ قابل ملامت و مذمت نہیں۔

(۴)

"دیگر توجیہ"

روایت مذکورہ کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہؓ کی جماعت پر بغاوت کا اطلاق کیا جاتا ہے اور حضرت معاویہ" امیر جماعت تھے فلہذا ان پر بھی اطلاق بغاوت ہوتا ہے۔

اس چیز کے متعلق اہل علم حضرات دیگر توجیہات کے علاوہ ایک یہ توجیہہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ :۔

۱ فتح الباری شرح بخاری شریف لابن حجرؒ ص ۴۳۰ / ج ۱ باب التعاون فی بناء المسجد۔ کتاب الصلوۃ

۲ فیض الباری حاشیہ بخاری شریف ص ۵۲ / ج ۲ باب التعاون فی بناء المسجد

۳ لامع الدراری علی جامع البخاری ص ۱۷۴ / ج ۱ جلد اول طبع اول (ھند)

۲ شرح کرمانی علی البخاری ص ۱۰۷، ۱۰۸ / ج ۴ کتاب الصلوۃ باب التعاون فی بناء المسجد

" ان ایام میں جو حالات پیدا ہو گئے اور اس دور کے تقاضے سامنے آئے وہ بہت ہی نازک مراحل تھے

ان کی صحیح کیفیات کا اندازہ بعد والے لوگ نہیں لگا سکتے۔

حضرت معاویہؓ نے اس وقت خلیفہ برحق کے خلاف جو اقدام کیا تھا وہ بتقاضائے حالات ایک امر مجبوری تھا۔ اس کی مثال اس مسئلہ کی شکل میں سمجھ لی جائے کہ نمازی کے لئے نماز کو بلاوجہ توڑ دینا ناجائز اور ممنوع ہے لیکن اگر دیکھے کہ نابینا شخص ہے اور آگے کنواں ہے یا بچے کا چھت پر سے گر جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے وغیرہ وغیرہ تو ایسے وقت میں ان کو بچانے کے لئے نماز کی نیت توڑ دینا واجب ہے۔

اسی طرح بغاوت کے مسئلہ میں یہی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ حضرت معاویہؓ کی رائے میں اس وقت بغاوت ایسی ہی ضروری تھی جیسا کہ مذکورہ بالا مسئلہ میں نقض صلوٰۃ ہے

فلہذا انہوں نے ان تقاضوں کے تحت خلیفہ وقت کا خلاف اپنے اجتہاد فکر کی بنا پر کیا تھا۔

تاہم علماء نے اس خلاف کے متعلق درج ذیل قول تحریر کیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے "سیرۃ سیدنا علی المرتضیٰ" میں مباحث صفین کے تحت ذکر کیا ہے کہ:

ان اهل السنة اجمعوا علی ان من خرج علی علی کرم الله وجهه خارج علی الامام الحق الا ان هذا البغی الاجتهادی معفو عنه"۔ ۱

یعنی اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ ان کا حضرت علیؓ کے خلاف کھڑے ہونا بنابر اجتہاد ہے اور وہ ان کے حق میں معاف ہے۔

۱ الناهیة عن طعن معاویةؓ ص ۳۸ تحت الجواب التاسع۔ طبع ملتان

دوسرا جملہ

روایت مذکورہ میں بعض مقامات میں یہ کلمات (........ **لا انا لھا اللہ شفاعتی یوم القیامتہ**) پائے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق کبار علماء نے صاف فیصلہ دے دیا ہے کہ :۔ یہ بالکل بے اصل اور موضوع ہیں اور دروغ محض ہیں۔ چنانچہ علمائے کرام فرماتے ہیں۔

۱۔........ **واما قولہ "لا انا لھا اللہ شفاعتی" فکذب مزید فی الحدیث لم یروہ احد من اهل العلم باسناد معروف۔**" ۱

۲۔........ ومن۔ زاد فی ھذا الحدیث بعد تقتلک الفئتہ الباغیتہ لا انا لھا اللہ شفاعتی یوم القیامتہ فقد افتری فی ھذہ الزیادۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ لم ینقلھا اذلم تنقل من طریق تقبل واللہ اعلم۔" ۲

۳۔........ وما زادہ الروافض فی ھذا الحدیث بعد قولہ "الباغیتہ" لا انا لھا اللہ شفاعتی یوم القیامتہ" فھو کذب و بحت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ قد ثبت الاحادیث عنہ صلوت اللہ علیہ و سلامہ بتسمیتہ الفریقین مسلمین۔" ۳

مطلب یہ ہے کہ روایت مذکورہ بالا میں اس نوع کے کلمات بعض مخالفین صحابہ کرامؓ نے اضافہ کر دیئے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط انتساب کیا ہے کیونکہ نصوص میں باہم قتال کرنے والے دونوں فریقوں کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے "مسلمان اور مومن" فرمایا ہے اور یہ اہل اسلام کے دونوں فریق ہیں (اگرچہ ایک فریق حقیقت میں حق پر ہے اور دوسرا فریق اپنے زعم میں حق پر ہے)

۱ منہاج السنتہ لابن تیمیتہ ۱۹۴/ ج ۳ تحت بحث ہذا

۲ البدایتہ والنہایتہ لابن کثیرؒ ص ۲۱۸ / ج ۳ تحت فصل فی بناء المسجد .... الخ

۳ البدایتہ والنہایتہ لابن کثیرؒ ص ۲۷۱-۲۷۰ / ج ۷ تحت بحث قتل عمار بن یاسرؓ .... الخ (طبع اول مصر)

اہل اسلام کے لئے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت علی حسب الاذن سب کے لئے ہو سکتی ہے فلہذا قیامت کے دن مسلمان کے لئے شفاعت نبوی کی نفی کرنا درست نہیں۔

اختتام بحث ھذا میں

۱۔ اولاً یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ مسئلہ ہذا کے یہ تمام مراحل روایت کی شکل اول پر مبنی تھے (جس میں "الفئة الباغیہ" کے الفاظ پائے جاتے ہیں)۔

اور اس روایت کی دوسری شکل جو حاضنہ عمارؓ سے منقول و مروی ہے **(انی لاأموت الا قتلا بین فئتین مومنین)** جس طرح کہ ابتدا بحث میں بیان کر دیا گیا ہے اس روایت کی روشنی میں معاملہ بالکل واضح ہے کہ حضرت معاویہؓ اپنی جماعت سمیت صفت ایمان سے متصف ہیں اور باغی و طاغی نہیں

روایت کی ایک صورت کو اختیار کر کے اس پر کئی نتائج اپنی طرف سے متفرع کرنا اور اس فرمان نبوی صلعم کے دیگر پہلو کو نظر انداز کر دینا' دین و انصاف کے تقاضوں کے برخلاف ہے۔

نیز اختلاف رائے کے ایک وقتی دور گزر جانے کے بعد ان پر یہ الزامات قائم کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

۲۔ ثانیاً" یہاں یہ ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں کہ:۔

تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ ان مشاجرات کے بعد حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ اور

حضرت معاویہؓ کے مابین (۴۰ ھ) چالیس ہجری میں صلح و مصالحت ۱ ہو گئی تھی پھر حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے بعد امام حسنؓ کی بھی ربیع الاخر یا جمادی الاولیٰ ۴۱ ھ میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ صلح ہو گئی اور حضرت حسنؓ نے حضرت امیر معاویہؓ سے بیعت خلافت کر لی۔

اس ''صلح'' اور ''بیعت'' کے بعد حضرت معاویہؓ تمام اہل اسلام کے لئے خلیفہ برحق تجویز ہو گئے اور صحیح امام المسلمین اور امیر المومنین ٹھہرے۔

اس ابتلائی دور کے گزر جانے کے بعد سیدنا امیر معاویہؓ باغی نہیں نہ طاغی ہیں' نہ فاسق ہیں نہ جائر ہیں اور نہ ظالم ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ زیر بحث روایت کا تعلق ایک خاص دور کے ساتھ ہے اس کے ختم ہو جانے کے بعد پھر ان مسائل کو کھڑا کرنا اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف ہے اور سوال آخرت سے بے فکری کا مظاہرہ ہے اس چیز کو قبل ازیں ''سیرۃ سیدنا علی المرتضیٰؓ (مباحث صفین) میں تحت روایت ہذا ذکر کر دیا ہے اور یہاں یہ چیز اہم اضافہ جات کے ساتھ بطور یاد دہانی کے دہرائی گئی ہے۔

بحث ''الطلقاء''

معترض لوگ طلقاء کی بحث کو اس طرح بیان کرتے ہیں گویا ''طلقاء'' حقارت اور نفرت کا کلمہ ہے اور جن لوگوں کے حق میں یہ کلمہ استعمال کیا گیا وہ قابل نفرت اور حقارت تھے۔ اور طاعنین ان حضرات کو طلیق ابن طلیق کہہ کر مذمت کے عنوانات کے ساتھ نوازتے ہیں۔ اور حضرت امیر معاویہ کی ذات گرامی کو اس طعن کا خاص مورد گردانتے ہیں۔

۱ تاریخ طبری ص ۸۱ / ج ۶ تحت سنۃ ۴۰ھ (چالیس ہجری)

۲ الکامل لابن اثیر الجزری'' ص ۱۹۳ / ج ۳ تحت سنۃ اربعین ۴۰ھ

۳ البدایہ لابن کثیر'' ص ۳۲۲ / ج ۷ جلد سابع تحت سنۃ اربعین ۴۰ھ

الجواب

اس بحث کے لئے ذیل میں ہم چند امور بیان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کو ملاحظہ فرما کر قارئین کرام اطمینان حاصل کر سکیں گے۔

اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے یہ چیز معلوم کرنا ضروری ہے کہ :۔

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کلمات کس موقعہ پر اور کس صورت میں ارشاد فرمائے؟

اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین کون لوگ تھے؟ چند مخصوص افراد تھے یا عام جماعت تھی؟

کیا صحابہ کرامؓ "طلقاء" کو کلمہ حقارت و نفرت سمجھتے تھے؟

اور کیا طلقاء منصب خلافت کے اہل ہیں یا نہیں؟

کلمہ "الطلقاء" کا مورد

کلمہ "الطلقاء" ارشاد فرمانے کا موقعہ اس طرح پیش آیا کہ رمضان المبارک ۸ ھ میں فتح مکہ کے موقعہ پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم باب کعبہ کے پاس قیام فرما ہوئے اور وہاں مختلف احکامات صادر فرمائے۔ ان فرامین میں سے ایک فرمان درج ذیل ہے۔

یا معشر القریش! اللہ تعالٰی نے تم سے دور جاہلیت کا تکبر و غرور اور اپنے آباء و اجداد کے ساتھ فخر و تفاخر دور فرما دیا ہے تمام لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے ہیں۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:۔

یا یھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی.........

پھر فرمایا۔ یا معشر القریش! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ لوگوں نے کہا "آپ بہتر معاملہ کریں گے کیوں کہ آپ مہربان اور شریف ہیں اور مہربان اور

شریف کی اولاد ہیں۔"

پھر آپؐ نے فرمایا۔ **اذ هبوا انتم طلقاء** ۔ ؎ ۱

یعنی تم سب کو معافی دی گئی ہے رخصت ہو جاؤ

ابن کثیرؒ نے اس مقام میں لکھا ہے کہ:۔

ثم قال یا معشر قریش! ما ترون انی فاعل فیکم؟ قالوا خیرا اخ کریم وابن اخ کریم قال اذهبوا فانتم الطلقاء ۔ ؎ ۲

یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اے قریش کی جماعت! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ تو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے ساتھ خیر و سلامتی کے ساتھ پیش آئیں گے آپ صلعم مہربان برادر ہیں اور مہربان برادر کے فرزند ہیں تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم لوگ رخصت ہو جاؤ تمہیں معافی دی گئی ہے۔

پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ (عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ تھے) پس ان کو بلایا گیا جب وہ حاضر ہوئے تو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کلید کعبہ عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

الیوم یوم بر و وفاء ۔ ؎ ۱ یعنی آج دن یوم احسان و وفاء ہے (بدلہ لینے اور سزا قائم کرنے کا یوم نہیں ہے)

ابن خلدون نے اس مقام میں اسی مضمون کو بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے۔

ثم من علی قریش بعد ان ملکهم یومئذ و قال اذهبوا فانتم طلقاء واسلموا ۔ ؎

یعنی سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز قریش پر قابو پانے کے بعد احسان جتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ تم کو معافی دی گئی ہے رخصت ہو جاؤ اور اسلام میں داخل ہو کر

۱ سیرۃ لابن ہشام ص ۴۱۲ / ج ۲ تحت طواف الرسول بالبیت

۲ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ ۳۰۱ / ج ۴ تحت احوال فتح مکہ۔ طبع مصر

رہو۔

طلقاء کے مخاطبین

یہاں یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ خطبہ مذکورہ کے وقت قریش مکہ کے متعدد قبائل پیش خدمت تھے۔ ان تمام حاضرین سے سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا کوئی ایک قبیلہ یا چند مخصوص افراد مخاطب نہیں تھے۔ اور خواص افراد کے لئے کوئی خصوصی خطاب نہ تھا بلکہ اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت سے قبائل [1] حاضر تھے مثلاً بنی تمیم، بنی عدی، بنی مخزوم، بنی خزیمہ، بنی اسد، بنی نوفل، بنی زہرہ، بنی ہاشم، اور بنی عبدالشمس (بنو امیہ) وغیرہ وغیرہ قبائل موجود تھے۔

ان تمام حاضرین کے حق میں فرمان نبوت صادر ہوا تھا کہ :۔

اذھبوا انتم الطلقاء اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنے خطبے میں **یا معشر قریش!** کے الفاظ متعدد بار استعمال فرمائے تھے چنانچہ یہی الفاظ اس بات کا قرینہ ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص افراد یا مخصوص قبیلہ سے خطاب کرنا مقصود نہ تھا۔

فلہذا بنو امیہ کے مخصوص چند افراد مثلاً ابو سفیانؓ امیر معاویہؓ ولید بن عقبہؓ عبداللہ بن سعد بن سرح وغیرہ کو طلقاء طلقاء کہہ کر عوام میں نفرت پھیلانا درست نہیں۔ [2]

نیز الطقاء کا کلمہ صرف معافی کے الفاظ ہیں یہ کلمات کوئی مذمت یا حقارت و تحقیر کے لئے نہیں کہ جن سے عوام میں تنفر و نفرت پیدا کی جائے۔ اور مزید برآں یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ اس لفظ کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کے دور میں باہمی حقارت اور تنفر قائم نہیں تھا اور نہ ہی یہ الفاظ ان حضرات کے حق میں بطور طعن "استعمال کئے جاتے تھے۔

1. البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص ۳۰۱ / ج ۴ تحت احوال فتح مکہ
2. تاریخ ابن خلدون ص ۵ المجلد الثالث القسم الاول تحت دولتہ بنی امیہ طبع بیروت

حاشیہ

(۱) قولہ :۔ متعدد قبائل حاضر تھے۔

قولہ متعدد قبائل حاضر تھے علماء کرام نے اس مقام پر یہ صراحت کی ہے کہ فتح مکہ کے دن جو قبائل مسلمان ہوئے تھے وہ دو ہزار کے قریب افراد تھے۔ ان میں سے بعض حضرات اسلام لانے کے بعد اخیار المسلمین میں شمار کئے گئے **مثلاً**

الحارث بن ہشامؓ، سہلؓ بن عمرو، صفوانؓ بن امیتہ، عکرمہؓ بن ابی جہل، یزید بن ابی سفیانؓ حکیم بن حزامؓ ابو سفیان بن الحارث بن **عبدالمطلب** (ہاشمی) عتابؓ بن السید اور معاویتہ بن ابی سفیانؓ وغیرہ یہ تمام صحابہ کرامؓ اسی فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام لائے اور ان کا اسلام مقبول و منظور ہوا۔

مزید برآں اس مقام میں یہ ذکر کر دینا مناسب ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی ہمشیرہ محترمہ ام ھانی بنت ابی طالب بھی اسی موقعہ پر مشرف بہ اسلام ہوئیں اور بقول خود **طلقاء** کے خطاب میں شامل تھیں۔ اور دیگر ہاشمی حضرات کے ساتھ معافی پانے والے افراد کے زمرے میں داخل تھیں۔ کیونکہ کلمہ **انتم الطلقاء** میں دیگر قبائل کے ساتھ بنی ہاشم کے وہ افراد جو قبل ازیں اسلام نہ لا سکے تھے شامل و شریک ہیں۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ ام ھانیؓ بنت ابی طالب کا مختصر حال ہم نے سیرت سیدنا علی المرتضیٰؓ میں عنوان "خواہران" کے تحت ذکر کر دیا ہے۔ (منہ)

طلقاء کے لئے مناصب

اب اس کے بعد یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ پر طعن کرنے والے احباب اس

۱ منہاج السنتہ ص ۲۰۲ / ج ۲ تحت قول الرفضی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعن معاویتہ طلیق ابن طلیق

۲ تاریخ **الخمیس** ص ۱۶۳ / ج ۱ تحت اولاد ابی طالب، ص ۲۷۱ / ج اول تحت ذکر من **خطب** علیہ السلام من النساء ..... الخ

مسئلہ کو بڑی اہمیت دیتے ہیں کہ طلقاء جس طرح منصب خلافت کے لئے اہل نہیں اسی طرح کسی دیگر منصب کے بھی اہل نہیں۔

گویا معترضین کے نزدیک اسلامی معاشرہ میں طلقاء کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں اور نہ ہی وہ کسی منصب دیئے جانے کے اہل ہیں اور ان کو اہل اسلام ہمیشہ حقارت و نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسلام میں اور مسلمانوں میں ان کو کوئی اعزاز حاصل نہیں۔

طاعنین کے ان نظریات کے جواب میں مختصراً" ہم مندرجہ ذیل چیزیں پیش کرتے ہیں بہ نظر انصاف انہیں ملاحظہ فرماویں۔ یہاں سے ان حضرات کا مقام و مرتبہ خود بخود واضح ہو جائے گا۔ کسی سوال و جواب کی حاجت نہ رہے گی۔

(۱)

عہد نبویؐ میں فتح مکہ کے بعد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے **عتاب بن اسید** (جو طلقاء میں سے ہیں) کو مکہ مکرمہ کا والی اور حاکم مقرر فرمایا۔

وعتاب بن اسید الذی ولاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ لما فتحہا۔ ۵۳

(۲)

ابو سفیان بن حرب جو طلقاء میں سے تھے اور بنی امیہ کے روساء میں سے تھے ان کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی اہم مناصب عنایت فرمائے مثلاً

(۱) قبیلہ بنی ثقیف میں ایک اللات نامی بت کو گرا کر پاش پاش کرنے کے لئے ان کو روانہ فرمایا۔

وبعثہ (مغیرہ شعبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد اسلام اھل الطائف ھو وابو سفیان بن حرب لھدما اللات"۔ ۱

۱ منہاج السنۃ النبویۃ ص ۲۰۲ / ج ۲ تحت قال الرتضیٰ مع ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن معاویۃ الطلیق بن الطلیق

(۲) جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے علاقے پر ابو سفیانؓ بن حرب کو عامل اور حاکم بنا کر ارسال فرمایا:

.... واستعملہ (ابو سفیان بن حرب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی نجران"۔[۲]

(۳)

یزید بن ابی سفیانؓ جو ابو سفیان کے بڑے فرزند اور امیر معاویہؓ کے برادر کبیر ہیں ان کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی فراس کے صدقات پر عامل بنا کر بھیجا۔

(۱) ...... واستعملہ (یزید بن ابی سفیان) النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی صدقات بنی فراس وکانوا اخوالہ ۔[۳]

ابو جعفر بغدادی نے کتاب المحبر میں لکھا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید بن ابی سفیان کو تیما کے علاقہ کا امیر مقرر فرمایا

(۲)........ یزید بن ابی سفیان (امرہ) علی تیماء" (۴) ۔ [۴]

معاویۃ بن ابی سفیانؓ جو طلقاء میں سے ہیں ان کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر کاتبان وحی مثلاً" زید بن ثابتؓ وغیرہ کے ساتھ کتابت وحی کے منصب پر فائز فرمایا۔

(۱)...... وکان زید بن ثابت من الزم الناس لذالک ثم تلاہ معاویۃ بعد الفتح فکانا ملازمین للکتابۃ بین یدیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الوحی وغیر ذالک لا عمل

۱ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ ص ۳۰ تا ۳۲ / ج ۵ تحت قدوم وفد ثقیف

۲ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ ص ۴۹ / ج ۸ تحت سنۃ خمسین تحت احوال مغیرہ بن شعبہ

۲ کتاب نسب قریش لمصعب الزبیری ص ۱۲۲ تحت ولد حرب بن امیۃ

۳ تاریخ خلیفۃ بن خیاط ص ۶۲ جلد اول تحت عمال نبویؐ

۳ الاصابہ معہ الاستیعاب ص ۶۱۹ / ج ۳ تحت یزید بن ابی سفیانؓ

۴ کتاب المحبر ص ۱۲۶ تحت امراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لهما عمر ذالك"۔ ؏

یعنی زید بن ثابتؓ الانصاری (فتح مکہ کے بعد) اور امیر معاویہؓ دونوں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کتابت کے لئے حاضر باش خادم تھے چاہے وحی کی کتابت ہو یا غیر وحی کی کتابت ہو۔ ان کے ذمہ دیگر کوئی کام نہیں تھا۔

(۲)----- اور عہد نبویؐ میں وائل بن حجر کو ایک قطعہ اراضی دینے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کو روانہ فرمایا۔

(یمن کے علاقہ میں حضر موت کے مقام میں سے یہ قطعہ زمین عنایت فرمایا گیا تھا)

.... واقطعه ارضا و ارسل معه معاوية بن ابی سفيان وقل اعطها اياه"۔ ۲؎

یہ چند ایک مناصب و عہدہ جات (برائے طلقاء) جو عہد نبوت میں عطا فرمائے گئے تھے بطور نمونہ ذکر کئے ہیں اور شیخین حضرات کے عہد میں بھی طلقاء کو متعدد مناصب عطا کئے گئے لیکن اس مسئلہ کی تفصیلات میں ہم نہیں گئے۔ رفع اعتراض کے لئے اسی قدر کافی خیال کیا گیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ طلقاء حضرات عہد نبوی میں حقارت و ذلت کی نگاہ سے ہرگز نہیں دیکھے جاتے تھے بلکہ اسلام و اہل اسلام کی نظروں میں صاحب وقار اور باعزت افراد تھے۔ اسی بنا پر طلقاء کو یہ مناصب عطا فرمائے گئے۔

نیز بنو امیہ اور غیر بنی امیہ کا امتیاز بھی اس مسئلہ میں روا نہیں رکھا گیا۔ اموی صحابہ کرامؓ کے خلاف یہ غلط پروپیگنڈا ہے کہ یہ لوگ نگاہ نبوت میں کوئی مقام نہیں رکھتے تھے۔

۱ جوامع السیر لابن حزم اندلسی ص ۲۷ تحت کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱ سیرۃ حلبیہ ص ۳۶۴ / ج ۳ باب ذکر المشاہیر من کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲ الاصابہ ص ۹۶ / ج ۳ معہ الاستیعاب تحت ذکر وائل ابن حجر

۳ تاریخ کبیر للبخاری ص ۱۷۵ / ج ۴ تحت ذکر وائل بن حجر

۳ مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۹ باب احیاء الموات والشرب الفصل الثانی۔ طبع نور محمدی دہلی

مندرجہ بالا واقعات ہی ان کے جواب کے لئے کافی شواہد ہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیلات اگر ملاحظہ کرنا مقصود ہوں تو ہماری کتاب ''مسئلہ اقربانوازی'' (۳۱۶ تا ۳۲۴) کی طرف رجوع کریں اور ہمارے کتابچہ ''حضرت ابوسفیانؓ اور ان کی اہلیہ'' میں بھی اس مضمون کی وضاحت مل سکے گی۔ بقدر ضرورت مناصب کی تشریحات وہاں درج کر دی ہیں۔

کیا طلقاء خلافت کے اھل ہیں یا نہیں؟

حضرت امیر معاویہؓ کی ذات گرامی پر اعتراض قائم کرنے والے احباب ایک یہ اعتراض بھی بڑی آب و تاب سے ذکر کرتے ہیں کہ بعض اکابرین (عبدالرحمن بن غنم الاشعری) نے ان کے حق میں فرمایا کہ :۔

وهو من الطلقاء الذين لا تجوز لهم الخلافة ''یعنی امیر معاویہؓ طلقاء میں سے ہیں جن کے لئے خلافت جائز اور صحیح نہیں''

اور عبدالرحمن بن غنم کا یہ کلام درج ذیل واقعہ میں مذکور ہے

واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حضرت معاویہؓ کی طرف سے (حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابو درداءؓ) دونوں بطور قاصد کے تشریف لے گئے اور جب وہاں سے واپس ہوئے تو حمص کے مقام میں ان دونوں حضرات کی عبدالرحمن بن غنم سے ملاقات ہوئی۔ ان دونوں کے ساتھ عبدالرحمن نے گفتگو کی اور کہا تعجب کی بات ہے کہ تمہارے لئے یہ کس طرح جائز ہے کہ تم حضرت علیؓ کو اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ وہ خلافت کے معاملہ میں شوریٰ بنائیں

حالانکہ تم جانتے ہو کہ حضرت علیؓ کے ساتھ مہاجرین انصار اور اہل حجاز و عراق نے بیعت کر لی جو لوگ حضرت علیؓ کی بیعت پر رضا مند ہو گئے وہ ان لوگوں سے بہتر ہیں جو ان کو ناپسند کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ان کے ساتھ بیعت کی ہے وہ ان لوگوں سے بہتر ہیں جنہوں نے بیعت نہیں کی

معاویہ کے لئے شوریٰ کے معاملہ میں کیا دخل ہے؟ حالانکہ وہ تو "طلقاء" میں سے ہیں جن کے لئے خلافت جائز نہیں۔ وہ اور ان کے باپ احزاب کے سرداروں میں سے تھے۔"

عبدالرحمٰن سے جب یہ کلام ان دونوں حضرات نے سنا تو انہیں اپنے فعل (پیغام رسانی) پر ندامت ہوئی اور انہوں نے اس معاملہ سے رجوع کر لیا"۔۶۰ یہاں سے معلوم ہوا کہ بقول مذکور حضرت معاویہؓ خلافت کے اہل نہ تھے۔

الجواب

اس مقام میں بعض چیزیں پیش نظر رکھنے کے قابل ہیں ان کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے اس کے بعد مذکورہ بالا شبہ کا جواب پورا ہو جائے گا مزید کسی بحث کی حاجت نہ رہے گی۔

ناظرین کرام مطلع رہیں کہ سوال میں جو واقعہ عبدالرحمٰن بن غنم اور ابو ہریرہؓ اور ابو درداءؓ کے مابین عتاب اور سرزش کا مذکور ہے وہ فی الحقیقت درست نہیں اور غلط ہے۔

اس کے متعلق اکابر علماء نے کلام کر دیا ہے جو ہم ذیل میں ناظرین کرام کے لئے پیش کرتے ہیں

اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابو درداءؓ جن کا نام عویمر ابن عامر ہے ان کے متعلق اکابر تذکرہ نویسوں نے اصح الاقوال کی بنا پر تصریح کر دی ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے "قریباً" دو سال قبل ان کی وفات ہو چکی تھی۔ جب کہ یہ عتاب کا واقعہ حضرت علیؓ سے بیعت ہو جانے کے کافی بعد کا ہے فلہذا عبدالرحمٰن بن غنم سے ابو ہریرہؓ اور ابو درداءؓ کے جس مکالمہ کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ فی الحقیقت صحیح نہیں۔

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ صاحب "الاستیعاب" یعنی ابن عبدالبر خود اپنی اسی کتاب میں ابو درداء یعنی عویمر بن عامر کے ترجمہ کے تحت۔ لکھتے ہیں کہ ابو درداء حضرت عثمانؓ کے قتل سے "قریباً" دو سال پہلے فوت ہو چکے تھے اور اہل اخبار میں سے ایک طائفہ نے کہا ہے کہ ابو درداء صفین کے بعد ۳۸ھ یا ۳۹ھ میں فوت ہوئے لیکن۔۔۔۔۔۔

والاکثر والاشہر والاصح عند اہل الحدیث انہ توفی فی خلافۃ عثمان بعد ان ولاہ معاویۃ قضاء دمشق۱ یعنی ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اہل حدیث کے نزدیک اکثر۔ زیادہ مشہور اور زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ ابو درداءؓ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں فوت ہو چکے تھے اور اس دور (عہد عثمانؓ) میں حضرت معاویہؓ نے ان کو دمشق کی قضاء کا والی بنایا تھا۔

(۲) نیز ابن عبدالبر نے ایک دوسرے مقام میں ابو درداءؓ کی کنیت کی بحث کے تحت آپؓ کی وفات کے متعلق متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد یہ الفاظ درج کئے ہیں۔

.... والصحیح انہ مات فی خلافۃ عثمان رضی اللہ عنہ وانما ولی القضاء لمعاویۃ فی خلافۃ عثمان.........۲

یعنی صحیح قول یہ ہے کہ ابو درداءؓ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں فوت ہو گئے اور خلافت عثمانی میں حضرت معاویہؓ کی طرف سے قضاء کے والی رہے تھے۔

تھوڑا سا آگے چل کر پھر یہی عبارت ابن عبدالبر نے تحریر کی ہے کہتے ہیں کہ:
والصحیح انہ مات فی خلافۃ عثمان

اور اس بحث کو ختم کرتے ہوئے آخر میں ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ **و توفی فی خلافۃ عثمان قبل قتل عثمان رضی اللہ عنہ بسنتین۔**"۳

——— یہاں سے واضح ہو گیا کہ خود ابن عبدالبر کی تحقیق کے موافق ابو درداء رضی اللہ عنہ کی وفات یقیناً" خلافت عثمانی میں ہو چکی تھی

——— گویا مصنف کے اپنے قول کے ذریعہ معاتبت اور عتاب کے واقعہ کی تردید ہو گئی۔ فلہذا اس واقعہ سے استدلال کرنا درست نہیں

۱ الاستیعاب لابن عبدالبر ص ۱۷ ج ۳ تحت عویمر بن عامر بن قیس (ابی درداءؓ)

۲ الاستیعاب لابن عبدالبر ۶۰، ۶۱ / ج ۴ تحت ابی درداء طبع مصر معہ الاصابہ

۳ قولہ الاستیعاب

------ اور جن حضرات نے الاستیعاب سے عتاب والا واقعہ نقل کیا ہے اگر وہ اسی کتاب کے دیگر مواقع پر نظر فرما لیتے تو ان پر اس واقعہ کے بے اصل ہونے کی حقیقت واضح ہو جاتی مگر انہوں نے توجہ نہیں کی۔ یہ ان سے تسامح ہو گیا ہے۔

(حاشیہ)

قولہ : الاستیعاب

یہاں ایک مختصر سی چیز اہل علم کے فائدہ کے لئے درج کرنی مناسب خیال کی گئی ہے جو کتاب "الاستیعاب" کے مقام و مرتبہ پر ایک علمی تنقید ہے اور اکابر علماء نے اسے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے۔

..... ومن اجلها واکثرها فوائد کتاب الاستیعاب لابن عبدالبر لولا ماشانہ بہ من ایرادہ کثیرا" مما شجر بین الصحابۃ وحکایاتہ عن الاخبار بین لا المحدثین۔ و غالب علی الاخبار بین الاکثار و التخلیط فیما یروونہ" [۱]

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن عبدالبر کی کتاب الاستیعاب اس فن کی کتابوں میں سے بڑی اہم اور کثیر الفوائد کتاب ہے۔

لیکن اس میں صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلاف کی کثیر چیزوں کے متعلق محدثین کے ماسوا اخباری لوگوں کی روایات میں مواد کی کثرت اور (ردی مواد کی) تخلیط ہوتی ہے۔

چنانچہ عبدالرحمن بن غنم کے تحت عتاب کا مذکورہ واقعہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اور واقعات کے اعتبار سے صحیح نہیں۔

[۱] علوم الحدیث لابن صلاح (مقدمہ ابن صلاح) ص ۲۶۲ - ۲۶۳ تحت النوع التاسع والثلاثون (معرفۃ الصحابۃ)

(۳)------ ابن اثیر الجزری نے اسد الغابہ میں عبدالرحمان بن غنم الاشعری کے تذکرہ میں اس عتاب اور معاتبت کے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کر دی ہے

.... قلت الذی ذکرہ ابو عمر (ابن عبدالبر) من معاتبتہ عبدالرحمن ابا الدرداء وابا ھریرۃ عندی فیہ نظر فان ابا الدرداء تقدمت وفاتہ عن الوقت الذی بویع فیہ علی فی اصح الاقوال۔"[۱] ۶۵۔

یعنی ابن اثیر فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن کا ابو درداء اور ابو ہرہ پر عتاب کا واقعہ جو ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے وہ میرے نزدیک قابل غور اور لائق تامل ہے کیونکہ جس وقت حضرت علیؓ کی بیعت ہوئی ہے اس وقت سے قبل قبل ابو درداء کی وفات ہو چکی تھی اصح الاقوال یہی بات ہے۔

(۴)------ اور بیشتر اکابر علماء رجال نے یہی تحقیق ذکر کی ہے کہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمانؓ کی وفات سے قریباً" دو سال قبل دمشق میں فوت ہو چکے تھے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل مقامات ملاحظہ فرمائیں

۱۔ کتاب الجمع بین رجال الصحیحین لابن القیسرانی النصف الاول ۵ . ۴ طبع۔ دکن تحت عویمر بن عامر (ابی درداء)

۲۔ الاصابتہ لابن حجر ۴۶ / ج ۳ تحت عویمر بن عامر معہ الاستیعاب

۳۔ تہذیب التہذیب لابن حجر ۱۷۶ / ج ۸ تحت عویمر (ابی درداء)

مندرجات بالا کے ذریعے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ عبدالرحمان بن غنم کے عتاب والا واقعہ بے اصل ہے اور واقعات کے برخلاف ہے کیونکہ ابی درداءؓ کا انتقال پہلے ہو چکا تھا اور حضرت علیؓ کے ساتھ بیعت کرنے کے مسائل اور حضرت معاویہؓ کے ساتھ اختلافات بعد میں پیش آئے۔ فلہذا اس "معاتبت اور عتاب" کی کوئی حقیقت نہیں۔

۱۔ اسد الغابہ لابن اثیر الجزری ص ۳۱۹ / ج ۳ تحت عبدالرحمن بن غنم الاشعری

علی سبیل التسلیم

اگر بالفرض عتاب کا مذکورہ واقعہ ابو درداءؓ کی زندگی میں تسلیم کر لیا جائے اور عبدالرحمٰن بن غنم نے اپنی زندگی میں ان ہر دو اصحاب کے ساتھ کلام کیا تھا تب بھی اس روایت میں راویوں کی طرف سے آمیخت کر دی گئی ہے یعنی روایت میں ادراج ہے۔

وجہ یہ ہے کہ یہ کلمات (**وھو من الطلقاء الذین لا تجوز لھم الخلافۃ**) واقعات کے برخلاف پائے گئے ہیں اور جو چیز واقعات کے برخلاف پائی جائے وہ قابل قبول نہیں ہوتی۔

اس لئے کہ سیدنا امام حسنؓ اور ان کے اکابر ساتھیوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ صلح کر کے بیعت خلافت کر دی۔

ان تمام حضرات میں سے کسی ایک بزرگ نے بھی اس وقت یہ مسئلہ نہیں پیش کیا کہ طلقاء کے ساتھ بیعت خلافت ناجائز ہے اور امیر معاویہؓ طلقاء میں سے ہیں **فلھذا** بیعت خلافت کا انعقاد صحیح نہیں یہاں سے یہ بات واضح ہوئی کہ مذکورہ بالا کلمات

(**وھو من الطلقاء الذین لا تجوز لھم الخلافۃ**)بعد میں کسی بزرگ نے روایت میں الحاق کر دیئے ہیں۔ حضرت معاویہؓ کی خلافت صحیح ہے اور یہ اس منصب کے اہل ہیں۔

''مولفتہ القلوب ہونے کی تشریح''

جس وقت فتح مکہ ہوئی ہے اس وقت قریش کے بہت سے قبائل اور بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض حضرات کے ساتھ ''تالیف قلب'' کا معاملہ فرماتے ہوئے دیگر مسلمانوں سے زائد بعض چیزیں عنایت فرمائی تھیں اور جہاد کے غنائم میں سے بہ نسبت دوسروں کے ان لوگوں کو حصہ وافر عنایت فرمایا تھا۔

صاحب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ایک حکمت عملی تھی جو وقتی مصالح کے تحت عمل میں لائی گئی۔ یہ کوئی عیب کی چیز نہیں تھی جس کو معائب میں شمار کیا جائے بلکہ سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مشفقانہ اور کریمانہ طرز عمل تھا جس سے جدید الاسلام لوگ بہت متاثر ہوئے۔ ان کی عزت افزائی ہوئی اور قوت اسلام کے لئے اس کا بڑا نفع ہوا۔ اور یہ طرز عمل ان کے لئے تقویت کا باعث ہوا ان کا تذبذب دور ہو کر اسلام مضبوط ہوا۔ اس سلسلہ میں ''مولفتہ القلوب'' کی فہرست اہل علم پیش کرتے ہیں جن میں حضرت معاویہؓ اور ان کے والد ابو سفیانؓ اور یزید بن ابی سفیان وغیرھم شمار کئے گئے ہیں

(ا)——— اس مقام میں ایک بات تو یہ قابل لحاظ ہے کہ مولفتہ القلوب ہونا کوئی مذموم چیز نہیں بلکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خصوصی عنایات کے شرف سے مشرف ہونا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے۔

——— دوسری بات یہ ہے کہ کبار علماء نے ایک دوسری چیز بھی ذکر کی ہے وہ یہ کہ حضرت امیر معاویہؓ ''مولفتہ القلوب'' میں سے نہیں تھے۔ بلکہ ان کے متعلق کبار علماء نے تحریر کیا ہے۔

...... اما معاویہ فبعید ان یکون منھم فکیف یکون منھم؟

وقد ائتمنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی وحی اللہ و قراتہ و خلطہ بنفسہ و اما حالہ

اور فی ایام ابی بکر اشھر من ھذا و اظھر۔" ۔۱؎

یعنی یہ بات بعید ہے کہ حضرت معاویہؓ مولفتہ القلوب میں سے ہوں حالانکہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کی قرات پر امین قرار دیا اور ان کو اس مسئلہ میں اپنے ساتھ ملایا اور معتمد بنایا۔ اور خلافت صدیقیؓ میں حضرت معاویہؓ کا حال زیادہ مشہور اور بیان کرنے سے زیادہ ظاہر ہے۔ (یعنی یہ حالات اس بات کا قرینہ ہیں کہ حضرت معاویہ کا اسلام و ایمان پختہ تھا اور وہ دینی امور میں معتمد علیہ تھے ان کے لئے تالیف خاطر کی حاجت نہ تھی اللہ اعلم)۔

ایک الزام

وہ اس طرح ہے کہ مولفتہ القلوب میں جس طرح بنو امیہ کے چند مشہور افراد مثلاً" ابو سفیانؓ یزید بن ابی سفیانؓ معاویہ بن ابی سفیانؓ وغیرہ ذکر کیے جاتے ہیں اسی طرح دیگر قبائل میں سے بھی کئی مشاہیر مولفتہ القلوب میں ذکر کئے گئے ہیں۔ مثلاً" قبیلہ بنی اسد سے حضرت خدیجتہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے برادر زادے حکیم ابن حزام کو ذکر کیا ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد برادر ابو سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب الھاشمیؓ بھی مولفتہ القلوب میں مذکور ہیں۔

فلھذا اگر بالفرض حضرت معاویہؓ مولفتہ القلوب میں شمار ہوں تو ان پر اعتراض قائم کرنا اور ان کو حقیر قرار دینے کی خاص کیا وجہ ہے؟

مختصر یہ ہے کہ صرف اموی حضرات کو اس مسئلہ میں ہدف طعن بنایا جاتا ہے اور ہاشمیوں سمیت دیگر قبائل کے لوگوں کو تالیف قلب کے طعن سے مطعون نہیں کیا جاتا۔ اس کی وجہ

۱ احکام القرآن للقاضی ابی بکر محمد بن عبداللہ المالکی ابن العربی ص ۳۹۵ / ج اول تحت مولفتہ القلوب"

۲ لجامع لاحکام القرآن للقرطبی ص ۱۸۱ / ج ۸ سورۃ توبہ تحت آیت انما الصدقات للفقراء .... الخ

کیا ہے؟ غور فرمالیں۔ یہ قبائلی تعصب نہیں؟ تو اور کیا ہے؟

سب و شتم کرنے کا طعن پھر اس کا جواب

——— بعض روایات میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے اس میں مذکور ہے کہ :۔

——— **فقال ما منعک ان تسب ابا تراب..... الخ**

———بقول معترض مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے دریافت کیا کہ حضرت علیؓ کو "سب" کرنے سے تم کو کیا چیز مانع ہے؟

——— معلوم ہوا کہ امیر معاویہؓ" حضرت علیؓ کو سب کرتے تھے اور دوسرے صحابہؓ کو اس پر آمادہ کرتے تھے۔"

"الجواب"

——— مسئلہ "سب و شتم" کے متعلق قبل ازیں ہم نے اپنی کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" میں ۲۱۱ تا ۲۲۳ درج کر دیا ہے اور بعد ازان بقدر ضرورت "سیرۃ سیدنا علی المرتضٰی" میں مسائل صفین میں "چند اہم مباحث" کے عنوان کے تحت بھی یہ مسئلہ ذکر ہو چکا ہے اور اس مسئلہ کا الزامی جواب بھی ہو چکا ہے۔ تاہم روایت بالا کے متعلقات ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔ اس طریقہ سے یہ بحث بقدر ضرورت پوری ہو جائے گی۔ (بعونہ تعالیٰ)

——— اس مقام میں چند اہم تشریحات ذکر کر دینا مناسب ہے جو ازالہ طعن میں فائدہ مند ہوں گی۔

(۱)

——— حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ امیر معاویہؓ کا جو واقعہ مذکور ہے اس میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ شریف میں حج کے موقعہ پر پیش آیا۔

——— اور بعض روایات میں مکالمہ ہذا کے مقام کے متعلق معلوم نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ

کس مقام میں پیش آیا؟

------ بہر کیف حضرت سعدؓ اور حضرت معاویہؓ کی باہمی ملاقات ہوئی اور دوران گفتگو حضرت علی المرتضیٰؓ کا تذکرہ ہوا۔ اس مسئلہ میں حضرت معاویہؓ نے حضرت سعدؓ کے پاس حضرت علیؓ کے معاملہ میں ناقدانہ کلام کیا اور ان کے خلاف اظہار رائے کا تقاضا کیا۔ حضرت سعدؓ کی رائے حضرت معاویہؓ کے نظریہ کے برخلاف تھی ان کو یہ چیز ناگوار گزری تو انہوں نے حضرت معاویہؓ کی ہمنوائی نہیں کی اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعدد فضائل کا ذکر کیا جو اس روایت میں مذکور ہیں اور اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔ مثلاً۔

۱۔ **لا عطین الرایتہ**......(یوم خیبر)

۲۔ **اما ترضی ان تکون منی بمنزلہ هارون من موسی** (غزوہ تبوک)

۳۔ **اللھم ھٰؤلاء اھلی**.... (دعوت مباہلہ یا دیگر مقام میں) وغیرہ

حضرت سعدؓ کا مطلب یہ ہے کہ ان فضائل کی موجودگی میں حضرت علیؓ کے خلاف میں اظہار رائے نہیں کر سکتا کہ ان کے موقف کو غلط اور آپ کے نظریہ کو درست کہنے لگوں۔

(۲)

------ واقعہ ھذا متعدد مصنفین نے ذکر کیا ہے پھر اس میں رواۃ کی طرف سے تعبیروں کا اختلاف الفاظ موجود ہے۔

------ بعض روایات میں تو **ما منعک ان تسب ابا تراب** کے الفاظ منقول ہیں اور بعض دیگر مقامات میں اس طرح مذکور ہے کہ **فذکرو اعلیا فنال منہ معاویتہ** اور بعض روایات میں ہے کہ **فذکروا علیا فقال سعد لہ ثلاث خصال** اور بعض دیگر روایات میں حضرت سعدؓ سے یہ حضرت علیؓ کے مندرجہ بالا فضائل مذکور ہیں لیکن وہاں حضرت معاویہؓ کی طرف سے کوئی کلمہ نقد و جرح مذکور نہیں۔ جب کہ ان تمام روایات میں ایک ہی واقعہ منقول ہے۔

یہ رواۃ کی طرف سے اصل واقعہ کی تعبیرات کا فرق توجہ کے قابل ہے۔ کیونکہ معترض انسان اسی کو ایک مناقشے کی شکل میں پیش کر سکتا ہے۔

اب مسئلہ کی وضاحت کے لئے روایت ہذا کے مفہوم کو کبار علماء اور محدثین نے جس

طرح ذکر کیا ہے۔ اس چیز کو ہم پہلے ذکر کرتے ہیں اس کے بعد مزید چیزیں جو لائق بیان ہوں گی وہ ذکر کردی جائیں گی (انشاء اللہ تعالیٰ)

(۳)

۱۔ چنانچہ امام النواوی نے مذکورہ بالا روایت کی تشریح میں یہ ذکر کیا ہے کہ مذکورہ بالا جملہ (مامنعک ان تسب ابا تراب) میں حضرت سعدؓ کو سب علیؓ کرنے کی تصریح نہیں ہے بلکہ اس میں سب کرنے سے مانع امر کا سبب دریافت کیا گیا ہے گویا کہ حضرت معاویہؓ حضرت سعدؓ سے دریافت کر رہے ہیں کہ آپ اس بات سے تورع اور خوف کی بنا پر اجتناب کر رہے ہیں؟ یا کوئی اور چیز آپ کے پیش نظر ہے؟ اگر تورع کی بنا پر آپ اجتناب کر رہے ہیں تو آپ مصیب ہیں اور اگر کوئی اور بات ہے تو اس کا جواب دوسرا ہو گا۔

۲۔۔۔۔ نیز ایک دوسرا محمل اس طریقہ سے ذکر کرتے ہیں کہ جملہ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو علیؓ کی رائے اور ان کے اجتہاد کو خطا قرار دینے میں کون سی چیز مانع ہے؟ اور ہماری رائے کی خوبی اور درستی کو ظاہر کرنے سے کون سی چیز آپ کو روکتی ہے؟

مفہوم بالا کو اکابر علماء نے بعبارت ذیل ذکر کیا ہے :۔

(۱)...... فقول معاویۃ هذا لیس فیہ تصریح بانہ امر سعدا بسبہ انما سالہ عن السبب المانع لہ من السب کانہ یقول هل امتنعت منہ تورعا اوخوفا؟ او غیر ذالک؟ فان کان تورعا واجلا لا لہ عن السب فانت مصیب وان کان غیر ذالک فلہ جواب اخر۔" [۱]

(۲)...... لانہ لیس بصریح فی انہ امرہ بسبہ انما سالہ عن المانع و قد سئل عنہ من لا یجیز السب۔" [۱]

۱ شرح مسلم شریف للنواویؒ ص ۲۷۸ / ج ۲ تحت الحدیث باب فضائل علیؓ طبع دہلی

۱ اکمال اکمال المعلم (شرح مسلم) لامام ابی عبداللہ محمد بن خلفتہ الوشتانی الابی ص تحت الحدیث طبع اول

(۳) .... **ومنہ ما منعک ان لسب ابا تراب ھذا لا یستلزم امر معاویۃ بالسب بل سوال عن سبب امتناعہ عنہ انہ تورع او اجلال او غیر فالک**"۔[۱]

(۴)------ **اما بانہ لیس فیہ الا مر بل سوال من السبب المانع عنہ و تکنیہ رضی اللہ تعالی عنہ بابی تراب لیس طعنا فانہ کان یحب ان یکنی بہ**"۔[۲]

(۴)

------ اور لفظ "سب" ہمیشہ گالی گلوچ کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا بلکہ زبان عرب میں متعدد معانی کا حامل ہے مثلاً

۱۔ بعض دفعہ لفظ "سب" کا استعمال "عار دلانے" کے معنی میں پایا جاتا ہے جیسا کہ بخاری شریف میں آیا ہے کہ .... **فقال انی سابت رجلا فعیرتہ بامہ فقال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا اباذر! اعیرتہ بامہ**"۔[۳]

اس مقام میں حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے غلام کو اس کی ماں کے متعلق کہہ دیا کہ "تیری ماں سیاہ رنگ کی ہے) یا تو سیاہ رنگ کی عورت کا بیٹا ہے۔ تو اس پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے اسے ماں کے متعلق عار دلائی ہے اور ابوذر غفاری نے لفظ "سابت" استعمال کیا جس سے مراد یہاں "عار دلانا" ہے

۲۔ اسی طرح لفظ "سب" کا استعمال دیگر معانی میں بھی اہل عرب استعمال کرتے ہیں مثلاً" عیب جوئی کرنا۔ نکتہ چینی کرنا۔ اور دوسرے کی رائے کا تخطیہ کرنا اور غلط قرار دینا اور اپنی رائے کو درست کہنا وغیرہ روایت ہذا میں مذکورہ تعبیر اگر درست تسلیم کر لی جائے تو یہاں بھی "تخطیہ رائے کے معنی میں مستعمل ہے۔

۱ مجمع البحار للشیخ محمد طاہر الفتنی الھندی صفحہ ۸۳ / ج ۲ تحت لفظ "سب" طبع نول کشور لکھنؤ

۲ الناھیۃ عن طعن معاویۃؓ لعبد العزیزؒ الپرھاروی ص ۳ تحت جواب طعن ہذا۔ طبع ملتان

۳۔ بخاری شریف ص ۹ جلد اول باب المعاصی من امر الجاھلیۃ (کتاب الایمان) طبع دہلی

یہ چیز کبار علماء نے بیان فرمائی ہے چنانچہ اس پر ذیل میں حوالہ جات ملاحظہ فرما کر اطمینان کیا جا سکتا ہے۔

۱..... ان معناہ ما منعک ان تخطئہ فی رایتہ و اجتہادہ و تظھر للناس حسن راینا و اجتھادنا وانہ اخطا۔"[۱]

۲...... ان یحمل السب علی التغیر فی المذہب والرای فیکون المعنی ما منعک من ان تبین للناس خطاہ وان مانحن علیہ اسد و اصوب و مثل ھذا یسمی سبا فی العرف۔"[۲]

۳...... المعنی ما منعک ان تخطئہ فی اجتھاد و تظھر للناس حسن اجتھادنا۔"[۳]

۴....... بان المراد بالسب اظھار خطا اجتھادہ و صواب اجتھادنا۔"[۴]

——— مختصر یہ ہے کہ کبار علماء نے اس روایت کا محمل اس طرح بیان فرما دیا ہے کہ یہ لفظ "سب" یہاں بمعنی گالی گلوچ نہیں بلکہ دوسرے کی رائے کو خطا قرار دینے کے معنی میں مستعمل ہے اور اسی کو عرف میں "سب" بھی کہتے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کی جماعت اور حضرت امیر معاویہؓ کے ہم نوا لوگوں کے نظریات میں اختلاف رائے کا پایا جانا مسلمات میں سے ہے۔

——— ان ہر دو فریق کے موقف میں نظریاتی اختلاف موجود تھا وہی بعض مواقع اور مجالس میں اختلافی شکل میں پایا جاتا ہے اور ہر ایک فریق اپنی رائے کو صواب قرار دیتا ہے اور فریق مقابل کی رائے کو خطا پر محمول کرتا اور غلط قرار دیتا ہے

۱ شرح مسلم شریف للنواوی ص ۲۷۸ / ج ۲ تحت الحدیث باب فضائل علیؓ (طبع دہلی)

۲ اکمال اکمال المعلم (شرح مسلم) لامام ابی عبداللہ محمد بن خلفتہ الوشتانی المالکی الابی طبع اول تحت الحدیث

۳ مجمع البحار للشیخ محمد طاہر الفتنی الہندی ص ۸۳ / ج ۲ تحت "سب"

۴ الناھیتہ عن طعن معاویتہ لعبد العزیز الپرھاروی ص ۳۷ تحت الجواب الرابع (طبع ملتان)

(۵)

----- نیز اس مقام میں علماء فرماتے ہیں کہ باہمی سب و شتم اور قبیح اقوال کا ارتکاب جہال بنی امیہ (جو صحابہ کے زمرہ میں نہیں ہیں) اور سفلہ قسم کے لوگ کرتے ہوں تو اور بات ہے لیکن حضرت معاویہؓ کی شخصیت ان چیزوں سے بعید اور بالاتر ہے۔ ان کا صحابی ہونا' ان کی دیانت اور ان کے اخلاق فاضلہ کے اعتبار سے یہ چیز ان کے شایان شان نہیں۔

چنانچہ صاحب اکمال اکمال المعلم شارح مسلم شریف نے اسی چیز کی تصریح فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ

----- والتصریح بالسب وقبیح القول انما کان یفعله جهال بنی امیه و سفلتهم

----- واما معاویته فحاشاه من ذالک لما کان علیه من الصحبته والدین والفضل و کرم الاخلاق۔"[1]

(۶)

نیز یہ چیز ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ روایت بالا کی بحث کے آخر میں علماء کرام نے یہ فہمائش کی ہے کہ سب و شتم کے باب میں یہی روایت صحیح تھی جس کے جوابات درجہ بدرجہ علماء نے ذکر کئے ہیں

----- عموماً" اس کے ماسوا روایات کے درمیان فریقین میں جو مناقشہ اور سب و شتم کی چیزیں ذکر کی جاتی ہیں وہ درست نہیں ان میں دروغ گوئی اور مبالغہ آرائی کو بڑا دخل ہے اس لئے ان کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے اور ایسی بات کرنے والے کے کلام کو غصہ سے رد کر دیا جائے۔ اور اسے تسلیم نہ کیا جائے۔

.......وما یذکر عنه من ذلک فکذب"[2]

.... وکل ما یروی سوی هذا فیما جری بین الطائفتین وبین الرجلین فلا تصغوا الیه اذنا ولا تلتفتوا الیه واسمعوا المتکلم بذالک تکبیتا۔"[3]

۱ اکمال اکمال المعلم (شرح مسلم شریف) للامام ابی عبداللہ محمد بن خلفته الوشتانی الابی المالکی تحت الحدیث

۲ اکمال اکمال المعلم (شرح مسلم) للامام ابی عبداللہ محمد بن خلفته الوشتانی الابی المالکی تحت الحدیث

۳ شرح الترمذی لابن العربی ص۲۲۹ / ج ۱۳ تحت مناقب معاویہؓ

(۷)

——— روایت بالا کے متعلقات کے آخر میں دفع وھم کے طور پر یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جو مکالمہ پیش آیا تھا اس کی بنا پر طرفین میں کسی قسم کا انقباض واقع نہیں ہوا تھا اور ان کے درمیان کوئی عناد نہ تھا اور نہ ہی حضرت سعد امیر معاویہؓ سے کبیدہ خاطر تھے اور نہ ان کے درمیان روابط کشیدہ تھے۔ وہ ایک وقتی مسئلہ تھا جو ان کے درمیان بعض اوقات پیش آیا اور معاملہ ختم ہو گیا کیونکہ ہر دو حضرات کے درمیان کوئی بنیادی اختلاف موجود نہیں تھا۔ اس چیز پر قرائن موجود ہیں چنانچہ علماء نے اس کے بعد کے متعدد واقعات ذکر کئے ہیں ان میں سے بعض ناظرین کی خدمت میں اطمینان کی خاطر درج کئے جاتے ہیں۔

(۱)——— حافظ ابن کثیرؒ نے بحوالہ عبدالرزاق لکھا ہے کہ :- ——— ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ شام میں حضرت امیر معاویہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں انہوں نے رمضان شریف کا تمام ماہ قیام فرمایا۔ ان ایام میں حضرت سعدؓ قصر نماز ادا کرتے تھے اور فطر صوم بھی کرتے تھے۔ اور بعض رواۃ نے کہا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اسی دوران حضرت معاویہؓ کے ساتھ بیعت کی۔ اور حضرت سعدؓ نے جن چیزوں کے تقاضے کئے وہ حضرت معاویہؓ نے تمام پورے کر دیئے۔ اس طرح خوش اسلوبی کے ساتھ دونوں حضرات کے درمیان تعلقات قائم تھے۔

———وقال عبدالرزاق عن ابن جریج حدثنی زکریا بن عمرو ان سعد بن ابی وقاص وفد علی معاویۃ فاقام عندہ شهر رمضان یقصر الصلوۃ و یفطر وقال غیرہ فبایعه وما سالہ سعد شیئا الا اعطاہ ایاہ۔"ے ۱

(۲)——— نیز ایک دیگر وثاقت و دیانت کی چیز حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ سے منقول ہے۔

——— عن سعد بن ابی وقاص قال ما رایت احدا بعد عثمان اقضی بحق من صاحب

البدایہ لابن کثیرؒ ص ۷۲ / ج ۸ تحت سعد بن ابی وقاصؓ تحت سنتہ ۵۵ھ طبع مصر

هذا الباب یعنی معاویہ"۔[1]

یعنی حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت معاویہؓ بہت انصاف کرنے والے اور حقوق کو احسن طریقہ سے ادا کرنے والے تھے اس معاملہ میں ان سے بہتر میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا۔

----- یہاں سے ثابت ہوا کہ حضرت معاویہؓ کے حق میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ ذہن صاف رکھتے تھے اور کوئی مخالفانہ جذبات نہیں رکھتے تھے۔ اور نہ ہی ان کو حضرت معاویہؓ سے اعراض و انقباض تھا بلکہ امیر معاویہؓ کے لئے حق و انصاف کی شہادت دیتے تھے۔

یہ روایت قبل ازیں کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" ۱۵۴/۱۵۵ پر تحت عنوان "عدل و انصاف پر شہادت" درج ہو چکی ہے۔

"مسئلہ ھذا کا دیگر پہلو"

----- گزشتہ سطور میں سب و شتم کے متعلق جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اس مسئلہ کا ایک پہلو تھا۔ اب اس مسئلہ کا دوسرا پہلو فرمان نبویؐ کی روشنی میں ذکر کیا جاتا ہے۔

----- وہ اس طرح ہے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اموات کے متعلق یہ تعلیم تلقین فرمائی ہے کہ فوت شدگان کو سب و شتم مت کیا کرو اس لئے کہ ان لوگوں نے جو عمل کئے تھے ان کی طرف وہ پہنچ چکے ہیں اور مکافاۃ عمل پا چکے ہیں

----- چنانچہ مشکوۃ شریف میں یہ فرمان نبویؐ بالفاظ ذیل موجود ہے۔

----- **عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "لا تسبوا الاموات فانہم قد افضوا الی ما قدموا۔ رواہ البخاری۔**

----- اسی طرح ایک دوسرے مقام میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کو ارشاد مبارک ہے کہ اپنے موتی کے محاسن ذکر کیا کرو اور ان کی برائیوں (کے بیان) سے زبان کو

۱ تاریخ الاسلام للذہبیؒ ص ۳۲۱ / ج ۲ تحت تذکرہ معاویہؓ بن ابی سفیان۔ طبع اول

۲ البدایہ لابن کثیرؒ ص ۱۳۳ / ج ۸ تحت ذکر معاویہؓ طبع اول مصر

۳ تاریخ ابن عساکر ص ۵۶ / ج ۱۶ (مخطوطہ) تحت ترجمہ معاویہ

۴ مشکوۃ شریف طبع دہلی ۱۴۵ باب المشی بالجنازۃ والصلوۃ علیہا (فصل اول)

روک رکھو۔

۔۔۔۔ عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اذکروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساویھم رواہ ابو داوٗد والترمذی" ۔ ۱

۔۔۔۔ اس نوع کے متعدد فرمودات آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے امت کے لئے واضح طور پر موجود ہیں۔

اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کا عمل ان فرمودات کے خلاف نہیں پایا گیا بلکہ ان پر عمل درآمد کرنا ان کا مقصد زندگی رہا ہے

۔۔۔۔ اس مقام میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض واقعات ثابت ہیں کہ آنجناب صلعم نے صحابہؓ کو فوت شدگان رشتہ داروں کے متعلق بدگوئی اور برائی ذکر کرنے سے منع فرمایا۔

(۱)۔۔۔۔ چنانچہ حدیث شریف میں واقعہ مذکور ہے کہ فتح مکہ کے بعد عکرمتہ بن ابی جہل اپنی جان کے خوف سے فرار ہو گئے ان کی زوجہ ام حکیم بنت الحارث آنجناب صلعم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اپنے شوہر (عکرمتہ بن ابی جہل) کے متعلق امان طلب کی تو آنجناب نے امان مرحمت فرمائی اس کے بعد وہ عکرمتہ کو مکہ واپس لائیں۔

جب آنجناب صلعم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لئے عکرمتہ بن ابی جہل مکہ پہنچے تو اس وقت نبی اقدس صلعم نے اپنے صحابہ کرامؓ کو بطور نصیحت فرمایا کہ عکرمتہ بن ابی جہل کفر چھوڑ کر ایمان لانے کی خاطر حاضر خدمت ہو رہا ہے تو اس کے والد (ابوجہل) کے متعلق کوئی شخص سب و شتم نہ کرے۔ کیونکہ میت کو سب و شتم کرنے سے زندہ آدمی کو اذیت اور تکلیف پہنچتی ہے لیکن میت کو نہیں پہنچتی۔ چنانچہ المستدرک للحاکم میں یہ واقعہ بالفاظ ذیل مذکور ہے

۱ مشکوۃ شریف طبع دہلی ۱۴۷ باب المیشی بالجنازۃ والصلوۃ علیھا (فصل ثانی)

فلما دنا من مکتہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صحابہ یاتیکم عکرمتہ بن ابی جہل مومنا مہاجرا فلا تسبوا اباہ ۔ فان سب المیت یوذی الحی ولا یبلغ المیت۔" ۱

(۲)۔۔۔۔۔ اسی عکرمتہ کے متعلق ایک بار یہ واقعہ پیش آیا کہ اسلام لانے کے بعد مدینہ منورہ میں ایک مقام پر گزر رہے تھے کسی شخص نے ان کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ "اللہ کے دشمن ابوجہل کا یہ بیٹا ہے" عکرمتہ پریشان ہوئے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی بطور شکوہ گزارش کی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ پر ایک مستقل خطبہ دیتے ہوئے اہل اسلام کو ارشاد فرمایا کہ :۔ لوگ معدن (کان) کی طرح ہیں جاہلیت کے دور میں بھی جو لوگ خیار اور پسندیدہ افراد تھے جب دین میں خوب سمجھ پیدا کر لیں تو وہ لوگ اسلام میں بھی پسندیدہ ہیں کسی زندہ مسلمان شخص کو اس کے کافر رشتہ دار کی وجہ سے ایذا رسانی نہ کی جائے چنانچہ المستدرک للحاکم میں واقعہ ہذا اس طرح درج ہے کہ ۔۔۔۔۔ **وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شکا الیہ عکرمتہ انہ اذا مر بالمدینتہ قیل لہ "ھذا ابن عدو اللہ ابی جہل" فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خطیبا فقال ان الناس معادن خیارھم فی الجاھلیتہ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا لا تؤذوا مسلما بکافر صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔**" ۲

۔۔۔۔۔ اور کنزالعمال میں ہے کہ .... **فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تؤذوا الاحیاء بسب الاموات** (الغریب۔ کر)۔" ۳

۔۔۔۔۔ ان واقعات کے پیش نظر یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ اموات کو قبیح الفاظ کے ساتھ ذکر کرنے سے زندہ اہل اسلام کو اگر تکلیف پہنچتی ہو تو اس سے مسلمان اجتناب کریں۔

۔۔۔۔۔ ان تمہیدی امور پیش کرنے کے بعد اصل مسئلہ کی طرف توجہ مبذول فرمائیں۔

۱ المستدرک للحاکم ص ۲۴۱ / ج ۳ تحت مناقب عکرمتہ بن ابی جہل"

۲ کنزالعمال ص ۷۵ / ج ۷ جلد سابع تحت عکرمتہ بن ابی جہل۔ طبع اول دکن

۱ المستدرک للحاکم ص ۲۴۳ / ج ۳ تحت ذکر مناقب عکرمتہ بن ابی جہل

۲ کنزالعمال ص ۷۵ / ج ۷ جلد سابع تحت عکرمتہ بن ابی جہل۔ طبع اول۔ دکن

مسائل اور یہ واقعات کوئی مخفی امور نہیں تھے اور نہ کسی فرد واحد کے لئے خصوصی احکام تھے۔ یہ تو تمام امت مسلمہ کے حق میں یکساں اہمیت کے حامل ہیں اور صحابہ کرامؓ ان مسائل سے بخوبی متعارف اور واقف تھے اور ان سے ان فرمودات نبوت کے خلاف کرنے کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی۔

—— مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابیؓ اور ان کے ولاۃ و حکام مذکورہ بالا فرمودات نبویؐ کی موجودگی میں جناب علی المرتضیٰؓ کے حق میں سب و شتم یا لعن طعن کیسے کر سکتے ہیں؟ اور جناب مرتضیٰؓ کے عزیز و اقارب کی دل آزاری اور ایذا رسانی کا باعث کیسے بن سکتے ہیں؟

—— حضرت معاویہؓ کا دور خلافت تو دور نبویؐ کے قریب تر دور ہے اس میں مذکورہ ہدایات نبوت کو یکسر کیسے فراموش کر دیا گیا؟ (اور اس مسئلہ میں اسلامی تعلیمات کو کس طرح پس پشت ڈال دیا گیا) حالانکہ حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد گرامی بطور نصیحت موجود ہے۔

—— وہ اس طرح کہ ایک روز حضرت امیر معاویہؓ حضرت ابو ہریرۃؓ کی عدم موجودگی میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہے تھے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کی طرف سر مبارک اٹھا کر ارشاد فرمایا:۔

—— **فقال یا معاویۃ! ان ولیت امرا فاتق اللہ عزو جل واعدل۔**"[۱] یعنی اے معاویہؓ اگر آپ کو مسلمانوں کے امور کا والی بنایا جائے تو معاملات میں اللہ عز و جل سے خوف کرنا اور عدل و انصاف سے پیش آنا۔

سنت نبوی کی رعایت

—— حضرت معاویہؓ اپنے دور خلافت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر مرحلہ پر اطاعت اور فرمانبرداری کو مقدم رکھتے تھے اور آنجناب صلعم کے فرمان کی رعایت کرنا ان کی زندگی کا معمول تھا۔[۲]

۱ مجمع الزوائد للہیثمی ص ۱۸۶ / ج ۵ تحت امراۃ معاویۃؓ

۲ البدایہ لابن کثیرؒ ص ۲۰ / ج ۸ تحت خلافۃ حسن بن علیؓ

------ اس سلسلہ میں بے شمار واقعات پائے جاتے ہیں جن میں انہوں نے فرمان نبوت کو پیش نظر رکھا

------ ایک دفعہ کا واقعہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اور اہل روم کے درمیان ایک خاص مدت تک جنگ نہ کرنے کا عہد و پیمان ہوا تھا مدت عہد ختم ہونے میں کچھ وقت باقی تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ اپنی تیاری کے ساتھ رفقاء سمیت بلاد روم کی طرف پیش قدمی کرنے لگے تاکہ اختتام مدت عہد پر فوراً حملہ کر دیا جائے۔ ان حالات میں ایک صحابی عمرو بن عبسہؓ تیزی کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے اور فرماتے تھے اللہ اکبر اللہ اکبر وفاء لا غدر (عہد پورا کرنا چاہئے بدعہدی جائز نہیں)

حضرت معاویہؓ نے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ تو عمرو بن عبسہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جن کے درمیان کوئی باہمی معاہدہ ہو تو اس کی مدت کے اختتام سے قبل عہد کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا چاہئے۔

------فلا یحلن عھدا ولا یشدنہ حتی یمضی امدہ

اس پر حضرت امیر معاویہؓ فرمان نبوی صلعم معلوم کرنے کے بعد اپنے اقدام کرنے سے اپنے رفقاء سمیت فوراً واپس آ گئے تاکہ اختتام مدت عہد کی انتظار کی جائے۔ **قال فرجع معاویۃ بالناس۔**"[1]

------ ان امور کی روشنی میں اموات کے حق میں سب و شتم کرنا وہ کیسے روا رکھے ہوئے تھے؟ یہ چیز ان کی دیانت عدالت کے اور اطاعت نبوی کے برخلاف ہے۔

------ چنانچہ اکابر علماء امت اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ اپنے دور خلافت میں امام عادل تھے اور حقوق اللہ و حقوق المسلمین کے ادا کرنے والے تھے۔

------ امام ربانیؒ بحوالہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں :۔

(۱)------ وقد صح انہ کان اماما عادلا فی حقوق اللہ و حقوق المسلمین کما فی

۱ مشکوۃ شریف ص ۳۴۷ باب الامان فصل الثانی۔ طبع دہلی

الصواعق۔"[۱]

۔۔۔۔معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سب و شتم کرنے کے انتسابات بالکل بے جا ہیں اور ان روایات کی صداقت مخدوش ہے

(۲)۔۔۔۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ شیعہ کے اکابر مورخین نے بھی یہ چیز برملا تسلیم کی ہے کہ حسنین شریفینؓ نے امیر معاویہؓ کے تمام دور خلاف میں ان سے کوئی بری بات اور ناپسندیدہ چیز نہیں دیکھی ان حضرات اور امیر معاویہؓ کے درمیان جو شرائط طے ہوئی تھیں ان میں سے کسی شرط کو ضائع نہیں کیا اور نہ کسی احسان اور بھلائی کو تبدیل کیا۔

۔۔۔۔ چنانچہ شیعہ مورخ ابو حنیفہ الدینوریؒ نے اخبار الطوال میں یہ چیز بعبارت ذیل درج کی ہے ۔۔۔۔ **قالوا ولم یرالحسن ولا الحسین طول حیاۃ معاویتہ منہ سوء فی انفسھما ولا مکروھا۔ ولا قطع عنھما شیئا مما کان شرط لھما ولا تغیر لھما عن بر۔**"[۲]

تیسری یہ چیز ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے اکابر مورخین کے ایسے بیانات موجود ہیں جن میں یہ بات واضح طور پر پائی جاتی ہے کہ اکابر ہاشمی حضرات اور حضرت امیر معاویہؓ کے مابین بہترین روابط تھے چنانچہ ابن عباسؓ اس سلسلہ میں حضرت امیر معاویہؓ کی قدر کرتے ہوئے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کم و بیش بیس سال ہم پر والی اور حاکم رہے اور انہوں نے ہمیں کوئی تکلیف نہیں دی اور ہمارے لئے اذیت و تکلیف کا باعث نہیں ہوئے نہ منبر پر اور نہ ہی فرش زمین پر انہوں نے اپنی اور ہماری عزت محفوظ رکھی اور ہمارے ساتھ صلہ رحمی کا عمدہ معاملہ کیا۔ اور ہماری ضروریات کو پورا کرتے رہے۔

۔۔۔۔ **عن ابن عباس قال للہ در ابن ھند ولینا عشرین سنتہ فما اذانا علی ظھر منبر**

۱ متکوبات امام ربانیؒ ص ۶۸، ۶۹ تحت مکتوب دو صد و پنجاہ و یکم بنام مولانا محمد اشرف۔ دفتر اول حصہ چہارم طبع نور کمپنی لاہور

۲ الاخبار الطوال لاحمد بن داؤد ابی حنفیہ الدینوری الشیعی ص ۲۲۵ طبع قاہرہ تحت بحث بین معاویتہؓ و عمر بن العاصؓ

ولا بساط صیانتہ منہ لعرضہ و اعراضنا و لقد کان یحسن صلتنا ویقضی حوائجنا۔"[1]

----- مندرجات بالا کے پیش نظر صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی اولاد شریف اور اکابر ہاشمی کے ساتھ کسی قسم کی کوئی بدسلوکی یا ایذا رسانی نہیں کی جاتی تھی اور کوئی برا معاملہ ان کے ساتھ روا نہیں رکھا گیا۔ اور معاشرتی روابط ان حضرات کے درمیان درست تھے۔

فلہذا سب و شتم کی روایات قابل تسلیم نہیں ہیں اور اس چیز پر عقلی قرائن ہم قبل ازیں "کتاب اقربا نوازی" کے ص ۲۱۸۔۲۱۹ پر ثانیاً کے عنوان کے تحت درج کر چکے ہیں۔ ملاحظہ فرماویں اطمینان حاصل ہو گا اور بحث ہذا کے آخر میں باعتبار درایت کے کلام کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)۔

متعلق سب بعض دیگر روایات اور اس کا جواب

----- معترض لوگ حضرت امیر معاویہؓ کے معائب و مثالب کے سلسلہ میں جو روایات پیش کرتے ہیں ان میں مندرجہ ذیل روایات بھی ہیں ایک دفعہ مغیرہ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ کوفہ کی مسجد میں تشریف فرما تھے بعد میں ایک مشہور صحابی سعید بن زیدؓ تشریف لائے۔ مجلس میں اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ اہل کوفہ میں سے ایک شخص جسے قیس بن علقمہ کہتے تھے اس مجلس میں آیا اور وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں بدگوئی کرنے لگا۔ اس پر حضرت سعید بن زیدؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبۃؓ سے ناراض ہوتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے سامنے صحابہؓ کو سب کیا جاتا ہے اور آپ اس کو برا نہیں جانتے اور اس پر کوئی نکیر نہیں کرتے۔"

معترضین اس روایت کی بنا پر حضرت امیر معاویہؓ اور آپؓ کے ہمنوا صحابہ کرامؓ پر حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف سب و شتم کرنے کا الزام عائد کرتے ہیں۔

۱ کتاب انساب الاشراف للبلاذری ص ۶۸ تحت ترجمہ معاویۃ بن ابی سفیانؓ

۲ مخطوطہ ابن عساکر (قلمی عکس شدہ) ص ۶۸ / ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویۃ بن ابی سفیانؓ

الجواب

واقعہ ہذا سے متعلق جو روایات ذکر کی جاتی ہیں ان کے جواب کے لئے ذیل میں چند چیزیں درج ہیں جن سے اعتراض کی خفت واضح ہو جائے گی اور جواب پورا ہو سکے گا۔ تمام مندرجات پر ایک بار نظر انصاف فرمالیں۔

(۱)

۱ ـــــ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں جو یہ واقعہ پیش آیا ہے اس واقعہ سے متعلق ہماری معلومات کی حد تک جتنی روایات ہمارے سامنے آئی ہیں ان میں سے کسی ایک روایت میں بھی حضرت معاویہؓ کا ذکر تک موجود نہیں۔ اور ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نہ تو اس مجلس میں موجود تھے اور نہ ہی ان کے ایماء پر یہ فعل سرزد ہوا۔

۲ ـــــ اور یہ ایک فطری امر ہے کہ بعض حضرات نہایت تیز طبع ہوتے ہیں ایک حبہ بھر بات مزاج کے خلاف برداشت نہیں کرتے اور بعض اشخاص متحمل و بردبار طبیعت کے حامل ہوتے ہیں کہ خلاف مزاج چیزوں کو سننا بھی گوارا کر لیتے ہیں۔ اگر یہ واقعہ درست ہے تو غالباً یہاں بھی یہی صورت رونما ہوئی کہ حضرت مغیرہؓ نے قیس بن علقمہ کی ناروا گفتگو پر تحمل سے کام لیا اس لئے کہ علمائے تراجم نے کہا ہے **کان المغیرۃ لہ حلم و اناۃ** (یعنی ان کی طبیعت نہایت متحمل و بردبار تھی)

ـــــ اور حضرت سعید بن زیدؓ یہ کلام سن کر فوراً برافروختہ ہو گئے اور مغیرہؓ سے شکایت کرنے لگے۔

تاہم یہ احتمال موجود ہے کہ اس موقعہ پر لقد ورد کے اعتبار سے مزید گفتگو ہوئی ہو (جس کو ناقلین واقعہ نے ذکر نہیں کیا) کہ اس سے واقعہ کی اصل نوعیت اور حقیقت حال کا سراغ مل سکتا۔

۳ ـــــ نیز قیس بن علقمہ کوفی جو غالباً خوارج کے نظریات کا حامل تھا اس کا یہ ذاتی نظریہ تھا جو اس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف بدگوئی کی شکل میں ظاہر کیا۔

اور ہم بھی اس نظریے اور اس طرز عمل کو سو فیصد برا جانتے ہیں۔

----- اس دور میں بعض لوگ اپنے اپنے نظریاتی اختلافات کی بنا پر اپنے مخالف فریق کے لوگوں سے پرخاش رکھتے تھے اور موقعہ بہ موقعہ اس قسم کے غلط نظریات کا اظہار کرتے تھے۔ یہ ایک نفسیاتی چیز ہے کہ انفرادی نظریات پر کنٹرول نہیں کیا جا سکتا۔

ان حالات میں اکابر صحابہؓ (حضرت مغیرہ بن شعبہ ہوں یا حضرت معاویہؓ) پر طعن و تشنیع کرنے کا جواز نہیں پایا جاتا۔

(۲)

-----اس مقام میں طعن قائم کرنے والے بزرگوں نے ایک اور روایت ام المومنین ام سلمۃ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے کہ :۔

" انہوں نے ابو عبداللہ الجدلی کو فرمایا کہ تمہارے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برملا سب کیا جاتا ہے تو اس نے کہا کہ سبحان اللہ معاذ اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو ام المومنین نے فرمایا کہ کیا تمہارے ہاں علی بن ابی طالبؓ کو سب نہیں کیا جاتا؟ اور کہنے لگیں قالت

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من سب علیا فقد سبنی......الخ

یعنی ام المومنین ام سلمۃ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے علی بن ابی طالبؓ کو سب کیا اس نے مجھے برا کہا۔"

اور بعض روایات میں ہے کہ ام سلمۃ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم علیؓ (ابن ابی طالب) سے محبت فرماتے تھے---- (اور تم لوگ ان کو سب کرتے ہو)

----- روایت ہذا کے ذریعے معترض احباب حضرت علی المرتضیٰؓ پر سب و شتم کرنے کے مسئلہ کو مکمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روایت متعدد صحیح اسانید کے ساتھ مروی ہے

الجواب

اس روایت کے متعلق بعض ضروری چیزیں قابل ذکر ہیں ان پر نظر انصاف فرما لینے کے بعد روایت ہذا کے مزید جواب کی حاجت نہ رہے گی۔

——— ناظرین کرام پر واضح ہے کہ اعتراض قائم کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ قابل اعتراض روایت اپنے مقام پر صحیح ہو۔ اور فریق مقابل کے سامنے قواعد کے لحاظ سے قابل قبول ہو اور جو روایت اس فن کے قواعد کے لحاظ سے درست نہ ہو گی وہ طعن کے مقام میں قابل حجت نہیں ہو سکتی۔

——— مندرجہ بالا روایت جو حضرت ام سلمہؓ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کی جاتی ہے اس کو نقل کرنے والا ابو عبداللہ الجدلی ہے معترض احباب نے جن باسند کتابوں سے اس روایت کو نقل کیا ہے ان مقامات میں ہماری معلومات کی حد تک بنیادی راوی ابو عبداللہ الجدلی ہے۔ اور باقی مصنفین کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ ان ہی باسند کتابوں سے ناقل ہیں۔ فلہذا ان کے الگ جواب کی حاجت نہیں۔ جب کہ اصل روایت کا جواب پیش کر دیا جائے"

ابو عبداللہ الجدلی

——— اسماء رجال کے اکابر علماء نے ابو عبداللہ الجدلی کے متعلق مندرجہ ذیل چیزیں درج کی ہیں۔ اہل علم کی تسلی کے لئے ان کی مختصراً" عبارات نقل کی جاتی ہیں۔

۱ طبقات ابن سعد میں ہے کہ :۔

.... و یستضعف فی حدیثہ و کان شدید التشیع.... ۱

۲............ ابو عبداللہ الجدلی شیعی ...... بغیض...... ۲

۳............ شیعی ثقل...... ۳

۴............ یستضعف فی حدیثہ و کان شدید التشیع

و یزعمون انہ کان علی شرطتہ المختار...... ۴ مندرجہ بالا حوالہ جات کا مفہوم

۱ طبقات ابن سعد ۱۵۹ / ج ۶ تحت ابی عبداللہ الجدلی ۔ طبع لیڈن

۲ میزان الاعتدال ص ۵۴۴ / ج ۴ تحت ابی عبداللہ الجدلی نمبر ۱۰۳۵۷

۳ المغنی للذہبی ص ۷۹۴ / ج ۲ تحت نمبر ۷۵۷۳

۴ تہذیب التہذیب لابن حجر ۱۴۸ / ۱۴۹ جلد ۱۲ تحت باب الکنی ابو عبداللہ الجدلی

یہ ہے کہ ابو عبداللہ الجدالی حدیث کے بیان میں ضعیف قرار دیا جاتا ہے اور وہ سخت اور شدید قسم کا شیعہ تھا۔ ابو عبداللہ صحابہ کرامؓ سے بغض و عناد رکھنے والا شیعہ تھا۔ نیز وہ مختار ثقفی کی جماعت کا سربراہ تھا۔

——— اہل علم کے نزدیک یہ مسئلہ واضح ہے کہ اہل بدعت کی روایت جو اس کے مسلک کی موئد اور اس کے مذہب کی تائید میں جاتی ہو وہ مقام طعن میں قبول نہیں کی جاتی اور اس کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔

——— مذکور بالا جرح و تنقید اور پیش کردہ ضابطہ کی روشنی میں ابو عبداللہ الجدلی کی یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے

شیعہ رواۃ اپنے نظریات کے دائرہ میں حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کی اولاد کے حق میں حد درجہ کا غلو رکھتے ہیں اور دیگر صحابہ کرامؓ کی تنقیص شان میں کوئی کمی نہیں کرتے اور ان کے خلاف روایات نشر کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ اس بناء پر مندرجہ بالا روایات ان کے مزعومات کے مطابق تصنیف شدہ معلوم ہوتی ہے۔ اس میں انہوں نے یہ ظاہر کرنے کی سعی کی ہے کہ حضرت مرتضیٰؓ کو برا کہنا (معاذ اللہ) سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کرنے کے برابر ہے" (استغفر اللہ العظیم)

العقد الفرید کی ایک روایت پر کلام

——— نیز معترض لوگوں نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک روایت یہ ذکر کی ہے کہ " انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کو خط لکھا کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر برسر منبر لعنت کرتے ہو وہ اس طرح کہ تم علی بن ابی طالبؓ اور ان کے محبین پر لعنت کرتے ہو.......... معاویہؓ نے اس کلام کی طرف کوئی توجہ نہ دی"

——— اعتراض کرنے والے دوستوں نے یہ روایت عقد الفرید لابن عبد ربہ کے حوالہ سے نقل کی ہے اور اس طعن کو خوب بنا سجا کر پیش کیا ہے۔

——— جس طرح کہ پہلے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ روایت پر باعتبار قواعد کے کلام کر دیا ہے اسی طرح یہاں بھی یہ بات واضح کی جاتی ہے کہ روایت ہذا کو بقول معترض احمد بن عبد ربہ نے عقد الفرید میں ذکر کیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ابن عبد ربہ کی روایات قابل اعتماد ہیں؟ اور کیا ان روایات پر اعتبار کر کے صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع کرنا جائز ہے؟

اور ابن عبد ربہ کیسا بزرگ ہے؟ اور کن نظریات کا حامل ہے؟

ـــــ اس چیز کے لئے ہم کبار علماء کا کلام پیش کرتے ہیں جس میں اس طعن کا جواب مکمل موجود ہے

ـــــ چنانچہ البدایۃ والنہایۃ میں احمد بن عبد ربہ کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ :۔

.... یدل کثیر من کلامہ علی تشیع فیہ و میل علی حط بنی امیۃ وھذا عجیب منہ لانہ احد موالیھم و کان الاولی بہ ان یکون ممن یوالیھم لا ممن یعادیھم" [1]

یعنی احمد بن عبد ربہ کا بیشتر کلام اس کے شیعہ ہونے پر دال ہے اور بنو امیہ کو گرانے یعنی ان کی تحقیر و تذلیل کرنے پر، اس کا میلان و رجحان ہے۔ اور یہ چیز اس کے حق میں عجیب ہے کیونکہ وہ بنو امیہ کے موالی میں سے ایک شخص تھا۔ اس کو چاہیے تھا کہ وہ بنو امیہ کے ساتھ دوستی کا اظہار کرتا۔ لیکن وہ بنو امیہ کے ساتھ پوری عداوت اور دشمنی رکھتا ہے۔"

ـــــ اسی طرح علامہ ابن کثیرؒ نے ایک دوسرے مقام پر احمد بن عبد ربہ کے متعلق لکھا ہے کہ :۔

.... لان صاحب العقد کان فیہ تشیع شنیع و مغالاۃ فی اہل البیت وربما لا یفھم احد من کلامہ ما فیہ من التشیع" [2]

کیونکہ صاحب العقد الفرید (احمد بن عبد ربہ) میں تسیع و تشیع اور اھل بیت کے حق میں بے جا غلو پایا جاتا ہے۔ اور بسا اوقات اس کے کلام سے کوئی شخص اس کے تشیع کو نہیں سمجھ سکتا..........

۱ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر صفحہ ۱۹۳، ۱۹۴ / ج ۱۱ تحت سنۃ ۳۲۸ھ (صاحب کتاب عقد الفرید)

۲ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ صفحہ ۲۱ / ج ۱۰ تحت خالد بن عبد اللہ بن یزید

مختصر یہ ہے کہ احمد بن عبد ربہ کے کلام پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ اہل بیت کے حق میں بے جا غلو اور صحابہؓ بنو امیہ کے سخت خلاف جذبات رکھتا تھا۔

فلہذا اس شخص کے دیگر حوالہ جات کے متعلق بھی یہی حکم ہے۔ اور اس کی مرویات جو صحابہ کرام کے خلاف منقول ہیں ان کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

ایک شبہ کا ازالہ

------ معترض کی طرف سے کہا جا سکتا ہے کہ روایت ہذا کے متعلق علماء نے صحت کا قول کیا ہے۔ اس لئے اس روایت کی قبولیت میں کیسے شبہ کیا جا سکتا ہے؟

جواباً عرض ہے کہ ہم نے جو کچھ کلام کیا ہے وہ مذکورہ ضابطہ کے تحت ذکر کیا ہے جو علماء میں مقبول ہے۔ اور راوی کے شدید قسم کے تشیع پر بھی حوالہ جات پیش کر دیئے ہیں۔ ایسے سخت قسم کے غالی شیعوں کی روایت مقام طعن میں قابل اعتماد و قابل استدلال نہیں سمجھی جا سکتی۔ اس سلسلہ میں اس فن کے علماء کا طریقہ کار یہ ہے کہ کئی مقامات پر راوی کے شیعہ اور رافضی ہونے کی وجہ سے روایت کو رد کیا جاتا ہے اور اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔
اس مسئلہ پر بطور مثال کے ایک حوالہ کتاب تنزیہ الشریعتہ لابن العراق سے پیش کیا جاتا ہے۔

۳۸۔ (حدیث) من لم یقل علیؓ خیر الناس، فقد کفر (خط) من حدیث علی وفیہ محمد بن کثیر الکوفی، وھو المتھم بہ لانہ کان شیعیا۔" ۱

یہاں روایت کو راوی کے تشیع کی بنا پر علمائے فن نے قبول نہیں کیا یہ حوالہ بطور مثال کے پیش کیا گیا ہے ورنہ بے شمار مقامات میں اسی ضابطہ پر عمل کیا جاتا ہے۔

اور جن علماء نے مندرجہ روایت کی صحت کا قول کیا ہے ان میں سے بعض حضرات نے اپنی رجال اور تراجم کی کتب میں اس راوی (ابو عبداللہ الجدلی) کے حق میں غالی شیعہ ہونے کے نقد و جرح کے الفاظ بھی درج کئے ہیں اور ساتھ ---- صحت روایت کا ---- قول کر دیا ---- یا للعجب!!

۱ تنزیہ الشریعتہ لابن العراق الکنانی جز اول صفحہ ۳۵۳ تحت باب مناقب الخلفاء الاربعہ الفصل الاول روایت نمبر ۳۸

ہم نے اس معاملہ میں علماء کے قواعد اور ضوابط اور اقوال پیش نظر رکھ کر مسئلہ کے دونوں پہلو واضح کر دیئے ہیں اور تحقیق کی طرف توجہ دلا دی ہے۔ اب کبار علمائے فن کا کام ہے کہ اس مسئلہ میں توفیق یا ترجیح قائم کریں۔ عوام کی حیثیت سے یہ چیز بالاتر ہے۔

(۳)

——جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اس دور کے سیاسی حالات کے پیش نظر بعض لوگ دو طبقوں میں تقسیم تھے اور اپنے اپنے نظریات کے مطابق دونوں فریق اپنے مخالف فریق کے خلاف نفرت کا اظہار کیا کرتے تھے اور بعض اوقات اپنی نفرت و عداوت کا اظہار سب و شتم کی صورت میں ہوتا تھا۔

ا چنانچہ سب و شتم کا یہ معاملہ یک طرفہ نہیں تھا بلکہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور میں بھی آپؓ کے حامی لوگ اپنے مخالف فریق (حامیان عثمانؓ) کے خلاف بدگوئی کیا کرتے تھے جیسا کہ درج ذیل واقعہ سے واضح ہے:۔

.... و لبنی الارقم مسجد بالکوفتہ۔ فلما قدم الکوفتہ علی رضی اللہ عنہ' جعل اصحابہ یتناولون عثمان۔ فقال بنو الارقم: لا نقیم ببا یشتم فیہ عثمان۔ فخرجوا الی الجزیرۃ فنزلوا الرھا۔ وشھدوا مع معاویتہ صفین۔"[۱] یعنی کوفہ میں قبیلہ بنی ارقم کے لئے ایک مسجد تھی۔ جب حضرت علی المرتضیٰؓ کوفہ میں تشریف لائے تو آپؓ کے ہمنوا لوگ حضرت عثمانؓ کے بارے میں بدگوئی کرتے تھے۔ قبیلہ بنو ارقم کہنے لگے ہم ایسے شہر میں مقیم نہیں رہ سکتے جس شہر میں حضرت عثمانؓ کو سب و شتم کیا جاتا ہو۔ چنانچہ وہ لوگ کوفہ سے نکل کھڑے ہوئے اور الجزیرہ کے ایک مقام "الرھا" میں مقیم ہو گئے۔ بعد میں وہ لوگ حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ صفین میں شامل ہوئے۔

——یہاں سے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ سب و شتم کا سلسلہ صرف ایک فریق ہی کی طرف سے نہیں تھا بلکہ دونوں فریق کی جانب سے بعض لوگ اس قسم کی ناروا حرکات کرتے تھے جو دوسرے فریق کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتی تھیں۔

۱ کتاب المحبر لابی جعفر بغدادی صفحہ ۲۹۵ (تحت عدی بن عمیرہ بن فروہ) تحت عنوان من شھد صفین مع معاویتہ بن ابی سفیانؓ

۲----- نیز سابق واقعہ کی طرح ایک اور واقعہ بھی ناظرین کرام ملاحظہ فرمادیں۔

----- کوفہ میں جب مغیرہ بن شعبہؓ کا ۵۰ ھ میں انتقال ہوا تو حضرت معاویہؓ نے ان کی جگہ زیاد کو کوفہ کا والی و حاکم مقرر کیا۔ حجر بن عدی ان حکام کی سخت مخالفت کرتے تھے (جیسا کہ اس کی تفصیلات اپنے مقام پر درج ہیں)

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے حامیوں کی جماعتیں در جماعتیں حجر کے پاس جمع ہونے لگیں۔

...... و یسبون معاویۃ ویتبرون منہ

یعنی خلیفہ اسلام حضرت معاویہؓ کو سبت و شتم کرتیں اور ان سے تبرا و بیزاری کا اعلان کرتی تھیں" (البدایہ ص ۵۰ تحت ۵۱ ھ) مطلب یہ ہے کہ فریقین میں یہ ایک نظریاتی تخالف اور فکری تقابل کا مسئلہ تھا جو اس دور میں بعض دفعہ جانبین کی طرف سے پایا جاتا تھا۔

----- مختصر یہ ہے کہ اسی طرح کئی دیگر روایات بھی معترض لوگوں نے اس باب میں فراہم کی ہوئی ہیں لیکن

یہ تمام اخبار احاد ہیں یا بعض تاریخی ملغوبات ہیں قابل اعتناء نہیں اور ان کے پیش نظر کسی صحابیؓ کو مطعون کرنا درست نہیں۔ صحابہ کرامؓ کا مقام کتاب و سنت کی روشنی میں بہت رفیع ہے

فلہذا اس قسم کی روایات کے ذریعے صحابہ کرامؓ کے وقار کو مجروح اور ان کے دامن دیانت کو داغدار نہیں کیا جا سکتا۔

----- اگر بالفرض اس چیز کو بعض روایات کے اعتبار سے درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو ان کا محمل وہی ہے جو کبار علماء کرام نے اپنی تحقیق کی شکل میں ذکر کیا ہے۔ (اسے ہم صفحات گزشتہ میں نقل کر چکے ہیں)

یعنی یہ روایات' اختلاف رائے کرنے اور دوسرے فریق کی رائے کا تخطیہ کرنے یا ان کے طریق کار اور معاملات پر نقد و تنقید کرنے کے معانی پر محمول ہیں۔ اور کسی قسم کا معروف سب شتم (گالی گلوچ) مقصود نہیں۔

مسئلہ ھذا درایت کی روشنی میں

_____ سب و شتم کے مسئلہ کے متعلق روایت کے اعتبار سے اور معانی و محامل کے لحاظ سے چند چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ اب درایت کے اعتبار سے بعض چیزیں اس مسئلہ کے متعلق پیش کی جاتی ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی ذات گرامی کے متعلق سب و شتم کئے جانے کا جو پروپیگنڈا روایات میں پایا جاتا ہے وہ کس حد تک درست ہے؟ اور اس عہد کے واقعات کے ساتھ اس کی کس درجہ تک مطابقت پائی جاتی ہے؟

اور مندرجہ ذیل امور کی روشنی میں سب و شتم کا یہ مسئلہ کہاں تک صحیح ہے؟ اہل فکر حضرات اس پر نظر غائر فرماویں۔ اگرچہ ان میں سے بعض اشیاء قبل ازیں کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" ۲۱۸۔ ۲۱۹ وغیرہ میں درج ہو چکی ہیں لیکن یہاں بعض حوالہ جات کا اضافہ کر دیا گیا ہے

_____ جیسا کہ قارئین کرام کو معلوم ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ "مہادنت" و مصالحت" کر لی تھی تو سیدنا حضرت حسنؓ نے ۴۱ ھ میں خلافت کا معاملہ حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد کر دیا تھا۔ اس وقت سے لے کر حضرت امیر معاویہؓ کے انتقال رجب ۶۰ ھ تک یہ انیس سال چند ماہ کا عرصہ دراز ہے۔ اس عرصہ میں دونوں فریق کے باہمی تعلقات اور روابط درست تھے اور معاملات میں ان کی سیاسی کشیدگی فرو ہو گئی تھی۔

_____ چنانچہ واقعات اس پر شاہد ہیں کہ ہاشمی حضرات کو حکومت کے معاملات میں عدالت کے منصب بھی دیئے گئے اور اکابر ہاشمی حضرات اس دور میں منصب قضاء پر فائز رہے۔

(۱)

مدینہ منورہ میں اول ہاشمی قاضی

علمائے تراجم نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے مروان بن الحکم ۴۲ ھ میں جب پہلی بار مدینہ منورہ کا والی تھا تو اس وقت منصب قضا کے لئے ایک قاضی کی ضرورت

پیش آئی چنانچہ عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی بزرگ کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔ اس دور کے اکابر فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ میں اسلام کا پہلا قاضی عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی ہے

۱ ....ھذا اول قاضی رائیتہ فی الاسلام (قول حضرت ابو ھریرہؓ)۔

۲ .... وھو اول قاض بالمدینۃ من التابعین"۔ ۱

(۲)

غزوات میں ہاشمی غازی

حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کے دوران اکابر ہاشمی حضرات کے ساتھ ان کے تعلقات اور معاملات بہتر طریقے سے استوار تھے۔ مورخین اور اہل تراجم نے اس نوع کے متعدد واقعات ذکر کئے ہیں جو ان کے عمدہ روابط پر شاہد ہیں۔

مثلاً اس فن کے علماء نے لکھا ہے کہ حضرت سیدنا حسین ابن علی المرتضیٰؓ کے رضائی برادر قثم بن عباس جن کا شمار صغار صحابہ میں کیا جاتا ہے' حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں جہاد کی خاطر خراسان کے علاقہ میں تشریف لے گئے اور جہاد میں شریک ہوئے۔ پھر جب غزوہ سمرقند پیش آیا تو اس غزوہ میں حضرت عثمان بن عفانؓ کے فرزند سعید بن عثمانؓ کماندار تھے ان کی ماتحتی میں غزوہ میں شریک ہوئے اور کارہائے نمایاں سرانجام دے کر مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

.... قال ابن سعد غزا قثم بن عباس خراسان و علیھا سعید بن عثمان بن عفان...... قال الزبیر (بن بکار) سار قثم (بن عباس) ایام معاویتہ مع سعید بن عثمان

۱ طبقات لابن سعد صفحہ ۱۳/ ج ۵ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل"

۱ کتاب الثقات لابن حبان ص ۵ / ج ۵ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل"

الی سمر قند فاستشھر بھا۔" [۱]

شیعہ کی طرف سے تائید

—— شیعہ علماء نے بھی قثم بن عباس ہاشمی کے غزوہ سمر قند میں شریک جہاد ہو کر حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں شہید ہونے کو بالوضاحت تحریر کیا ہے۔ چنانچہ ابن میثم بحرانی لکھتے ہیں کہ :۔

...... واستشھد بسمر قند فی زمن معاویتہ۔" [۲]

یعنی (قثم بن عباس ہاشمی) حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں غزوہ سمر قند میں شریک جہاد ہو کر شہید ہوئے۔ اور عبداللہ مامقانی نے تنقیح المقال میں اسی مسئلہ کو بعبارت ذیل ذکر کیا ہے۔

...... فسار قثم الی سمر قند فمات بھا شھیدا۔" [۳]

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور انتقال کے بعد سمر قند کے علاقہ میں غزوہ کے لئے حضرت قثمؓ تشریف لے گئے اور وہاں غزوہ میں شہید ہو گئے۔

یہ تمام واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہاشمی حضرات اس دور کے غزوات میں بخوشی شریک ہو کر ثواب دارین حاصل کرتے تھے

(۳)

—— اور حضرت سیدنا حسین ابن علی المرتضیٰؓ نے بھی حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت

۱ طبقات لابن سعد صفحہ ۱۰۱ / ج ۷ القسم الثانی طبع لیدن۔ تحت ذکر قثم بن عباس بن عبدالمطلب

۲ کتاب نسب قریش لمصعب الزبیری ص ۲۷ تحت اولاد عباس بن عبد المطلب

۳ اسد الغابہ صفحہ ۱۹۷ / ج ۴ تذکرہ قثم بن عباس

۴ سیر اعلام النبلاء للذہبی صفحہ ۲۹۲ / ج ۳ تحت ذکر قثم بن عباس

۲ شرح نہج البلاغۃ لابن میثم البحرانی الشیعی صفحہ ۲۷ / ج ۵ تحت عنوان من کتاب لہ علیہ السلام الی قثم بن عباس و ھو عاملہ علی مکتہ (طبع جدید تہران)

۳ تنقیح المقال صفحہ ۲۸ / ج ۲ ابواب القاف تحت قثم بن عباس

میں غزوات اور جنگی مہمات میں شریک و شامل ہو کر جہاد میں حصہ لیا اور امیر وقت کے ساتھ آپؓ کا عملی تعاون قائم رہا۔ اس میں کسی مجبوری یا مقہوری کو کوئی دخل نہیں تھا۔ چنانچہ مورخین نے اسے بعبارت ذیل نقل کیا ہے :۔

۱ ..... و وفد علی معاویتہ و توجہ غازیا الی القسطنطنیتہ فی الجیش الذی کان امیرہ یزید بن معاویتہ"۔ ۱

۲ .... ولما توفی الحسن کان الحسین یفد الی معاویتہ فی کل عام فیعطیہ و یکرمہ وقد کان فی الجیش الذین غزوا القسطنطنیتہ مع ابن معاویتہ یزید فی سنتہ احدی و خمسین ۵۱ھ"۔ ۲

(۴)

----- اور یہ مسئلہ مسلمات میں سے ہے کہ عام الصلح کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے ہاں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ اور دیگر ہاشمی حضرات مثلاً عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن جعفرؓ اور حضرت عقیل بن ابی طالبؓ تشریف لے جایا کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے ان حضرات کی مالی معاونت کی جاتی تھی اور بطور وظائف کے ان کو مالی عطیات پیش کئے جاتے تھے اور یہ حضرات بخوشی انہیں قبول اور وصول کیا کرتے تھے۔ مالی وظائف کا یہ مسئلہ شیعہ سنی دونوں مورخین کی کتابوں میں موجود ہے۔ تفصیلات میں جانے کے بغیر ہم ناظرین کے سامنے اسے اجمالی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

۱ .... فاعطاہ اربعمائتہ الف درھم وروی المبرد ان الحسن کان یفد کل سنتہ علی معاویتہ فیصلہ بمائتہ الف درھم"۔ ۱

۲ .... کان لہ (الحسن بن علیؓ) علی معاویتہ فی کل عام جائزۃ وکان یفد الیہ فربما

۱ تہذیب تاریخ لابن عساکر للشیخ عبدالقادر بن بدران آفندی ص ۳۱۱ / ج ۴ تذکرہ حسین ابن علیؓ

۲ البدایتہ لابن کثیرؒ صفحہ ۱۵۰، ۱۵۱/ ج ۸ تذکرہ خروج الحسینؓ الی العراق و کیفیت مقتلہ

۱ تہذیب تاریخ لابن عساکر صفحہ ۲۰۰ / ج ۴ تذکرہ حسن ابن علیؓ

اجازہ باربعمائتہ الف درہم وراتبہ فی سنتہ مائتہ الف"[1]

۳ ...... حسین وے را گفت بنشیں کہ مارا رزقی در راہ است تاپیدا رند۔ بسے برنیامد کہ پنج صرہ ازدینارہا ور دند از معاویتہ اندر ہر صرہ ہزار دینار بود و گفتند کہ معاویتہ ازتو عذرمی خواہد"[3]

۴ ...... فلما استقرت الخلافتہ لمعاویتہ کان الحسین یتردد الیہ مع اخیہ الحسن فیکرمہما معاویتہ اکرام زائدا ویقول لہما مرحبا واھلا و یعطیہما عطاء جزیلا وقدا طلق لہما فی یوم واحد مائتی الف یعنی فی بعض الایام"[4]

مذکورہ بالا حوالہ جات کا بالاختصار مفہوم درج ذیل ہے۔

(۱) (حضرت امیر معاویہؓ نے) حضرت حسنؓ کو چار لاکھ درہم عطیہ پیش کیا اور المبرد نے لکھا ہے کہ حضرت حسنؓ ہر سال حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں پہنچتے تھے اور حضرت معاویہؓ ان کو ایک لاکھ درہم سالانہ پیش کرتے تھے۔

(۲) حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے حضرت حسنؓ کو ہر سال وظیفہ دیا جاتا تھا۔ اور آپؓ حضرت معاویہؓ کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے بعض اوقات چار لاکھ درہم بھی ان کو دیا گیا اور ایک لاکھ درہم تو لازماً ہر سال دیا جاتا تھا۔

(۳) (حضرت سیدنا حسین ابن علیؓ کی خدمت میں ایک سائل نے سوال کیا تو) سیدنا حسینؓ نے فرمایا کہ تھوڑی دیر ٹھہر جایئے۔ امیر معاویہؓ کی طرف سے ہمارا وظیفہ پہنچنے ہی والا ہے اسی اثنا میں حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے پانچ تھیلیاں پہنچیں جو ایک ایک ہزار دینار کی حامل تھیں۔ پہنچانے والوں نے حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے قلت مقدار کی معذرت کی۔

۱ الاصابہ لابن حجر ۳۲۹ جلد اول تحت تذکرہ حسن بن علی بن ابی طالبؓ

۲ البدایہ ص ۳۷ / ج ۸ تذکرہ حسن بن علیؓ صفحہ ۴۱، ۴۲ / ج ۸ تذکرہ حسن بن علیؓ ص ۱۳۷ / ج ۸ تذکرہ امیر معاویتہؓ

۳ کشف المحجوب از شیخ علی بن عثمان الغزنوی الہجویری ثم لاہوریؒ المتوفی ۴۵۶ھ) ص ۹۲، ۹۳ باب الثامن تحت فی ذکر ائمتھم من اہل البیت طبع سمرقند

۴ البدایہ صفحہ ۱۵۰، ۱۵۱ / ج ۸ طبع اول مصر، تحت قصہ الحسین و سبب خروجہ من مکتہ الی العراق

(۴) جب حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت قائم ہو گئی تو سیدنا حسینؓ اپنے برادر سیدنا حسنؓ کی معیت میں حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آمدو رفت رکھتے تھے اور حضرت معاویہؓ ان دونوں حضرات کا بہت احترام کرتے تھے اور ان دونوں بزرگوں کا حضرت معاویہؓ مرحبا اهلا و سهلا (خوش آمدید) کے باعزت الفاظ کے ساتھ استقبال کرتے اور ان دونوں حضراتؓ کو عطیات کثیرہ سے نوازتے تھے۔ اور بعض اوقات تو ایک ایک دن میں ان دونوں کو دو دو لاکھ درہم بھی پیش کئے جاتے تھے۔

——— مزید برآں اس مسئلہ کی تائیدات اور شواہد کے متعلق ہم تفصیل میں نہیں جا سکتے تاہم ناظرین کرام کے لئے ذیل میں ہم شیعہ اور سنی کتب سے صرف حوالہ جات ذکر کر دیتے ہیں تاکہ قارئین ان مقامات کی طرف رجوع کر کے تسلی فرمالیں۔

(۱)--- **المستدرک للحاکم** ۵٦۷ ـ ۳ تحت ذکر عبداللہ بن جعفر الطیار

(۲)--- **لطائف المعارف** ۲۱ـ۲۲ طبع مصر۔ (لابی منصور عبدالملک بن محمد الثعالبی۔

شیعہ کتب سے

(۱) شرح نہج البلاغتہ لابن ابی الحدید ۳/۷۰۵ـ ۷۰٦ (طبع قدیم بیروت)
تحت بحث فی المقارنۃ بین جود ملوک بنی امیہ و ملوک بنی ہاشم

(۲) الفخری ص ۶۴ آخری فصل اول طبع مصر

(۳) جلاء العیون ملا باقر المجلسی طبع قدیم ص ۲۷۰
تحت باب دربیان نصوص امامت و معجزات امام حسنؓ

(۴) الامالی شیخ الطوسی ص ۳۳۴ ـ ۲ طبع نجف اشرف

(۵) فروع کافی ۲٦۲ ـ ۲ (طبع لکھنؤ)
تحت کتاب العقیقہ باب الاسماء والکنیٰ

(٦) ناسخ التواریخ ۴۰ ـ ۱۱ (کتاب دوم) (طبع قدیم ایران)
تحت مکالمہ مروان و آنحضرت (امام زین العابدین)

(۷) ناسخ التواریخ ۳۸۰ ـ ۹ طراز المذہب مظفری (طبع قدیم ایران) دربیان احتجاج عبداللہ بن

جعفر با معاویہ و حکایت او با معاویہ و یزید

—— مندرجہ بالا تمام حوالہ جات میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اکابر ہاشمی حضرات۔

حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں:۔

(۱)۔ حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں آمدورفت رکھتے تھے۔ یہ چیز حسن روابط پر مستقل قرینہ ہے

(۲) اور اس دور کے اہم معاملات مثلاً منصب قضا وغیرہ قبول کر کے حضرت معاویہؓ کے ساتھ معاون رہتے تھے۔

(۳) عہد خلافت معاویہؓ کے جنگی معاملات میں پوری طرح تعاون کرتے تھے اور اس دور کے غزوات جہاد میں شریک و شامل ہو کر باقاعدہ غنائم سے حصہ حاصل کرتے اور مراتب شہادت کی سعادت پاتے تھے۔

(۴) حضرت معاویہؓ کے دور میں یہ اکابر ہاشمی حضرات بشمول حسنین شریفینؓ بیت المال سے باقاعدگی کے ساتھ وقتی عطیات اور سالانہ وظائف حاصل کرتے تھے۔

مختصر یہ ہے کہ

یہ تمام چیزیں اس بات پر قوی قرائن ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی ذات گرامی کے حق میں حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں سب و شتم نہیں کیا جاتا تھا۔ اور ان کو منبروں پر برملا برا بھلا نہیں کہا جاتا تھا۔

—— بالفرض اگر سب و شتم کا پروپیگنڈہ درست ہے اور واقعی منبروں پر حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف سب و شتم کی بوچھاڑ ہوتی تھی (جیسا کہ معترض احباب ذکر کرتے ہیں) تو پھر یہ اکابر حضرات حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ مندرجہ بالا تعلقات و روابط کس طرح قائم کئے ہوئے تھے" اور دینی امور میں ان کے ساتھ کس طرح تعاون رکھے ہوئے تھے؟

ناظرین کرام!

اندریں حالات معترض کی جانب سے پیش کردہ سب و شتم کی روایات یا مذکورہ بالا واقعات (جو قرائن میں پیش کئے گئے ہیں) ان میں سے کوئی ایک بات ہی درست ہو سکتی ہے۔

دونوں چیزوں کا بیک وقت صحیح ہونا مشکل امر ہے غور فرمادیں۔

——وجہ یہ ہے کہ یہ ایک فطری امر اور نفسیاتی چیز ہے کہ جس شخص کے اکابر اور آباء کو سب و شتم کیا جائے یا ان کے حق میں علی روس الاشہاد بدگوئی کی جائے تو ایک باغیرت انسان اپنی حمیت نفس کی بنا پر ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق بھی قائم نہیں رکھ سکتا۔ اور

(۱) نہ ان لوگوں کی جانب سے مناصب و اعزاز حاصل کر سکتا ہے۔

(۲) نہ ان کے ساتھ مل کر جہاد و غزوات میں شامل ہو سکتا ہے۔

(۳) اور نہ ان کے ساتھ میل و ملاقات پسند کر سکتا ہے

(۴) نہ ہی ان سے مالی عطیات و ہدایا و وظائف حاصل کر سکتا ہے

(۵) حتی کہ ایسی جماعت اور ایسے افراد و اشخاص کے ساتھ باہم سلام و کلام تک کا روادار نہیں ہوتا۔

یہ امور معاشرہ کے مشاہدات میں سے ہیں

فلہذا معروضات بالا کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ معترض دوستوں کا اس مسئلہ میں پروپیگنڈا درست نہیں ہے اور واقعات "و مشاہدات" بھی اس چیز کی نفی کرتے ہیں اور اس کے برعکس ہیں۔ فلہذا یہ قابل قبول نہیں۔

مسئلہ ہذا میں افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے ورنہ درایت کے لحاظ سے اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔ پس اس بات میں جمہور علمائے امت نے جو کچھ بیان فرمایا ہے وہی صحیح ہے اور اس کو ہم نے سابقاً متعدد بار تحریر کر دیا ہے رجوع فرما کر تسلی کر لیں۔

قول "لا اشبع اللہ بطنہ" سے پرخوری کا اعتراض پھر اس کا حل"

____ بعض روایات میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک بار میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں (ازراہ شرم و حیا) دروازے کے پیچھے چھپنے لگا۔ آنجناب صلعم نے مجھے دیکھ لیا اور گردن سے پکڑا اور ازراہ تلطف خفیف سی ضرب لگائی اور اس کے بعد فرمایا کہ معاویۃ بن ابی سفیانؓ کو بلا لاؤ۔ تو ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں چلا گیا۔ اس وقت امیر معاویہؓ کھانا کھا رہے تھے میں نے واپس آکر عرض کیا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ پھر آپ صلعم نے مجھے فرمایا کہ جاؤ معاویہؓ کو بلا لاؤ مجھے ان سے کام ہے۔ میں (دوبارہ) گیا اور وہ ابھی کھانا کھا رہے تھے میں نے واپس آکر عرض کی کہ وہ ابھی کھانا کھا رہے ہیں۔ تو اس پر آنجناب صلعم نے فرمایا کہ " **لا اشبع اللہ بطنہ**" یعنی اللہ تعالیٰ اس کے شکم کو سیر نہ کرے۔

____ اس روایت کی بنا پر حضرت امیر معاویہؓ پر طعن قائم کرنے والے یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پرخوری کی بد دعا فرمائی تھی اور وہ کھانے سے سیر نہیں ہوتے تھے۔ (یہ اخلاقی اعتبار سے ایک قبیح خصلت ہے)

"ازالہ اشکال"

____ اعتراض کو حل کرنے کے لئے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان پر توجہ کر لینے سے طعن مذکورہ بالا زائل ہو جائے گا۔

ان شاء اللہ تعالیٰ

اولاً ____ اصل واقعہ ہذا دیگر روایات میں اس طرح مذکور ہے کہ .... ابن عباسؓ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

.... قال اذھب فادع لی معاویۃ و کان کاتبہ قال فسعیت فقلت اجب نبی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم فانہ علی حاجتہ'' ؎

یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کو فرمایا کہ جاؤ معاویہؓ کو میرے لئے بلا لاؤ۔ معاویہؓ آنجناب صلعم کے کاتب اور منشی تھے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں میں دوڑ کر گیا اور امیر معاویہؓ کو جا کر میں نے کہا کہ آنجناب صلعم آپ کو بلاتے ہیں جنابؐ کو ضرورت ہے آپ حاضر خدمت ہوں۔''

——— اس روایت میں اصل واقعہ کی نشاندہی اچھی طرح ہو گئی کہ :۔

۱ ——— ایک تو ابن عباسؓ کو بار بار روانہ کرنا اصل واقعہ میں شامل نہیں ایک دفعہ ہی آنجناب صلعم نے بھیجا ہے۔

۲ ——— کلمہ ''لا اشبع اللہ بطنہ'' کا فرمان بھی اصل واقعہ میں مذکور نہیں۔ بلکہ بعد میں رواۃ کی طرف سے اضافہ شدہ جملہ ہے۔

———روایت ہذا کے ذریعے ان ہر دو چیزوں کی سراغ رسانی ہوئی اور معلوم ہوا کہ اصل واقعہ اسی قدر ہے جتنا کہ مسند احمدؒ کی روایت میں مذکور ہے۔ لیکن بعض راویوں نے اس کو بڑھا کر طعن کی شکل میں ذکر کر دیا اور تعبیر راوی نے بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

ثانیاً———

زیر بحث روایت میں مذکورہ تصرفات جس راوی کی طرف سے پائے گئے ہیں اس کا نام ''عمران بن ابی عطاء الاسدی الواسطی القصاب ابو حمزہ'' ہے۔ اس راوی پر علماء رجال نے نقد اور کلام کر دیا ہے۔

۱ مسند امام احمدؒ صفحہ ۲۹۱ / ج اول تحت مسندات ابن عباسؓ

ب مسند امام احمدؒ صفحہ ۳۳۵ / ج اول تحت مسندات ابن عباسؓ طبع مصر

مثلاً:-

۱۔ قال ابو زرعتہ لین وقال العقیلی لا یتابع علی حدیثہ.... ھو ضعیف۔[۱]

۲۔ قال ابوزرعتہ لین و ذکر لہ عقیلی حدیثا استنکرہ"۔[۲]

۳۔ عن ابن عباس لا یتابع علی حدیثہ ولا یعرف الا بہ۔"[۳]

حاصل یہ ہے کہ ابو زرعۃ کہتے ہیں کہ یہ شخص کمزور ہے عقیلی کہتے ہیں کہ اس کی حدیث پر متابعت نہیں پائی گئی---- یہ ضعیف ہے ابن عباسؓ سے جو اس نے روایت نقل کی ہے اس پر اس کا کوئی متابع نہیں ملا۔ اور یہ روایت اس کے سوا کسی دوسرے سے معلوم نہیں ہو سکی۔

---- امام النواویؒ نے بھی اس چیز کو درج ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے

---- ولیس لہ عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر ھذا الحدیث .... ھذا القصاب فلہ فی مسلم ھذا الحدیث وحدہ ولا ذکر لہ فی البخاری"۔[۴]

۴۔ جستجو کرنے سے مزید یہ تصریح بھی دستیاب ہو گئی ہے کہ حضرت معاویہؓ پر پرخوری کا طعن اولاً قائم کرنے والے اور اس "کار خیر" کے نشر کرنے والے یہی بزرگ ہیں اور یہ ان کا متفردانہ قول ہے اور راوی کا متفرد قول قابل اعتناء نہیں ہوتا۔

چنانچہ بلاذری نے اس کی نشاندہی کی ہے لکھتے ہیں کہ:-

---- قال ابو حمزہ فکان معاویتہ بعد ذالک لا یشبع۔"[۵]

---- مسئلہ صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ اصل طعن ثبت کرنے والے یہی بزرگ ہیں اسی بنا پر علماء کبار نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں اس کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔ یہ شخص ضعیف ہے۔ اور یہ ابن عباسؓ سے نقل کرنے میں متفرد ہے۔ اور مسلمؒ نے اس کی دیگر حدیث

۱ میزان الاعتدال للذہبیؒ ص ۲۳۹ / ج ۳ تحت عمران بن ابی عطاء (طبع بیروت)

۲ المغنی للذہبیؒ صفحہ ۴۷۹ / ج ۲ تحت عمران بن ابی عطاء (طبع بیروت)

۳ کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی صفحہ ۲۹۹ / ج ۳ (طبع جدید) تحت عمران بن ابی عطاء ابو حمزہ القصاب

۴ شرح مسلم للنواوی صفحہ ۳۲۵ / ج ۲ تحت باب من لعنہ النبی صلعم اوسبہ .... الخ (طبع دہلی)

۵ انساب الاشراف للبلاذری صفحہ ۱۰۶ / ج ۴ ق ۱ تحت ترجمہ معاویتہ بن ابی سفیانؓ طبع یروشلم

نہیں لی۔ اور امام بخاریؒ نے اس کو ذکر نہیں کیا[1]

بصورت دیگر

——— اگر بالفرض روایت پر نقد اور تنقید سے قطع نظر کر لیا جائے اور اس جملہ کو برحال رکھا جائے تاہم اس جملہ کو بددعا پر محمول کرنا مناسب نہیں بلکہ اس کے لئے دیگر محامل ہو سکتے ہیں۔ اس کی خاطر معروضات ذیل پر نظر فرمائیں :۔

۱ ——— حضرت سیدنا معاویہؓ کے حق میں جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا امام بخاریؒ نے تاریخ الکبیر میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

——— **کان معاویۃ ردف النبی صلی اللہ علیہ فقال یا معاویۃ! ما یلینی منک؟ قال بطنی۔ قال اللھم املاہ علما و حلما**"[2]

یعنی ایک دفعہ امیر معاویہؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلف میں ایک سواری پر سوار ہو کر تشریف لے جا رہے تھے تو آنجناب صلعم نے انہیں ارشاد فرمایا کہ آپ کے جسم کا کون سا حصہ میرے قریب تر ہے؟ تو امیر معاویہؓ نے عرض کیا کہ میرا شکم آپ صلعم کے نزدیک ہے اس وقت آنجناب صلعم نے فرمایا اے اللہ! اسے علم اور حلم (بردباری) سے پر فرما دے۔

——— اس روایت میں حضرت معاویہؓ کے بطن کے لئے علم و حلم کی دعائے خیر فرمائی گئی ہے۔ یہ مذکورہ بالا روایت کے بالمقابل ہے کیونکہ اسی بطن کو اس روایت میں بددعا دی جا رہی ہے اور روایت ہذا میں اسی بطن کو علم و حلم سے پر کرنے کی دعا فرمائی ہے۔

روایات کا تقابل خود اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں حقیقتاً "بددعا مقصود نہیں۔

۲ ——— نیز کسی مسلمان کو بد دعا دینا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت مبارک کے خلاف ہے۔ آنجناب صلعم عموماً دعا ہی دیا کرتے تھے۔

۳ ——— بلا قصور اور بغیر کسی غلطی کے بددعا کرنا شان نبوت کے برخلاف ہے۔ لہٰذا

۱ شرح مسلم للنوادی صفحہ ۳۲۵ / ج ۲ باب من لعنہ النبیؐ او سبہ او دعا علیہ"

۲ التاریخ الکبیر للبخاریؒ صفحہ ۱۸ / ج ۴ ق ۲ باب وحشی (وحشی الحبشی) مولی جبیر بن مطعم

خصوصاً فعل مباح پر بددعا کرنا تو عجیب تر بات ہے۔

وجہ یہ ہے کہ کھانے میں دیر لگانا نہ شرعاً برا ہے اور نہ اخلاقاً ناروا ہے ایک فعل مباح پر ایسے زجر کے کلمات فرمانا عام دستور مبارک کے خلاف ہے۔

۴ ـــــ کبار محدثین نے اس نوع کے کلمات کے محامل ذکر کرتے ہوئے ان کو زبان زد محاورات اور غیر ارادی کلمات کے درجہ میں شمار کیا ہے۔

اہل لسان کے نزدیک ایسے کلمات بغیر قصد کے متکلم سے صادر ہوتے ہیں اور ان سے لغوی معانی مقصود نہیں ہوتے مثلاً

ثقلتک امک۔ عقری و حلقی۔ تربت یداک۔ علی رغم انفک وغیرہ وغیرہ ان کلمات میں بددعا مقصود نہیں ہوتی۔ اسی نوع کے کلمات میں لا اشبع اللہ بطنہ کو داخل کیا جاتا ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں :۔ **ھذا دعاء لا یراد وقوعہ بل عادۃ العرب التکلم بمثلہ علی سبیل التلطف...... ثم ھذا و امثال ذالک مثل تربت یداہ و ثقلتہ امہ مما یقع فی کلامہم للدلالۃ علی تھویل الخبروان ماسمعہ لا یوافقہ لا للقصد الی وقوع مدلولہ الاصلی والدلالۃ علی التماسہ**"[۱]

شرح مسلم للنواوی[۲] اور تطہیر الجنان[۳] لابن حجر المکی میں یہی مضمون منقول ہے۔

ـــــ نیز ملا علی قاری نے شرح مشکوۃ میں "**ثقلتک امک**" کے تحت یہ چیز ذکر کی ہے......

ـــــ **ای فقد تک امک وھو دعاء علیہ بالموت علی ظاہرہ ولا یراد وقوعہ بل**

۱ مرقات المفاتیح مشکوۃ شرح صفحہ ۳۷۲ / ج ۵ باب خطبۃ یوم النحر الفصل الاول (طبع ملتان)

۲ شرح مسلم للنواوی صفحہ ۳۲۵ / ج ۲ باب من لعنہ النبی صلعم اوسبہ.... الخ (طبع دہلی)

۳ تطہیر الجنان لابن حجر المکی (معہ الصواعق المحرقۃ) صفحہ ۲۹ الفصل الثالث فی الجواب عن امور.... الخ

ھو تادیب و تنبیہ من الغفلتہ و تعجب و تعظیم للامر" ۱

—— یعنی بظاہر تو یہ کلمات "موت کی بد دعا" ہیں لیکن متکلم کے نزدیک اس کا وقوع مراد نہیں ہوتا بلکہ اس قسم کی تادیب اور غفلت سے تنبیہہ ہوتی ہے اور معاملہ کو قابل تعجب اور بڑا جتلانا مقصود ہوتا ہے۔

—— مطلب یہ ہے کہ "لا اشبع اللہ بطنہ کے کلمات بھی بطور تنبیہہ یا تعجب وغیرہ کے ہیں ان سے بد دعا مراد نہیں۔

۵ —— نیز محدثین کرام اس روایت کی ایک عمدہ توجیہہ ذکر کرتے ہیں اور وہ دیگر صحیح روایات کی روشنی میں بالکل درست ہے وہ اس طرح ہے کہ:۔

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں انسان ہوں اور لوگوں کے ساتھ بعض دفعہ راضی ہوتا ہوں اور بعض اوقات ناراض ہو جاتا ہوں۔ اور سخت کلمات بھی صادر ہو جاتے ہیں۔ تو میں نے اپنے رب تعالٰی کے ساتھ شرط کر رکھی ہے کہ

.... فایما احد دعوت علیہ من امتی بدعوۃ لیس لھا باہل ان تجعلھا لہ طھورا و زکاۃ و قربتہ تقربہ بھا منہ یوم القیامتہ" ۲

یعنی فرمایا کہ میری امت میں سے جس کے خلاف میں ایسے کلمات کہہ دوں جن کا وہ مستحق نہیں ہے تو اے اللہ! (ایسی صورت میں) ان کلمات کو اس شخص کے حق میں پاک اور صاف کر دینے والے بنا دے اور قیامت کے دن ان کی نزدیکی اور تقرب کا باعث بنا دے

۱ مرقاۃ شرح مشکوۃ علی بن سلطان محمد القاری صفحہ ۱۰۶/ ج اول تحت لفظ "ثقلتک امک کتاب الایمان الفصل الثانی"

۲ ۱ مسلم شریف صفحہ ۳۲۴/ ج ۲ باب من لعنہ النبی صلعم او سبہ او دعا علیہ .... الخ

۲ مسند ابی یعلی الموصلی صفحہ ۸۹/ ج ۲ تحت مسندات ابی سعید الخدری

۳ شرح مسلم للنواوی صفحہ ۳۲۵/ ج ۲ تحت الحدیث

۴ اکمال اکمال المعلم شرح مسلم صفحہ ۴۷/ ج ۷ باب دعاۃ صلعم لمن دعا علیہ .... الخ

۵ تطھیر الجنان لابن حجر المکی صفحہ ۲۹ الفصل الثالث فی الجواب عن امور طعن علیہ .... الخ

۶ الناھیتہ عن طعن معاویتہ صفحہ ۳۵ تحت جواب طعن ثانی۔ طبع ملتان

—— پس فرمان ہذا کے اعتبار سے اگر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے بالفرض بدعا کے طور پر یہ مذکورہ جملہ (لا اشبع اللہ بطنہ) ارشاد فرمایا تو پھر بھی وہ حضرت معاویہؓ کے لئے باعث تطہیر ہوا۔ اور قیامت میں تقرب کا سبب بنے گا۔

بہرکیف محدثین کرام نے اس مقام میں واضح الفاظ میں تصریح کر دی ہے کہ :۔

ان هذا الحديث من مناقب معاوية الجليلة لانه بان بما قررته انه دعاء لمعاوية رضی اللہ عنہ لا علیہ وبہ صرح الامام النواوی۔" [۱]

یعنی یہ مذکورہ حدیث معاویہؓ کے حق میں گراں قدر مناقب میں سے ہے۔ کیونکہ (جیسا کہ ہم نے اس کی تشریح لکھی ہے) یہ ان کے حق میں دعائے خیر ہے نہ کہ بد دعا۔ امام نواوی نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔ اور یہ دیگر شارحین مسلم شریف نے اسی طرح تحریر کیا ہے۔

۶ ——ناظرین کرام توجہ فرمائیں کہ اصل واقعہ جو روایت میں مذکور ہے اس سے تو حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں "اعتماد نبوی" اور "امانت داری" عمدہ طریقہ سے ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ ان کی کمال خوش نصیبی ہے کیونکہ حضرت معاویہؓ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کتابت و انشاء کی خدمات جلیلہ سرانجام دیتے تھے اور اسی سلسلہ میں اس موقع پر بھی بلائے گئے۔

لیکن مخالفین نے الٹا اس واقعہ کو اعتراض کی شکل دے دی اور اس سے "پرخوری" کا طعن تجویز کر لیا۔ (فیا للعجب) سچ ہے کہ :۔

ہنر بچشم عداوت بزرگ ترعیب است"

[۱] تطهير الجنان واللسان (مع الصواعق المحرقة) لابن حجر المكی ص ۲۹ تحت الفصل الثالث

بسر بن ارطاۃ کے مظالم کے متعلقات

——— اعتراض قائم کرنے والے احباب بسر بن ارطاۃ کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے اس موقعہ پر درج ذیل واقعہ لکھتے ہیں۔

——— حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف سے علاقہ حجاز و یمن پر آپ کے چچا زاد برادر عبیداللہ بن عباس حاکم تھے۔ اسی دوران حضرت معاویہؓ نے بسر بن ارطاۃ کو اسی علاقہ کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ جب بسر بن ارطاۃ اس علاقہ میں پہنچا تو اس نے بہت مظالم کئے اور کئی لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ عبیداللہ بن عباس اس کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور کوفہ چلے گئے تو بسر بن ارطاۃ نے ان کے دو صغیر السن فرزندوں عبدالرحمٰن اور قثم کو قتل کر ڈالا جن کا کوئی قصور نہ تھا۔

حضرت معاویہؓ نے بسر بن ارطاۃ کے مظالم پر کوئی کاروائی نہیں کی اور اسے کوئی سزا نہیں دی۔ اس طرح انہوں نے اپنے حکام و ولاۃ کو قانون سے بالاتر قرار دے رکھا تھا اور قانون کی بالا تری کا خاتمہ کئے ہوئے تھے۔

"شبہ کا ازالہ"

——— مندرجہ بالا اعتراضات کو صاف کرنے کے لئے مندرجہ ذیل چیزوں پر نظر فرمائیں امید ہے کہ ان شبہات کا ازالہ ہو سکے گا۔

——— جس دور میں یہ واقعات مذکورہ بالا پیش آئے ہیں۔ وہ ایک ابتلائی دور تھا اور اس میں ہر ایک فریق دوسرے سے مسابقت اور تجاوز کرنے کی کوشش میں تھا ہر دو فریق ایک دوسرے کے علاقہ پر اپنے ہم نوا لوگوں کی حمایت پر زور دے رہے تھے ان حالات میں بعض دفعہ زیادتیوں اور مظالم کا پایا جانا ایک فطرتی امر ہے اور ہر ایک فریق سے اس نوع کی ناروا کاروائیوں کا صادر ہونا کچھ بعید نہیں۔

نیز یہ چیز بھی ہے کہ بسر بن ارطاۃ وغیرہ کے مظالم جو معترض دوستوں نے ذکر کئے ہیں اسی نوع کے واقعات حضرت علی المرتضیٰؓ کی جماعت کی طرف سے بھی بعض اوقات پائے گئے ہیں۔ اور ان لوگوں کے تجاوزات اور زیادتیوں پر حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف سے کوئی گرفت اور مواخذہ کا ذکر ہماری معلومات کی حد تک نہیں پایا جاتا۔ مورخین نے اس نوع کے

چند ایک واقعات نقل کئے ہیں۔ ان پر نظر فرمالیں۔

(۱)

مثلاً مورخین نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے جو بنی فزارہ کے ایک شخص کے قتل کے متعلق ہے واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے خصوصی معاون الاشتر نے لوگوں کو اہل شام کے خلاف قتال پر آمادہ کرنا چاہا تو بنی فزارہ کے ایک شخص اربد نے اس معاملہ میں مخالفت کی اس پر اشتر اٹھ کھڑا ہوا اور لوگوں سے کہا کہ الفزاری کو پکڑو جانے نے پائے۔ اربد بھاگ کھڑا ہوا اور بازار کے ایک مکان میں جا داخل ہوا۔ اشتر کے آدمیوں نے اسے وہاں جالیا اور لاتوں مکوں اور تلوار کی میانوں سے خوب مارا حتی کہ وہ ہلاک ہو گیا جب حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کیا گیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟ تو عرض کیا گیا کہ اسے ہمدانیوں نے قتل کیا اور کچھ دوسرے لوگ بھی شامل تھے۔ آپؓ نے فرمایا یہ بلوہ میں قتل ہوا ہے اور اس کا قاتل مشتبہ ہے متعین نہیں چنانچہ اس کی دیت مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کی جائے۔

مشہور شیعی مورخ نصر بن مزاحم کہتا ہے کہ :........ **فقام الاشتر فقال من لهذا ایها الناس! وهرب الفزاری و اشتد الناس علی اثره فلحق بمکان من السوق تباع فیه البراذین فوطوه بارجلهم و ضربوه بایدیهم و نعال سیوفهم حتی قتل فاتی علی فقیل یا امیر المومنین قتل الرجل قال و من قتله؟ قالوا قتلته همدان و فیهم شوبته من الناس فقال قتیل عمیته لا یدری من قتله دیته من بیت مال المسلمین" ۔**[۱]

(۲)

اسی طرح مورخین لکھتے ہیں کہ بصرہ کے علاقہ سے جب عبداللہ بن عباس کوفہ کی طرف تشریف لے گئے تو زیاد کو اپنا قائم مقام چھوڑا۔ اسی دوران حضرت معاویہؓ کی طرف سے عبداللہ بن عمرو الحضرمی ایک مکتوب اہل بصرہ کے لئے لایا جس میں ان کو عمرو بن العاصؓ کے

[۱] وقعتہ الصفین لنصر بن مزاحم المنقری الشیعی الرافضی صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶ طبع مصر (تحت مقتل اربد الفزاری خطبتہ الاشتر)

ساتھ تعاون کا جو اقرار تھا اس کی طرف دعوت دی گئی تھی۔ عبداللہ بن عمرو الحضرمی حضرت معاویہؓ کا یہ مکتوب لے کر بصرہ میں بنی تمیم کے ہاں آکر ٹھہرا۔ اور انہوں نے اسے پناہ دی اس دوران زیاد کے ساتھ بنی تمیم کا تنازع اور معارضہ ہوا جس میں بنی تمیم کا ایک شخص مارا گیا۔ زیاد نے ان حالات سے حضرت علی المرتضٰی کو آگاہ کیا۔

.... فبعث عند ذالک علی جاریہ بن قدامتہ التمیمی فی خمسین رجلا الی قومہ بنی تمیم......... وقصدہ جاریتہ فحصرہ فی دار ھو و جماعتہ معہ......... فحرقھم بالنار......... ؎۱

یعنی علی المرتضٰیؓ نے جاریہ بن قدامہ تمیمی کو اس کی قوم کی طرف پچاس آدمیوں کے ہمراہ بھیجا تاکہ بنی تمیم عبداللہ بن عمرو الحضرمی کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں۔ مگر بنی تمیم اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور ابن الحضرمی کی حمایت پر قائم رہے۔ اس وقت جاریہ بن قدامہ نے الحضرمی اور اس کے ساتھیوں کا ایک دار میں محاصرہ کر لیا (بعض کہتے ہیں کہ وہ چالیس افراد تھے اور بعض کے نزدیک ان کی تعداد ستر تھی) اور ان تمام کو آگ میں جلا دیا۔ اور علامہ ذھبی نے بھی اس واقعہ کو بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے......... **فاحرق علیہ الدار فاحترق فیھا خلق۔**" ؎۲ یعنی جس دار میں عبداللہ بن عمرو الحضرمی اور اس کے ساتھی تھے اس کو جاریہ بن قدامہ نے جلا ڈالا اور ایک مخلوق اس میں جل کر راکھ ہو گئی۔

(۳)

فتنہ اور ابتلائی دور کا ایک اور مشہور واقعہ مورخین اس طرح ذکر کرتے ہیں (جس طرح کہ سوال میں معترض نے ذکر کیا) کہ حضرت معاویہؓ نے بسر بن ارطاۃ کو علاقہ حجاز کا حاکم بنا کر روانہ کیا جب یہ یمن پہنچا تو عبیداللہ بن عباس والی یمن سے معارضہ ہوا۔ عبیداللہ بن عباس مقابلہ کی تاب نہ لا کر کوفہ چلے گئے۔ بعد میں بسر بن ارطاۃ نے کئی مظالم کئے حتی کہ بقول مورخین اس نے عبیداللہ بن عباس کے دو صغیرالسن فرزندوں عبدالرحمٰن اور قثم کو قتل کر ڈالا۔

۱ البدایہ لابن کثیر صفحہ ۳۱۶ / ج ۷ تحت واقعہ ہذا سہ ۳۸ ھ

۲ تاریخ الاسلام للذھبی صفحہ ۲۱۴ / ج ۲ تحت ترجمہ جاریتہ بن قدامتہ

بسر کے مقابلہ اور جوابی کاروائی کے لئے حضرت علی المرتضیٰؓ نے جاریۃ بن قدامۃ کو روانہ کیا۔

طبری لکھتے ہیں.......... **فسار جاریۃ حتی اتی نجران فحرق بہا واخذنا سلمن شیعۃ عثمان فقتلھم و ھرب بسر و اصحابہ منہ و اتبعھم حتی بلغ مکۃ۔**" ۱

یعنی جب جاریہ بن قدامہ نجران پہنچا تو اس نے وہاں لوگوں کو جلا ڈالا اور حضرت عثمانؓ کے بے شمار حامیوں کو پکڑ کر قتل کر ڈالا بسر اور اس کے ساتھی مکہ کی طرف بھاگ گئے جاریہ نے ان کا مکہ تک تعاقب کیا

اور الذھبی نے اس چیز کو بالفاظ ذیل درج کیا ہے

لبعث جاریۃ ہذا فجعل لا یجد احدا خلع علیا الا قتلہ و حرقہ بالنار حتی انتھی الی الیمن فسمی محرقا۔" ۲

یعنی حضرت علیؓ نے اس موقعہ پر جاریہ بن قدامہ کو روانہ فرمایا جاریہ یمن پہنچا جس شخص کو بھی حضرت علیؓ سے منحرف معلوم کرتا اس کو قتل کر دیتا تھا اور آتش میں جلا دیتا تھا اس بنا پر لوگ جاریہ کو محرق کہنے لگے (یعنی جلا ڈالنے والا)

جاریہ بن قدامہ کے اس قتل عام اور مظالم کو قدیم شیعہ مورخین یعقوبی و مسعودی وغیرہ نے بھی اپنے انداز میں ذکر کیا ہے

وقتل من اصحابہ خلقا و اتبعھم یقتل و اسر حتی بلغ مکۃ۳ یعنی بسر کے حامیوں کی ایک بڑی جماعت کو جاریہ نے قتل کیا اور قید کیا اور یہ سلسلہ اس نے جاری رکھا حتی کہ مکہ پہنچا۔

۱ التاریخ لابن جریر الطبری ۸۰، ۸۱ / ج ۶ تحت توجیہ معاویۃ بسر بن ارطاۃ سنہ ۴۰ ھ

۲ البدایہ صفحہ ۳۲۲ جلد سابع تحت سنۃ اربعین

۲ تاریخ الاسلام للذھبی صفحہ ۲۱۴ / ج ۲ (سنہ ۵۰ ھ) تحت تراجم اہل ھذہ الطبقۃ ترجمہ جاریۃ بن قدامۃ

۳ تاریخ یعقوبی الشیعی صفحہ ۱۹۹ / ج ۲ تحت حالات بسر بن ارطاۃ

۴ مروج الذھب للمسعودی الشیعی ص ۳۱ / ج ۳ تحت ذکر ایام معاویہ سفیان بن

مدینہ میں فساد

جاریہ بن قدامہ حسب معمول قتل و غارت کرتا ہوا مدینہ شریف پہنچا۔ یہاں ان ایام میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نماز پڑھایا کرتے تھے۔ جاریہ کے قتل و غارت کے متعلق سن چکے تھے اس لئے جب جاریہ بن قدامہ وہاں پہنچا تو آپؓ مدینہ شریف سے فرار ہو گئے۔ جب جاریہ کو آپ کے فرار کی خبر ملی تو وہ کہنے لگا اگر میں ابو سنور (ابو ہریرۃؓ) پر قابو پا لیتا تو اس کی گردن اڑا دیتا۔

جاریہ نے اہل مدینہ سے کہا کہ جناب حسن بن علیؓ کے لئے بیعت کرو چنانچہ لوگوں نے اس کے حکم پر بیعت کی پھر یہ مدینہ شریف سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد حضرت ابو ہریرۃؓ واپس تشریف لائے اور حسب معمول نمازیں پڑھانے لگے۔

تاریخ طبری میں ہے کہ .... **ثم سار حتی اتی المدینۃ و ابو ہریرۃ یصلی بھم فھرب منہ فقال جاریۃ واللہ لو اخذت ابا سنور لضربت عنقہ ثم قال لاھل المدینۃ بایعوا الحسن بن علی فبایعوہ و اقام یومہ ثم خرج منصرفا الی الکوفۃ و عاد ابو ہریرۃ فصلی بھم۔**"[۱،۲]

نتائج و فوائد

گزشتہ واقعات کی روشنی میں مندرجہ ذیل چیزیں ثابت ہوتی ہیں بنی فزارہ کے ایک شخص اربد کا قتل اشتر النخعی کے لوگوں کو برانگیختہ کرنے پر وقوع پذیر ہوا۔ حالانکہ وہ گردن زدنی سزا کا مستحق نہیں تھا۔

پھر اس کی دیت کا مسئلہ آیا تو قتل پر ابھارنے والوں اور قتل کرنے والوں سے دیت نہیں دلوائی گئی بلکہ مسلمانوں کے بیت المال سے دلوائی گئی۔ لیکن اسی نوع کا معاملہ اگر حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں پایا جاتا ہے اور معاملہ مشتبہ ہونے کی بنا پر دیت مسلمانوں کے بیت المال سے دلوائی جاتی ہے تو معترضین حضرت معاویہؓ پر بیت المال سے دیت ادا کرنے کا طعن

۱۔ تاریخ لابن جریر طبری صفحہ ۸۱ / ج ۲ تحت توجیہ معاویۃ بسر بن ارطاۃ (سنہ ۴۰ھ)

۲۔ البدایہ لابن کثیر صفحہ ۳۲۲ / ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ

قائم کرتے ہیں اور حضرت علی کی طرف سے چشم پوشی اختیار کی جاتی ہے در اصل حضرت معاویہؓ پر بھی طعن قائم نہیں کیا جانا چاہئے جس طرح کہ حضرت علیؓ پر اس مقام میں کوئی اعتراض نہیں۔ اس موقعہ کے واقعات کو ان حضرات کی صوابدید پر چھوڑنا مناسب ہے۔

عبداللہ بن عمرا لحضرمی کے واقعے میں ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ بنی تمیم کا عمرو بن العاصؓ کے ساتھ عہد کا مسئلہ تھا جو بظاہر حضرت علیؓ کے خلاف تھا لیکن وہ اس کا خلاف نہیں کرنا چاہتے تھے تو حضرت علی المرتضیٰ کے فرستادہ شخص جاریۃ بن قدامہ نے کم و بیش چالیس یا ستر آدمیوں کا محاصرہ کر کے جلا ڈالا اور بقول بعض مورخین ایک بڑی مخلوق کو نذر آتش کر دیا مختصر یہ کہ بنی تمیم کا نظریاتی اختلاف تھا حضرت علیؓ کے خلاف رائے رکھتے تھے اسلام میں اس جرم کی سزا کیا احراق و تحریق ہے

یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ اپنی جگہ پر ایک بڑا سنگین واقعہ ہے۔

اس میں بھی مورخین کے قول کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ نے نہ ہی اس شخص (جاریہ بن قدامہ) سے باز پرس کی نہ کوئی سزا دی اور نہ ہی اسے معزول کیا۔

اسی طرح کا مسئلہ اگر حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں پیش آ جائے تو معترض احباب طعن و تشنیع کرتے کرتے آسمان پر پہنچتے ہیں آخر اس یکطرفہ طریق کار کی وجہ کیا ہے؟

تیسرا واقعہ بسر بن ارطاۃ کے مقابلہ کے لئے جاریہ بن قدامہ کا علاقہ یمن میں پہنچنا اور لوگوں کو جلا ڈالنا اور شیعان عثمانؓ کو پکڑ کر قتل کر ڈالنا یہ اپنی جگہ اگرچہ جوابی کارروائی ہے مگر شیعان عثمانؓ کو بے دریغ جلانا اور قتل کر ڈالنا جاریہ بن قدامہ کے مظالم اور تجاوزات سے ہیں جن پر حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف سے کوئی محاسبہ یا گرفت اور کوئی سزا یا سرزنش ہمارے مطالعہ کی حد تک مورخین نے ذکر نہیں کی۔

مدینہ شریف میں حضرت ابو ہریرۃؓ کے خلاف جاریہ بن قدامہ کا یہ کہنا کہ اگر میں اس پر قابو پالیتا تو گردن اڑا دیتا یہ گردن اڑا دینا آپؓ کے کون سے جرم کی شرعی سزا ہے؟

بسر بن ارطاۃ کے مظالم ذکر کرنے والے حضرات کو جاریہ بن قدامہ کے اس قسم کے تجاوزات اور مظالم کیا نظر نہیں آتے؟ اور اشتر النخعی کے تجاوزات اور اس کی چیرہ دستیاں معترض احباب کو فراموش ہو جاتی ہیں؟ جو مورخین نے ذکر کی ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنی فطرت سے مجبور ہیں تو ان کو دونوں طرف نظر ڈالنی چاہئے اور طعن کے معاملہ میں ان کو توازن

قائم رکھنا چاہئے۔ ہمارا مشورہ تو معترض احباب کے لئے یہ ہے کہ دونوں جانب پر اعتراض کرنے سے اجتناب کریں اور ان لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔

الانتباہ

ماقبل میں ناظرین نے تاریخی روایات کی روشنی میں چند واقعات ملاحظہ کر لیے۔ اسی قسم کے متعدد واقعات دونوں فریق کے خلاف اعتراضات قائم کرنے کے لئے تاریخ میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔

لیکن اس مقام میں ہمارا موقف اور مسلک یہ ہے کہ ہم ایسے تاریخی واقعات کو جو کسی طرح بھی صحابہ کرامؓ کی دیانت عظمت اور علو مرتبت کے منافی ہوں اور ان سے عیب اور تنقیص کا پہلو نکلتا ہو کسی صورت میں بھی صحیح نہیں سمجھتے خواہ وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعلق ہوں یا وہ حضرت معاویہ کے لئے ہوں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کا مقام اس نوع کی تاریخی روایات سے بالاتر ہے اور ان سے صحابہ کے دینی وقار کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔

تنبیہ

معترض احباب نے مذکورہ واقعہ کو بڑی اہمیت دی ہے جس میں عبیداللہ بن عباس کے صغیرالسن فرزندوں (عبدالرحمن اور قثم) کو قتل کر دینا مذکور ہے۔ اس کے متعلق ہم یہاں چند چیزیں ذکر کرنا چاہتے ہیں جس سے اس واقعہ کا بے اصل ہونا واضح ہو جائے گا۔

(۱)

(ا)——— پہلی یہ چیز ہے کہ اکابر مورخین نے اس مقام میں بسر کے حالات کو تو ذکر کیا ہے مگر بچوں کا یہ قتل بالکل ذکر نہیں کیا۔

(الف)——— تاریخ خلیفہ ابن خیاط تحت سنہ ۴۰ھ تحت واقعہ ہذا

(ب)——— طبقات ابن سعد جلد سابع قسم ثانی تحت بسر بن ارطاۃ

(ج)——— نسب قریش لمصعب الزبیری تحت حالات عبیداللہ بن عباس

(د)——— الاصابۃ لابن حجر ص ۴۳۰-۴۳۱ جلد ثانی تحت عبیداللہ بن عباس

مندرجہ بالا اکابر مورخین و محدثین نے بسر کا واقعہ ہذا اور عبیداللہ بن عباس کا عامل یمن ہونا وغیرہ تحریر کیا ہے مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی فرزندوں کے قتل کا واقعہ ذکر نہیں کیا حالانکہ ایسے دردناک واقعہ کا ذکر کرنا نہایت اہم اور ضروری تھا۔

(۲)۔۔۔۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ اس واقعہ کو نقل کرنے والوں میں اونچا بزرگ ابن جریر طبری ہے جس نے ۴۰ ھ کے تحت بچوں کے قتل کا یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ اور طبری نے روایت ہذا کی جو سند ذکر کی ہے (**عن زیاد بن عبداللہ البکائی عن عوانہ قال ارسل معاویۃ**) اس میں واضح انقطاع پایا جاتا ہے مذکورہ رواۃ میں سے عوانہ (ابن الحکم) کی وفات بقول بعض مورخین ۱۴۷ ھ اور بقول حافظ ابن حجر ۱۵۸ میں ہے جبکہ واقعہ ہذا بقول طبری ۴۰ھ میں پیش آیا ظاہر ہے کہ عوانہ اس کے بعد ایک سو سات سال اور زندہ رہا اگر یہ نہیں تو پھر عوانہ مذکور اس واقعہ کے حاضرین میں سے یا اس کے براہ راست ناقلین میں سے نہیں ہے۔ فلہذا ایسی منقطع روایت سے واقعہ کا اثبات اور پھر اس سے اعتراض کا تیار کرنا درست نہیں۔

۔۔۔۔ اس انقطاع کے دوران میں معلوم نہیں کس قسم کے لوگ واقعہ کو نقل کرنے والے ہیں۔ بنا بریں ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

(۳)

۔۔۔۔ پھر اس کے بعد قابل ذکر چیز یہ ہے کہ ابن جریر طبری اور اس سے ناقلین نے اس واقعہ کو بڑی آب و تاب سے ذکر کیا ہے لیکن ابن کثیر جیسے کبار علماء نے اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد یہ بھی لکھ دیا ہے کہ :۔

۔۔۔۔ ھذا الخبر مشھور عند اصحاب المغازی والسیر وفی صحتہ عندی نظر۔۔۔۔ واللہ تعالی اعلم [۱]

یعنی حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ (فرزندوں) کے قتل کی خبر اگرچہ علمائے مغازی و سیر کے ہاں شہرت یافتہ ہے لیکن میرے نزدیک اس کا صحیح ہونا مشتبہ اور قابل تامل ہے"

۔۔۔۔ وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ کے ناقلین میں ابن جریر الطبری ہے (جیسا کہ اوپر ذکر ہوا) اور ابن الانباری، المبرد، ابن الکلبی اور ابن الوردی اور المدائنی

[۱] البدایہ لابن کثیر صفحہ ۳۲۲ / ج ۷ تحت سنتہ اربعین تحت واقعات ہذا

وغیرھم اس قسم کے واقعات کو نقل کرنے والے ہیں۔

یہ لوگ اس قسم کے بے اصل قصہ جات کو بہت بنا سجا کر نقل کیا کرتے ہیں اور ان لوگوں کی اس نوع کی روایات پر اخباری لوگ ہی اعتماد کر سکتے ہیں۔ محدثین اور اہل دین ان کی اس نوع کی مرویات پر اعتماد نہیں کرتے۔ اور نہ ہی قابل وثوق سمجھتے ہیں

(۳)

(۱)------ اور یہاں یہ چیز قابل غور ہے کہ جس وقت سیدنا علی المرتضیٰؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اسی سال ۴۰ھ میں مصالحت ہوئی تھی اس وقت عبیداللہ بن عباسؓ کے فرزندوں کے ناحق قتل کے متعلق ان کے قصاص اور دیت وغیرہ کا مسئلہ کیوں پیش نظر نہیں رکھا گیا؟ اور اس کے تصفیہ کے بغیر صلح کیسے تسلیم کر لی گئی؟ حالانکہ یہ اس دور کا بڑا اہم اور سنگین معاملہ تھا۔

ناظرین کرام پر واضح رہے کہ اس مصالحت کا ذکر ہم قبل ازیں اپنی کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" ۱۶۶ پر کر چکے ہیں۔ اور حوالہ جات بھی وہاں لکھ دیئے ہیں۔ مورخین ابن جریر ابن اثیر ابن کثیر وغیرہ ان تمام لوگوں نے یہ مصالحت درج کی ہے۔

(۲)------ نیز یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت ۴۰ھ میں ہوئی اور اس کے بعد حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کی باقاعدہ صلح ربیع الاخر یا جمادی الاولی ۴۱ھ میں ہو گئی اور حضرت امام حسنؓ نے خلافت کا پورا معاملہ حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دیا۔ اس صلح میں جناب حسنؓ کی طرف سے بڑی اہم شرائط پیش کی گئیں۔ اس وقت بھی ان چچا زاد صغیر السن بچوں کے ناحق قتل پر دیت اور طلب قصاص وغیرہ کا کوئی مطالبہ پیش نہیں کیا گیا۔ حالانکہ عبیداللہ بن عباسؓ تاحال حضرت حسنؓ کی طرف سے بعض مقامات پر حاکم اور والی تھے بلکہ بقول ابن اثیر الجزری عبیداللہ بن عباس اس صلح میں خود حاضر تھے۔

"...... وانما کان الذی شھد صلح الحسن عبیداللہ بن عباس۔"[۱]

یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا اور ہرگز نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں تھا۔ اس پر گفتگو کے بغیر صلح کا معاملہ کس طرح طے کر لیا گیا؟ فافہم

۱ الکامل لابن اثیر الجزری صفحہ ۱۹۴ / ج ۳ تحت ذکر فراق ابن عباس البصرۃ

ایک لطیفہ

ــــ اس مقام میں شیعہ کے علماء رجال متقدمین و متاخرین نے عبیداللہ بن عباس کے متعلق ایک ایسا واقعہ ذکر کیا ہے جو کسی طرح بھی لطیفہ سے کم نہیں۔

شیعہ علما فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسنؓ نے اپنے دور خلافت میں اپنے چچا زاد برادر عبیداللہ بن عباس کو ایک پرچم دے کر بطور امیر جیش ایک مقام کی طرف روانہ فرمایا۔ جب امیر معاویہؓ کو معلوم ہوا کہ عبیداللہ فلاں مقام پر پہنچے ہیں تو آپ نے ایک لاکھ درہم عبیداللہ بن عباس کی طرف ارسال کیے۔ اس کے بعد عبیداللہ بن عباس وہی علم ساتھ لے کر حضرت معاویہؓ کی طرف چلے گئے اور ان کے ساتھ لاحق ہو گئے۔ اس حالت میں عبیداللہ بن عباس کا اپنا لشکر بغیر قائد و امیر کے رہ گیا۔

"...... فبعث الیہ معاویۃ بمائۃ الف درھم فمر با لرایۃ ولحق بمعاویۃ وبقی العسکر بلا قائد ولا رئیس۔" ؎ ۱

ہم اس بات کی طرف نہیں جاتے کہ شیعہ علماء نے کس انداز سے اکابر ہاشمی حضرات کی کردار کشی کی ہے اور ان کے مقام اخلاق کو کس طرح گرایا ہے۔ یہ مسئلہ ان کے سپرد ہے۔

ــــ ہم اس واقعہ سے یہ تائید حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ اگر عبیداللہ بن عباس کے فرزندوں کا ناحق قتل ہو چکا تھا اور امیر معاویہؓ کے کارندوں نے ہی کیا تھا تو پھر یہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ کیسے مل گئے؟ کیا ان کی دیانت اور اخلاق کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی؟ اور عزیز فرزندوں کے ناحق قتل کی کچھ اہمیت نہ تھی؟

(۴)

مزید قابل غور یہ بات بھی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کی حضرت حسنؓ کے ساتھ مصالحت کے بعد اکابر ہاشمی حضرات بمع عبداللہ بن عباس اور عبیداللہ بن عباس وغیرہ حضرت امیر معاویہؓ سے حسب دستور عمدہ تعلقات قائم رکھے ہوئے تھے ہاشمی حضرات حضرت امیر معاویہؓ کے ہاں آمدورفت رکھتے تھے ان کی طرف سے ہدایا و عطایا وصول کرتے تھے

(۱) رجال کشی صفحہ ۷۴ تحت عبیداللہ بن عباس ـ طبع قدیم بمبئی

۲ رجال مامقانی صفحہ ۲۳۹ جلد ثانی تحت عبیداللہ بن عباس ـ طبع اول طہران

——— یہ چیزیں بھی واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ عبیداللہ بن عباس کے فرزندوں کے قتل کا واقعہ بے اصل ہے اور تاریخی افسانہ کے درجہ میں ہے ———ناظرین کرام مطلع ہوں کہ اکابر ہاشمی حضرات کے حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ تعلقات کو ہم نے کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" کے ۱۸۷ سے لے کر ۲۰۹ تک ذکر کر دیا ہے تسلی کے لئے رجوع فرما سکتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ یہ واقعات بھی اس بات کا قرینہ ہیں کہ اگر کوئی اس قسم کا سفاکانہ و ظالمانہ قتل خصوصاً معصوم بچوں کا قتل ہو چکا تھا تو اس کو کیسے فراموش کر دیا گیا؟ اور اپنے مفادات کو مقدم رکھتے ہوئے مندرجہ نوعیت کے تعلقات کس طرح استوار کر لئے گئے؟ ناظرین کرام غور فرماویں

(۵)

——— نیز علمائے انساب نے ایک رشتہ ذکر کیا ہے جو عبیداللہ بن عباس اور حضرت معاویہؓ کے خاندان میں پایا جاتا ہے۔

وہ اس طرح ہے کہ عبیداللہ بن عباس کی صاحبزادی لبابہ کا رشتہ پہلے حضرت علیؓ کے صاحبزادے عباس کے ساتھ تھا پھر اس سے اولاد ہوئی۔ لیکن جب وہ اپنے بھائی حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہو گئے تو اس کے بعد لبابہ نے حضرت امیر معاویہؓ کے برادر زادے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے ساتھ شادی کر لی۔ وہ اس وقت مدینہ اور مکہ کے والی تھے۔ اور پھر ان سے آپ کی اولاد بھی ہوئی۔

.... واما لبابۃ بنت عبیداللہ (بن عباس) فانھا کانت عند عباس بن علی بن ابی طالب فولدت لہ فقتل عنھا مع حسین بن علی۔ فتزوجھا الولید بن عتبہ بن ابی سفیان وھو یومئذ وال علی المدینۃ و مکۃ۔ فولدت لہ القاسم بن الولید بن عتبہ بن ابی سفیان۔" [۱]

۱ کتاب نسب قریش لمصعب الزبیری صفحہ ۳۲ تحت اولاد عبیداللہ بن عباس و صفحہ ۱۳۳ تحت ولد عتبہ بن ابی سفیان طبع مصر

۲ کتاب المحبر لابی جعفر بغدادی صفحہ ۴۴۱

۳ (شیعہ) حواشی عمدہ الطالب فی انساب آل ابی طالب لابن عنبہ جمال الدین صفحہ ۴۳ تحت اولاد جعفر بن ابی طالب طبع نجف اشرف

—— یہ رشتہ داری بھی اس چیز کا قرینہ ہے کہ اگر امیر معاویہؓ کے حاکم بسر نے عبیداللہ کے فرزندوں کے قتل کا ظلم کیا تھا تو پھر یہ رشتہ داری کیسے قائم ہوئی؟ لبابہ نے اپنے بھائیوں کے قاتل خاندان کے ساتھ رشتہ داری کس طرح قبول کر لی؟ اور خود عبیداللہ بن عباس کیسے آمادہ ہو گئے؟ یہ چیز قابل غور ہے۔ نیز یہ نسبی تعلق ہم نے قبل ازیں اپنی کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" ۱۲۸۔۱۲۹ پر بھی ذکر کر دیا ہے۔ پس معلوم ہوا ہے کہ فرزندوں کے قتل کا واقعہ بے بنیاد ہے۔

(۶)

—— ماقبل میں چند ایک قرائن "کم سن فرزندوں کے قتل" کے واقعہ کے بے اصل ہونے پر ہم نے ذکر کئے ہیں اسی سلسلہ میں یہاں ایک حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ذکر کیا جاتا ہے جو حضرت معاویہؓ کی سیرت پر بطور تبصرہ کے ہے اور ان کی صفائی کے متعلق ہے۔ اس سے بھی یہی چیز واضح ہوتی ہے کہ عبداللہ بن عباس کے برادر زادوں کے قتل کا قصہ بے اصل اور بے سروپا ہے چنانچہ مورخین لکھتے ہیں کہ .... **ان ابن عباس قال لله در ابن هند ولينا عشرين سنته فما اذانا على ظهر منبر ولا بساط صيانته منه لعرضه واعراضنا۔ ولقد كان يحسن صلتنا و يقضى حوائجنا۔**"[۱]

یعنی (عبداللہ) ابن عباس کہتے ہیں امیر معاویہ کی خوبی اور خیر کثیر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہ قریباً بیس سال ہمارے والی اور حاکم رہے۔ اپنی اور ہماری عزت کے تحفظ کے پیش نظر حضرت امیر معاویہؓ نے خواہ وہ منبر پر تھے یا فرش پر ہمیں کسی قسم کی اذیت اور تکلیف نہیں پہنچائی۔ انہوں نے ہمارے ساتھ صلہ رحمی اچھی طرح قائم رکھی اور ہماری ضرویات کو پورا کرتے رہے"

—— عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس بیان سے جس طرح آپ کے کم سن براد زادوں کے قتل کا تاریخی افسانہ بے سروپا معلوم ہوتا ہے اسی طرح منبروں پر حضرت علیؓ المرتضیٰ کے خلاف سب و شتم کی روایات کا بے اصل اور غلط ہونا بھی واضح ہو رہا ہے۔

[۱] انساب الاشراف صفحہ ۶۸ / للبلاذری القسم الاول من جزء الرابع تحت تزکرہ معاویہؓ بن ابی سفیان (طبع یروشلم)

مختصر یہ ہے کہ اگر یہ واقعات صحیح ہوتے اور ان میں کچھ بھی حقیقت ہوتی تو عبداللہ بن عباسؓ حضرت معاویہؓ کے حق میں ایسے صفائی کے بیانات کیسے دے سکتے تھے؟

آخر میں گزارش ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ نے قتل مذکور کے حق میں جو کلمات " فی صحتہ عندی نظر " فرمائے ہیں (جیسا کہ اوپر ہم نے درج کر دیا ہے) وہ بجا طور پر صحیح اور درست معلوم ہوتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ معترض حضرات نے عہد معاویہؓ میں "قانون کی بالا تری کا خاتمہ" کے تحت کم سن بچوں کے قتل کا جو واقعہ نقل کیا ہے اور اس پر اعتراض کی بنیاد قائم کی ہے وہ واقعہ ہی بے اصل ہے اور اس میں کوئی حقیقت نہیں۔

فلہذا اعتراض ساقط ہے

ان بزرگوں نے تاریخی بے سروپا روایات کے پیش نظر صحابہؓ کو مطعون کرنے کی کوشش کی ہے۔ (انما للامرء مانوی)

"لونڈیاں بنانے کا اعتراض"

——— بسر بن ارطاۃ کی کارگزاریوں کی بنا پر اس مقام میں معترض دوست حضرت معاویہؓ پر ایک اور طعن قائم کرتے ہیں کہ: حضرت معاویہؓ کے عمال اور سپہ سالار شرعی احکام کے پابند نہیں تھے اور ان کو ظلم و زیادتی کرنے کی کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی۔

چنانچہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کے ایک سپہ سالار بسر بن ارطاۃ نے اہل ہمدان پر حملہ کر کے یہ ظلم عظیم کیا کہ وہاں آزاد مسلمان عورتیں قید کی گئیں انہیں لونڈیاں اور باندیاں بنا لیا گیا حالانکہ شریعت میں اس کا کوئی جواز نہیں۔ یہ شرعی احکام کی خلاف ورزی ہے۔

الجواب

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہئے کہ بسر بن ارطاۃ کے متعلق قبل ازیں چند چیزیں ذکر ہو چکی ہیں۔ ہم اس کی معصومیت کے قائل نہیں ہیں اور نہ اس بات کے دعویدار ہیں کہ اس سے کسی ظلم و زیادتی کا صدور نہیں ہوا۔ ہو سکتا ہے اس سے انتظامی معاملات میں کئی غلطیاں صادر ہوئی ہوں!

اس گزارش کے بعد ہم مندرجہ بالا اعتراض کے جواب کے لئے ذیل میں چند امور پیش کرتے ہیں ان سے اعتراض کی خفت اور سبکی نمایاں ہو جائے گی۔

(۱)—— معترض حضرات نے اس واقعہ پر کتاب الاستیعاب لابن عبدالبر کا حوالہ دیا ہے۔

—— الاستیعاب لابن عبدالبر کی تاریخی مرویات کے متعلق قبل ازیں ہم "طلقاء کی بحث" میں مقدمہ ابن صلاح کا حوالہ درج کر چکے ہیں اور اس سے الاستیعاب کی تاریخی مرویات کا عدم وثوق کا درجہ معلوم ہو چکا ہے۔

اب مزید برآں اسی نوع کا کلام الاستیعاب کی تاریخی مرویات کے متعلق اکابر علماء سے نقل کرتے ہیں۔

—— اصول حدیث کی کتاب تقریب النواوی میں امام النواوی نے اور اس کی شرح تدریب الراوی میں علامہ السیوطی نے درج ذیل الفاظ میں تنقید ذکر کی ہے۔

...... ومن احسنها و اکثرها فوائد "الاستیعاب لابن عبدالبر لولا ماشانہ بذکر ما شجر بین الصحابۃ و حکایتہ عن الاخباریین۔"

اور شارح مذکور نے مذکورہ بالا عبارت پر مزید درج ذیل الفاظ کا اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

...... والغالب علیھم الاکثار والتخلیط فیما یروونہ"۔[۱]

یعنی ابن عبدالبر کی کتاب "الاستیعاب (معرفۃ صحابہؓ میں) بڑی عمدہ اور کثیر الفوائد تالیف ہے لیکن اس میں صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافیات کی کثیر چیزوں کے متعلق (محدثین کے ماسوا)

---

۱ تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی للسیوطی صفحہ ۳۹۵ / طبع مصر تحت النوع التاسع والثلاثون

اخباری لوگوں کی حکایات ذکر کر کے مصنف نے اپنی کتاب کو داغدار بنا دیا ہے اخباری لوگوں کی روایات میں مواد کی کثرت اور تخلیط پائی جاتی ہے۔

اس فن کے اکابر حضرات کے بیانات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ :۔

الاستیعاب کے تاریخی قصوں کا کوئی وزن نہیں ہے اور نہ ہی یہ قابل وثوق ہیں فلہذا اس کے ذریعہ صحابہ کرامؓ پر طعن پیدا کرنا اور اعتراض کی بنیاد بنانا درست نہیں ہے۔

——— نیز یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ آزاد مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنانے کا یہ واقعہ اس مقام میں التاریخ لابن جریر الطبری الکامل لابن اثیر الجزری اور البدایہ لابن کثیر وغیرہ میں مفقود ہے ہماری معلومات کی حد تک ان میں اس کا کوئی ذکر تک نہیں مل سکا۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے مورخین کے ہاں بھی لونڈیوں والا یہ واقعہ کوئی متفق علیہ امر نہیں ہے بلکہ بعض تواریخ میں ہے جسے لوگوں نے آگے نقل کر دیا ہے اور صاحب استیعاب نے اس کو ذکر کیا۔ پھر استیعاب کی یہ روایات بھی بعض تو منقطع ہیں اور بعض کے راوی مجروح پائے جاتے ہیں۔ پس یہاں سے محل طعن والی مرویات کی خفت و سبکی واضح ہو رہی ہے۔

(۲)——— نیز گزارش یہ ہے کہ بسر بن ارطاۃ کے مظالم کے متعلق تاریخی روایات میں بے شمار چیزیں مورخین نے ذکر کی ہیں اور ان کے صدق و کذب کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مواد کتنا قدر صحیح ہے اور کیا کچھ غلط اور بے اصل ہے۔

جیسا کہ سابقاً ذکر کیا ہے در اصل یہ دور حضرت معاویہؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ دونوں فریقین کے لئے ابتلائی دور تھا۔ اس دور میں کئی قسم کے مسابقت اور تجاوزات کے واقعات پیش آئے اور کئی چیزیں مدافعانہ طور پر پیش آتی رہیں جن کے متعلق صحیح معلومات حاصل کر کے تجزیہ کرنا کسی صورت میں سہل نہیں

چنانچہ کبار علماء اس مقام میں فرماتے ہیں کہ :۔

.... وقد ذکرت الحادثۃ فی التواریخ فلا حاجۃ الی الاطالۃ" ۔۱۳۴

۱ اسد الغابۃ صفحہ ۱۸۰ جلد اول تحت بسر بن ارطاۃ

یعنی یہ واقعہ (لونڈیاں بنانے کا) تواریخ میں مذکور ہے اس کی طوالت کی طرف جانے کی حاجت نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ یہ تاریخی طول طوال قصے ہیں جو قابل اعتماد اور لائق توجہ نہیں۔

علماء کے نزدیک یہ دور فتن اور ابتلاء کا دور شمار کیا جاتا ہے اسی بنا پر حافظ ابن حجر جیسے محتاط علماء نے نصیحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔ **ولہ اخبارہ شہیرۃ فی الفتن لا ینبغی التشاغل بھا۔**"۱ یعنی بسر بن ارطاۃ کے متعلق اس فتن کے دور میں کئی تاریخی روایات مشہور ہیں ان کے ساتھ مشغول ہونا مناسب نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی خبروں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا فلہذا ان کو در خور اعتناء نہیں سمجھنا چاہئے ان سے کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ہو گا۔

—— نیز یہ واقعہ حضرت معاویہؓ کے ابتلائی دور کے متعلق ہے۔ ان چیزوں کی اطلاع حضرت معاویہؓ کو ہوئی یا نہ ہوئی اور پھر انہوں نے اس کا کوئی تدارک اور ازالہ کیا یا نہ کیا تاریخ اس سلسلہ میں ہماری معلومات کی حد تک خاموش ہے۔

اور شرعی قواعد کے خلاف کوئی واقعہ اس قسم کا ہوا ہو اور حضرت معاویہؓ نے اس پر کوئی گرفت نہ کی ہو۔ یہ ان کی دیانت سے بہت بعید ہے۔

اسی طرح بہت سے صحابہ کرامؓ اس دور میں موجود تھے ان سے بھی آزاد مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنائے جانے پر کوئی نقد اور اعتراض تواریخ میں ہماری نظر سے نہیں گزرا اور شرعی قواعد کی خلاف ورزی پر صحابہ کرامؓ کا خاموش رہنا بعید از قیاس اور عادت جاریہ کے برخلاف ہے۔ اگر حقیقت میں اس نوع کا خلاف شرع کوئی امر پایا جاتا تو اس پر نکیر ضرور کی جاتی مختصر یہ ہے کہ یہ واقعہ مورخین نے ایک تاریخی قصے کے طور پر ذکر کر دیا ہے ورنہ اس کی کچھ حقیقت نہیں۔

فلہذا ایسے بے اصل اخباری قصوں کو بنیاد بنا کر حضرت معاویہؓ پر بالواسطہ طعن قائم کرنا اور ان کی شان دیانت کو داغدار کرنا کسی طرح درست نہیں۔

۱ الاصابہ (معہ الاستیعاب) صفحہ ۱۵۲/ ج اول تحت بسر بن ارطاۃ

ملوکیت کے متعلق ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض لوگوں کی طرف سے یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ خلفاء راشدین کی خلافت راشدہ کے بعد خلافت' خلافت نہیں رہی بلکہ اس نے ملوکیت کی صورت اختیار کرلی۔ یا دوسرے لفظوں میں بعد والے خلفاء نے خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کر دیا۔
شبہ ہذا کے دلائل میں معترضین نے کئی چیزوں کو اپنے زعم کے اعتباد سے بطور شواہد پیش کیا ہے

اور ساتھ ہی ساتھ بعض احادیث کی روایات کو اپنے دعوئی کی تائید اور اعتراض کی توثیق میں ذکر کیا ہے۔

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو ایک سیاہ دور کی شکل میں ذکر کیا ہے۔
اور بری بادشاہت اور قبیح ملوکیت سے تعبیر کیا ہے۔

معترض احباب کے یہ مغالطات ہیں ان کے ازالہ کے لئے چند اشیاء پیش خدمت ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں۔

"ازالہ"

معترضین اپنے اعتراض کی تائید میں جو روایت پیش کرتے ہیں اس کا پہلے مفہوم اور محمل ذکر کرنا مناسب خیال کیا جاتا ہے تاکہ ان کی طرف سے جو وزنی دلیل ہے اس کی خفت استدلال اور استشہاد کی کمزوری واضح طور پر معلوم ہو جائے

اس کے بعد دیگر امور حسب ضرورت پیش کئے جائیں گے ان شاء اللہ

وہ روایت جس سے معترضین اپنا استشہاد قائم کرتے ہیں وہ حضرت سفینہؓ کی روایت ہے۔
جس کا مضمون یہ ہے کہ: حضرت سفینہؓ کہتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خلافت تیس سال ہو گی پھر اس کے بعد ملک قائم ہو گا

.... وعن سفینۃ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الخلافۃ ثلثون سنۃ ثم تکون ملکا .... الخ رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد ۱

۱ مشکوۃ شریف ص ۴۶۳ کتاب الفتن الفصل الثانی طبع نور محمدی دہلی

اس روایت کے پیش نظر ان لوگوں نے یہ شبہ قائم کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت خلافت نہیں بلکہ ملوکیت اور شہنشاہیت ہے۔ پھر اس کو کئی طرح کے مفاسد اور خرابیوں کا دور قرار دیا ہے اور اسے بری بادشاہی سے تعبیر کیا ہے اس مقام میں مسئلہ ہذا کی وضاحت کے لئے چند امور تحریر کئے جاتے ہیں۔ ان کو ملاحظہ فرمانے سے معترضین کے شبہات کا ارتفاع ہو سکے گا۔

(۱)

حدیث سفینہ پر بحث

پہلی بات یہ ہے کہ اس روایت کے متعلق چند توضیحات پیش کی جاتی ہیں

(۱) بعض علماء نے روایت ہذا (جو حضرت سفینہؓ سے مروی ہے) کی صحت کا انکار کیا ہے۔ اور وسیع النظر علماء کو وہ مقامات معلوم ہیں۔ جن میں صحت روایت کا انکار مذکور ہے۔

اور عدم صحت کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ اس روایت کے برخلاف دیگر صحیح روایات موجود ہیں اور یہ ان روایات صحیحہ کے متعارض ہے۔ اس بنا پر حضرت سفینہؓ والی روایت ان کے نزدیک درست نہیں اور درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک ان کا یہ موقف صحیح نہیں بلکہ جمہور محدثین نے ان روایات میں جو طریقہ اختیار کیا ہے وہی درست ہے عنقریب اس کا ذکر آ رہا ہے۔

اور ہو سکتا ہے کہ جن علماء نے حضرت سفینہؓ کی روایت کی صحت کا انکار کیا ہے وہ اس وجہ سے ہو کہ روایت ہذا میں بعض مقامات پر مندرجہ ذیل نوع کے اضافے پائے جاتے ہیں

(۱) **مثلاً عن سعید بن جمہان قال قلت لسفینتہ ان بنی امیتہ یزعمون ان الخلافتہ فیھم قال کذب بنو الزرقاء بل ھم ملوک من اشد الملوک و اول الملوک معاویتہ"۔۱**

(۲) **قال سعید فقلت لہ ان بنی امیتہ یزعمون ان الخلافتہ فیھم قال کذبوا بنو الزرقاء بل ھم ملوک من شر الملوک"۔ ۲**

۱ المصنف لابن ابی شیبتہ صفحہ ۱۳۲ / ج ۱۴ کتاب الاوائل طبع کراچی

۲ ترمذی شریفؒ صفحہ ۳۲۳، ۳۲۴ / ابواب الفتن باب ماجاء فی الخلافتہ طبع لکھنوء

۳ ابوداؤد شریف کتاب السنتہ صفحہ ۲۹۰ / ج ۲ باب فی الخلفاء طبع دہلی

اور بھی اسی نوع کے شدید کلمات ملتے ہیں

مذکورہ بالا کلمات کا مفہوم یہ ہے کہ سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ میں نے سفینہؓ کو کہا کہ بنو امیہ خیال کرتے ہیں کہ خلافت ان میں ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ زرقاء (قبیلہ ہذا کی جدہ تھی) کی اولاد جھوٹ کہتی ہے بلکہ یہ لوگ شریر اور سخت بادشاہ ہیں اور پہلا بادشاہ معاویہ ہے۔

(۳) قارئین کرام کے لئے یہاں یہ تشریح پیش کی جاتی ہے کہ اصل روایت مذکور میں مندرجہ نوع کے یہ کلمات راوی (سعید بن جمہان) کی طرف سے درج کردہ اور مدخولہ ہیں۔ جسے محدثین ادراج راوی کہتے ہیں۔

سعید بن جمہان

اور سعید بن جمہان کی علماء رجال نے ثقاہت ذکر کی ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے نقد اور جرح کے کلمات بھی درج کئے ہیں ذیل میں ملاحظہ فرماویں

۱۔ **ابن ابی حاتم الرازی** سعید بن جمہان کے متعلق ذکر کرتے ہیں کہ :۔ **شیخ یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ**۔"۔ ۱

۲۔ شیخ الخزرجی اور علامہ الذھبی نے بھی یہی قول سعید بن جمہان کے متعلق لکھا ہے کہ شیخ لا یحتج بہ۔"۔ ۲

۳۔ اور امام بخاریؒ نے کہا ہے کہ :۔ وفی حدیثہ عجائب۔"۔ ۳

۴۔ یحیی بن معین نے کہا ہے کہ :۔ **روی عن سفینۃ احادیث لا یرویھا غیرہ**۔"۔ ۴

۵۔ اور ابن عدی نے کامل میں یہی قول ذکر کیا ہے کہ :۔ **وقد روی عنہ عن سفینۃ احادیث لا یرویھا غیرہ**۔ ۵

۶۔ **قال الساجی لا یتابع علی حدیثہ**۔ ۶

۱ کتاب الجرح والتعدیل للرازی صفحہ ۱۰ / ج ۲ ق ۱ تحت سعید بن جمہان

۲ المغنی فی الضعفاء صفحہ ۲۵۶ / ج اول تحت سعید بن جمہان

۳ خلاصۃ تذھیب الکمال فی اسماء الرجال للخزرجی صفحہ ۱۱۶ طبع قدیم مصر

۴ تہذیب التہذیب صفحہ ۱۴ / ج ۴ تحت سعید بن جمہان بحوالہ امام بخاریؒ

۵ الکامل لابن عدی صفحہ ۱۲۳۷ / ج ۳ تحت سعید بن جمہان

۶ تہذیب التہذیب لابن حجر صفحہ ۱۴ / ج ۴ تحت سعید بن جمہان

مندرجہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ

- سعید بن جمہان کی شخصیت قابل احتجاج نہیں۔
- اور اس کی روایات میں عجائبات ہوتے ہیں۔
- اور سعید بن جمہان حضرت سفینہؓ سے ایسی روایات لاتا ہے جنہیں کسی دوسرے راوی نے ذکر نہیں کیا۔
- اور اس کی مرویات کا متابع نہیں پایا گیا۔ (یعنی ان چیزوں کے نقل کرنے میں متفرد ہے)

ان امور کے پیش نظر سعید بن جمہان کی جانب سے روایت ہذا میں مذکور مدخولہ کلمات لائق احتجاج اور قابل قبول نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت سفینہؓ کی مندرجہ بالا روایت درست اور صحیح ہے لیکن اس میں اضافہ شدہ کلمات۔ علماء فن کے قواعد کے اعتبار سے قابل اعتناء اور لائق اعتماد نہیں۔

بنا بریں خلفائے راشدین کے بعد جو امارت اور حکومت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں قائم ہوئی اسے خلافت کے مفہوم سے خارج کر کے بری ملوکیت اور قبیح شہنشاہیت وغیرہ الفاظ سے ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۲)

بالمقابل دیگر روایات

اس کے بعد اس مقام میں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ حضرت سفینہؓ کی اس مرفوع روایت (جس میں ہے کہ **الخلافتہ ثلاثون سنتہ ثم تکون ملکا** یعنی میری امت میں خلافت تیس سال تک ہو گی پھر اس کے بعد بادشاہت قائم ہو گی) کے مقابل دیگر بہت سی قابل اعتماد روایات موجود ہیں جن میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف متعدد خلفاء کا پایا جانا بیان فرمایا گیا ہے لیکن وہاں ملوک اور بادشاہوں کا ذکر بالکل نہیں کیا گیا ذیل میں ان روایات میں سے چند ایک احادیث نقل کی جاتی ہیں تاکہ مسئلہ ہذا کی دیگر جانب پر غور کیا جا سکے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے

...... عن ابی ہریرۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لانبی بعدی و سیکون خلفاء فیکثرون..... (متفق علیہ)۔[۱]

۲...... عن ابی ہریرۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بنی اسرائیل کانت تسوسھم انبیاء ھم۔ کلما ذھب نبی خلفہ نبی وانہ لیس کائنا فیکم بنی بعدی قالوا فما یکون یا رسول اللہ! قال یکون خلفاء و تکثر.......[۲]

۳...... عن سماک بن حرب قال سمعت جابر بن سمرۃ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال الاسلام عزیزا الی اثنا عشر خلیفتہ ثم قال کلمتہ لم افھمھا فقلت لابی ما قال؟ فقال کلھم من قریش۔"[۳]

۴۔...... عن الشعبی عن جابر بن سمرۃ قال انطلقت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و معی ابی فسمعتہ یقول لا یزال ھذا الدین عزیزا منیعا الی اثنی عشر خلیفتہ... فقلت لابی قال قال کلھم من قریش (مسلم شریف ۱۱۹ جلد ثانی۔ کتاب الامارۃ۔ باب

۱ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۲۰ کتاب الامارۃ والقضاء فصل اول طبع نور محمدی۔ دہلی (بحوالہ بخاری مسلم)

۲ شرح السنتہ للامام البغوی صفحہ ۵۶ / ج ۱۰ باب من یخرج علی الامام والوفاء .... الخ طبع بیروت

۳ بخاری شریف صفحہ ۴۹۱ / ج اول کتاب الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل طبع دہلی

۴ مسلم شریف صفحہ ۱۲۶ / ج ۲ کتاب الامارۃ باب وجوب الوفاء ببیعتہ الخلیفتہ الاول فالاول طبع دہلی

۲ المصنف لابن ابی شیبتہ صفحہ ۵۸ / ج ۱۵ کتاب الفتن روایت نمبر ۱۹۱۰۷ طبع کراچی

۳ مسلم شریف صفحہ ۱۱۹ / ج ۲ کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش والخلافۃ فی قریش طبع نور محمد دہلی

۲ مسند احمدؒ صفحہ ۸۶ / ج ۵ تحت مسندات جابر بن سمرۃ (متعدد بار)

۳ دلائل النبوۃ للبیہقی صفحہ ۵۲۰ / ج ۶ تحت باب ماجاء فی اخبارہ باثنی عشر امیر.... الخ

الناس تبع لقریش طبع نور محمد دہلی

۵.... **عن ابی حجیفتہ قال کنت مع عمی عندالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یخطب فقال لایزال امر امتی صالحا حتی یمضی اثنا عشرۃ خلیفتہ و خفض بھا صوتہ..... قال کلھم من قریش"**

رواہ الطبرانی فی الاوسط والکبیر والبزار و رجال الطبرانی رجال الصحیح" ۱

۶..... **عن مسروق قال کنا مع عبداللہ (بن مسعودؓ) جلوسا فی المسجد یقرانا فاتاہ رجل فقال یا ابن مسعود ھل حدثکم نبیکم کم یکون من بعدہ خلیفتہ؟ قال نعم! کعدۃ نقباء بنی اسرائیل"** ۲

مندرجہ بالا روایات کا مفہوم یہ ہے کہ :۔

○ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ان کے امور کے متولی انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے۔ جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو اس کے بعد دوسرا نبی آتا اور یقیناً میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ البتہ خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے

○ نیز ارشاد فرمایا کہ دین اسلام بارہ خلفاء (کے دور) تک عزیز اور غالب رہے گا اور یہ تمام خلفاء قریش سے ہوں گے۔

○ بعض دفعہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ میری امت کا معاملہ درست رہے گا حتی کہ بارہ خلفاء گزریں گے اور یہ تمام خلفاء قریش سے ہوں گے۔

○ مسروق کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس مسجد میں بیٹھے تھے اور وہ ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دے رہے تھے کہ اس وقت ایک شخص نے آکر کہا کہ اے ابن مسعودؓ! کیا تمہیں تمہارے نبیؐ نے بیان کیا ہے کہ ان کے بعد کتنے خلفاء ہوں گے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں! بیان فرمایا ہے کہ خلفاء کی تعداد بنی اسرائیل کے نقباء کے برابر ہو گی۔

(اور بنی اسرائیل میں بارہ عدد نقیب تھے)

۱ مجمع الزوائد للہیثمی صفحہ ۱۹۰ / ج ۵ باب الخلفاء الاثنی عشر

۲ مسند احمد صفحہ ۳۹۸ / ۴۰۶ جلد اول تحت مسندات ابن مسعودؓ

تطبیق بین الروایات

یہاں قابل توجہ یہ امر ہے کہ ان تمام مرویات میں صاف طور پر بیان فرمایا گیا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بیشتر خلفاء ہوں گے اور ان کے دور میں دین اسلام کا غلبہ رہے گا اور تمام خلفاء قریش سے ہوں گے۔ ان امراء و حکام کو "خلیفہ" و خلفاء" کے لفظ سے ذکر فرمایا گیا۔

بعض مقامات میں بارہ عدد خلفاء کا ذکر ہے اور بعض مرویات میں اس سے زیادہ بھی ہے۔ لیکن یہ مضمون روایت سابقہ (ثلاثین سنۃ ثم ملکا) کے بظاہر متضاد و متخالف ہے۔

اس بنا پر علمائے کبار نے ان کے درمیان تطبیق و توفیق کی راہ اختیار کی ہے۔ ظاہری تعارض کی وجہ سے تدافع قائم نہیں کیا۔ علماء فرماتے ہیں کہ روایات میں تعارض سے توافق بہتر ہوتا ہے۔

چنانچہ متعدد علماء کرام نے مندرجہ ذیل تحقیق ذکر کی ہے۔

۱۔ فتح الباری میں ابن حجر العسقلانی ذکر کرتے ہیں کہ :۔

"... ... . انہ اراد فی حدیث سفینۃ "خلافۃ النبوۃ" ولم یقیدہ فی حدیث جابر بن سمرۃ بذالک" ۔[۱]

۲۔ شرح ابی داؤد میں مذکور ہے کہ :۔

"........... المراد بخلافۃ النبوۃ ھی الخلافۃ الکاملۃ وھی منحصرۃ فی الخمس للا یعارض الحدیث لا یزال ھذا الدین قائما حتی یملک اثنا عشر خلیفۃ لان المراد بہ مطلق الخلافۃ۔ واللہ اعلم" ۔[۲]

۱ فتح الباری شرح بخاری لابن حجر صفحہ ۱۸۰ / ج ۱۳ آخر باب لاستخلاف (کتاب الاحکام)

۲ عون المعبود حاشیہ ابی داؤد صفحہ ۳۴۲ / ج ۴ تحت باب فی الخلفاء = طبع بیروت =

ان حوالہ جات کا مفہوم یہ ہے کہ :۔
حدیث سفینہؓ میں خلافت سے مراد خلافت نبوت ہے اور اسی کو خلافت کاملہ سے محدثین تعبیر کرتے ہیں اور یہ خلافت کاملہ پانچ خلفاء (خلفاء اربعہؓ اور خلافت امام حسنؓ) تک جاری رہی۔
جابر بن سمرۃ وغیرہ کی روایت میں جو بارہ عدد خلفاء یا اس سے زیادہ کا ذکر ہے اس سے مراد مطلق خلافت ہے جو خلافت علی منہاج النبوۃ سے کم درجہ کی ہے۔ اگر بعض مقام میں ملکا وغیرہ کے الفاظ مذکور ہیں تو وہ امارت خلافت ہی ہے خلافت عامہ کے برخلاف نہیں ہے۔
اس تطبیق کے پیش نظر حضرت سفینہؓ اور حضرت جابر بن سمرۃؓ وغیرہ کی روایات میں تعارض رفع ہو گیا اور ان کے درمیان توافق قائم ہو گیا۔

صاحب نبراس کی تحقیق

صاحب نبراس نے اس مقام میں یہ چیز ذکر کی ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان....... **لا یزال الدین قائما حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفۃ** اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ **ثلاثین سنۃ** (تیس سال) پر خلافت منقطع نہیں ہوئی (بلکہ خلافت علی فرق المراتب قائم رہی)
پھر مصنف نے یہاں ایک سوال اور جواب قائم کیا ہے جو اس مقام کے مناسب ہے اور مسئلہ ہذا کی تشریح کے لئے مفید ہے۔
سوال یہ ہے کہ تیس سالہ دور خلافت کے بعد حضرت امیر معاویہؓ پہلے ملک (بادشاہ) ہوئے (اور خلافت کے منصب سے عاری ہوئے) یہ چیز ان کے حق میں ایک قسم کی قدح اور منقصت ہے حالانکہ اہل سنت حضرت امیر معاویہؓ کی قدح کو جائز نہیں رکھتے بلکہ ان کی مدح کے قائل ہیں۔
اس شبہ کے جواب میں مصنف نے مندرجہ ذیل چیزیں درج کی ہیں:۔
○ قاعدہ یہ ہے کہ اہل خیر کے لئے مختلف درجات اور مراتب ہیں ہر مرتبہ دوسرے مرتبہ سے فائق ہے پھر ہر مرتبہ اپنے مافوق کے اعتبار سے محل نقص معلوم ہوتا ہے اسی ضابطہ کے موافق ایک مقولہ مشہور ہے کہ **حسنات الابرار سیئات المقربین** (نیک لوگوں کی نیکیاں

مقربین کے نزدیک برائیاں معلوم ہوتی ہیں)

○ اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :۔ **انی لا ستغفر اللہ فی الیوم اکثر من سبعین مرۃ۔"** (یعنی میں ایک یوم میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا ہوں)

اکابر علماء اس فرمان کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم مراتب و مدارج میں دواما ترقی کرتے تھے اور جب مرتبہ علیا پر فائز ہوتے تو سابقہ مقام و مرتبہ کے متعلق استغفار فرماتے تھے۔

○ جب یہ چیزیں ثابت ہیں تو مسئلہ ہذا میں بھی یہی صورت کار فرما ہے کہ خلفائے راشدین اپنی سیرت' (اخلاق' نظم و ضبط وغیرہ) کے اعتبار سے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب تھے اور خلافت کے ایک "مرتبہ علیہ" پر فائز تھے۔ تنگی معیشت میں صبر کوشی اختیار کرتے تھے اور طبائع بشریہ کے تقاضوں میں جہد و مشقت اٹھاتے اور مباح چیزوں میں بھی توسع اور وسعت و فراخی پسند نہیں کرتے تھے۔

لیکن حضرت امیر معاویہؓ اگرچہ منکرات شرعیہ کے مرتکب نہیں ہوئے تاہم مباح امور میں انہوں نے اس ملک کے تمدن کے اعتبار سے توسع سے کام لیا اور امور خلافت کے تمام کرنے میں خلفائے راشدین سے کم درجہ میں تھے اور قلیل تغیر کے حامل تھے۔

اس کے باوجود مندرجات بالا کی روشنی میں آپؓ پر خلفائے راشدین کے ساتھ (ہر مسئلہ میں) مساوات نہ پائے جانے کی بنا پر طعن قائم نہیں کیا جا سکتا۔۔۔۔ اور مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

پھر فاضل مصنف (مولانا عبدالعزیز پرہارویؒ) نے اپنی دوسری تالیف (**الناھیہ عن طعن معاویۃ**) میں اسی مسئلہ کو ایک دیگر عبارت میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ خلفاء اربعہؓ سے علم و ورع اور عدل کے اعتبار سے کم درجہ کے ہیں اور ان کے مابین مقام و مرتبہ کے لحاظ سے تفاوت ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے حضرات انبیاء علیھم السلام میں اور اللہ کے ملائکہ میں اور امت کے اولیاء اللہ میں فرق مراتب مسلم ہے۔۔۔۔۔۔۔پس حضرت معاویہؓ کی خلافت اور امارت اجماع صحابہ اور حضرت حسنؓ کی بیعت کی بنا پر برحق اور درست ہے۔ تاہم آپؓ کی خلافت اپنے پیش رو اور سابق خلفاء کی خلافت سے کم درجہ کی ہے۔ حضرت معاویہؓ نے مباح امور

میں توسع اختیار کیا جب کہ ان چیزوں سے خلفاء اربعہؓ نے تحرز اور اجتناب کیا۔ اور قاعدہ ہے کہ :۔

حسنات الابرار سیئات المقربین

ممکن ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کا مباحات میں توسع اختیار کرنا اس بنا پر ہو کہ اس دور کے لوگوں کی ہمتوں میں قصور آ گیا تھا۔ (اور ایمانی قوت میں خامی پائی گئی) جب کہ یہ چیز دور سابق میں نہیں پائی گئی۔ خلفاء اربعہؓ کا عبادات اور معاملات میں فائق ہونا ظاہر اور مسلم ہے۔ اس میں کسی قسم کا خفاء نہیں۔"

الناہیہ کی اصل عبارت

ذیل میں ملاحظہ فرمائیں

ونحن نعترف بان معاویۃ رضی اللہ عنہ وان کان عالما ورعا عدلہ دون الخلفاء الاربعۃ فی العلم و الورع والعدل کما تری من التفاوت بین الاولیاء بل الملائکۃ والانبیاء فامارتہ وان کانت صحیحۃ با جماع الصحابۃ و تسلیم الحسن الا انھا لیست علی منھاج خلافۃ من قبلہ فانہ توسع فی المباحات و تحرز عنھا الخلفاء الاربعۃ۔"

و حسنات الابرار سیات المقربین ولعل توسعہ فیھا لقصورھم سائر ابناء الزمان وان لم یوجد فیہ فالک کما علمت

واما رجحان الخلفاء الاربعۃ فی العبادات و المعاملات فظاھر مما لا سترۃ لیہ" ص۱۵۱

حاصل کلام

(۱) یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں اور اکابرین امت کی تصریحات کی بنا پر منصب خلافت پر فائز ہیں اور اپنے دور میں اہل اسلام کے خلیفہ برحق ہیں ان کی صحت خلافت عادلہ میں کوئی اشتباہ نہیں اور بعض روایات کی بنا پر اس دور کو امارت و ملک کہا گیا ہے تو وہ خلافت نامہ کے مفہوم کے متعارض نہیں۔

(۲) فرق مراتب کے اعتبار سے حضرت معاویہؓ اپنے سابق خلفاء سے کم درجہ میں ہیں لیکن یہ چیز کوئی قبیح و قابل مذمت اور لائق نفرت نہیں

(۳) اسی طرح قرآنی آیات پر نظر کرنے سے بھی یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ ملک کا عطا کیا جانا اور ملوک بنایا جانا کوئی مذموم چیز نہیں

بلکہ اس کو احسان اور بیان نعمت کے طور پر اللہ کریم نے اپنے خاص بندوں کے حق میں ذکر کیا ہے مثلاً

(۱) **ان اللہ قدبعث لکم طالوت ملکا"**

یعنی اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ بنا کر بھیجا۔

(۲) **وقتل داود جالوت واتاہ اللہ الملک**

یعنی جالوت کو حضرت داوٗدؑ نے قتل کر دیا اور ان کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہی دی

(۳) بنی اسرائیل پر جو انعامات خداوندی تھے ان کو جتلاتے ہوئے جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ **یقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعلکم فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا واتاکم مالم یوت احدا من العالمین**

اے میری قوم اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم میں انبیاءؑ کو بنایا اور تم کو بادشاہ اور ملوک بنایا اور تم کو وہ چیزیں عنایت کیں جو اس دور کے لوگوں میں سے کسی کو عطا نہیں کیں۔"

ان آیات سے بصراحت مفہوم ہوتا ہے کہ ملک ہونا ملوک بنایا جانا قبیح چیز نہیں بلکہ اچھی چیز ہے اور حضرت معاویہؓ اگر بعض مرویات کے اعتبار سے ملک ہیں اور ان کو ملوکیت حاصل ہے تو آیات و روایات کے تقاضوں کے مطابق صحیح ہے اس سے ان کی خلافت اور خلیفہ ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی۔

مختصر یہ ہے کہ خلافت اور امارت (ملوکیت) باہم متعارض و متضاد چیزیں نہیں کہ ایک شخصیت میں جمع نہ ہو سکیں۔

البتہ ملک ہونا یا ملوک بنایا جانا اس وقت قبیح سمجھا جاتا ہے جب دینی اقدار سے اعراض کر لیا جائے اور ضوابط اسلامی سے روگردانی اختیار کی جائے۔ اگر یہ صورت نہیں تو پھر کوئی قباحت نہیں۔ (اس چیز کو آئندہ سطور پر مختصر وضاحت کے ساتھ ہم ذکر کر رہے ہیں)

(۴) ان مسلمات کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے دور کو سیاہ دور قرار دینا۔ بری ملوکیت اور قبیح شہنشاہیت وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرنا۔ اشرالملوک و اشد السلاطین کے عنوانات سے بیان کرنا ہرگز درست نہیں۔ وہ اپنے دور کے خلیفہ بھی ہیں اور بہترین امیر و ملک بھی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اشد الملوک اور اشرالملوک وغیرہ کے اطلاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے نہیں پائے گئے بلکہ بعض راویوں کی جانب سے اضافہ شدہ کلمات ہیں اور واقعات کے ساتھ بھی ان کا توافق نہیں پایا جاتا۔

وجہ یہ ہے کہ حضرت حسنؓ اور ان کی تمام جماعت نے جب صلح کر کے حضرت معاویہؓ سے بیعت خلافت کر لی تو انہوں نے برے اور شریر لوگوں کے ساتھ تو تعاون نہیں کیا تھا؟ بلکہ انہوں نے اس منصب کے اہل حضرات سے مصالحت کا معاملہ کیا تھا۔ اور دینی ذمہ داریاں ان کی تحویل میں دے دی تھیں اور خود کنارہ کش ہو گئے تھے۔

اس کے بعد مدت العمر حسنین شریفینؓ اور تمام ہاشمی اکابر و جمہور صحابہ کرامؓ نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ بیعت کرنے کے بعد خلاف و اختلاف نہیں کھڑا کیا بلکہ تعاون قائم رکھا۔

یہ چیز اس بات کا اہم قرینہ ہے کہ حضرت معاویہؓ اشد الملوک واشرالملوک اور بری شخصیت نہیں تھے بلکہ وہ اس منصب کے اہل تھے اور صالح خلیفہ تھے اور ان کی خلافت عادلہ تھی وہ اپنے دور کے امیر المومنین تھے۔

بحث ھذا کے متعلق ایک تاریخی تجزیہ مورخین کی نظر میں

قبل ازیں روایات و آیات کی روشنی میں چند چیزیں درج کی ہیں اب اس کے بعد تاریخی ادوار کے اعتبار سے ایک تجزیہ پیش کیا جاتا ہے اس سے مسئلہ کی تاریخی حیثیت سامنے آجاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مملکت کی نوعیت اس کے آئین کے اعتبار سے وجود میں آتی ہے۔ اور اسی دستور پر اس کی نوعیت موقوف ہوتی ہے یعنی افراد کے ذاتی افعال اور ذاتی کردار اس کی نوعیت پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ مثلاً جمہوریت مخصوص اصول کا نام ہے جب تک کہ حکومت کا آئین ان اصولوں کے تابع ہے اس وقت تک مملکت کو جمہوری ہی کہا جائے گا خواہ اس مملکت کا صدر اپنی مقبولیت کی بنا پر اپنی رائے کی تنفیذ میں آزاد ہو جائے

بشرطیکہ آئین باقی رہے اور اس میں تبدیلی نہ ہونے پائے اسی اصول کی روشنی میں مسئلہ ہذا بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ یعنی خلافت بنی امیہ اور خلافت بنی عباس علی فرق المراتب یہ سب خلافتیں ہی ہیں ان کا دستور اور آئین اسلامی تھا اور ان میں اسلامی قانون ہی رائج رہا (اگرچہ بعض ادوار میں اس قانون کی ترویج میں کمزوری پائی جاتی رہی) تاہم کتاب و سنت کو ہی آخری مرجع تسلیم کیا جاتا تھا۔

ان تمام خلافتوں کو ملوکتیں قرار دینا ایک ادعاء ہے جو بغیر دلیل کے ہے۔ اور معترض کی کج روی پر مبنی ہے۔

دوسری یہ چیز قابل ذکر ہے کہ تاریخی ادوار کے اعتبار سے دیلمی۔ تاتاری مغل وغیرہ بادشاہ مختلف ممالک پر جب حکمران ہوئے تو اس وقت سے خلافت سے ہٹ کر ملوکیت مسلمانوں میں درآمد ہوئی دیلمی اور آل بویہ تو شیعہ اور رافضی تھے۔ انہوں نے دیدہ دانستہ اسلامی آئین و ضوابط کو بدل ڈالا۔

تاتاری، مغل وغیرہ ذاتی طور پر تو مسلمان ہو گئے اور ان کی سلطنتیں قائم تھیں لیکن انہوں نے اسلامی آئین کی ترویج نہیں کی بلکہ انہوں نے اپنی سابق حکومتوں کے دستور جو چلے آرہے تھے ان ہی کو قائم رکھا۔

ان طریقوں سے خلافت متروک ہو کر ملوکیت رونما ہوئی اور ایک مدت کے بعد شہنشاہیت کی یہ صورتیں سامنے آئیں۔

معترضین حضرات نے خلافت راشدہ کے دور کے متصلاً بعد ملوکیت و بادشاہیت کا جو نقشہ خاص تدبیر سے قائم کیا ہے یہ ان کی کارکردگی تاریخی واقعات کے برخلاف ہے اور اسلامی روایات کے ساتھ بھی اس چیز کی موافقت نہیں پائی جاتی جیسا کہ گزشتہ سطور میں وضاحت کر دی گئی ہے۔

اسلامی روایات اور تاریخی ادوار کے نشیب و فراز دونوں چیزیں ہم نے مسئلہ ہذا کے حق میں بلاکم و کاست ذکر کر دی ہیں اہل فہم و فکر احباب بسہولت نتائج پر پہنچ سکیں گے۔ اور ملوکیت کے متعلق غلط پروپیگنڈا سے متاثر نہیں ہوں گے۔

ایک اشتباہ پھر اس کا حل

(برائے کراہت بعض قبائل)

بعض روایات میں یہ مضمون پایا جاتا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعض قبائل کو (بنی امیہ' بنی حنیف اور ثقیف) کو مبغوض اور مکروہ جانتے تھے۔ یہ روایت ابو برزہ الاسلمی کی طرف منسوب ہے۔.......... **عن ابی برزہ الاسلمی قال کان ابغض الاحیاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو امیۃ' بنو حنیفۃ و ثقیف**

اور بعض روایات میں اس طرح پایا جاتا تھا کہ بنی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا دراں حالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین قبائل (ثقیف' بنو حنیفہ اور بنو امیہ) کو مکروہ جانتے تھے۔ یہ روایت عمران بن حصینؓ سے نقل کی جاتی ہے:۔

.... مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یکرہ ثلاثۃ احیاء ثقیف و بنی حنیفۃ و بنی امیۃ

اس نوع کی روایات کی روشنی میں معترض دوست یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو امیہ بنی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہت مبغوض تھا اور آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم اس قبیلہ کو مکروہ جانتے تھے اور کئی قسم کے دیگر اعتراضات ان روایات کی بنا پر مرتب کئے جاتے ہیں۔ اور قبیلہ بنی امیہ سے نفرت اور تنفر قائم کرنے کے لئے ان روایات کو ذریعہ اور زینہ بنایا جاتا ہے۔

ازالہ اشتباہ

اس اشتباہ کے ازالہ کے لئے قبل ازیں "مسئلہ اقربا نوازی" میں ۲۹۲ سے لے کر ۲۹۹ تک ہم نے کلام کر دیا ہے لیکن پھر یہاں بھی اس اشتباہ کے ازالہ کے لئے چند امور بیان ہوں گے سابقہ بحث کے علاوہ مزید چیزیں بھی یہاں اضافہ کی گئی ہیں

پہلے تو ان روایات کے متن کے متعلق چند چیزیں درج کی جاتی ہیں اس کے بعد درایت کے اعتبار سے ان پر کلام کیا جائے گا۔

متن کے اعتبار سے

ابو برزہ الاسلمیؓ کی روایت کے متعلق یہ بات قابل وضاحت ہے کہ مذکورہ متن الحاکم نیشا پوری کے ذریعے منقول ہے اور جب اسی روایت کو مسند احمدؒ میں ابو برزۃ الاسلمی کی روایات کے تحت دیکھا گیا تو یہ روایت وہاں منقول ہے لیکن مسند احمدؒ کی روایت میں "بنو امیہ" کے الفاظ نہیں پائے جاتے بلکہ صرف بنو حنیفہ اور بنی ثقیف کا ذکر ہے۔[1]

یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر یہ روایت درست ہے تو اس کے متن میں "بنو امیہ" کے الفاظ ہی مفقود ہیں اور بعض راویوں کی طرف سے یہ الفاظ داخل کر دیئے گئے ہیں۔ اور رواۃ کی طرف سے متن میں ادراج کا پایا جانا کوئی مستبعد امر نہیں جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے۔

مختصر یہ ہے کہ متن روایت میں رواۃ کی طرف سے "بنو امیہ" کے الفاظ اضافہ شدہ ہیں فلہذا ان الفاظ کی بنا پر معترض کا بنو امیہ پر اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے اور "بناء فاسد علی الفاسد" کا نمونہ ہے۔

دیگر یہ چیز بھی یہاں قابل توجہ ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے قبیلہ بنی ثقیف کے حق میں دعائیں بھی منقول ہیں چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ جب بنی ثقیف کی تیر اندازی سے اہل اسلام تنگ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ثقیف پر بددعا فرمائیں تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی بجائے فرمایا "اللهم اهد ثقيفا۔"[152]

یعنی اے اللہ ! بنی ثقیف کو ہدایت نصیب فرمایا

امام ترمذیؒ نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ **هذا حديث حسن صحيح غريب**

اس فرمان نبوی صلعم سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابو برزہ الاسلمی والی روایت علی الاطلاق اپنے مفہوم پر قائم نہیں۔

بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی ثقیف کی ہدایت کے طالب ہیں۔ اگر ان کا مبغوض ہونا علی الاطلاق رکھا جاوے جیسا کہ معترض کا خیال ہے تو اس روایت کے ساتھ مفہوم میں بظاہر تعارض قائم ہو گا۔

اور محدثین کے قاعدہ کے مطابق تعارض سے توافق بہتر ہوتا ہے۔

۱ مسند الامام احمدؒ صفحہ ۴۲۰ / ج ۴ تحت مسندات ابی برزہ الاسلمیؓ (طبع اول مصر)

"روایت عمران بن حصین"

اور دوسری روایت جو عمران بن حصینؓ کی طرف منسوب ہے اس کے متعلق ذیل میں چند امور ذکر کئے جاتے ہیں

مسند امام احمدؒ میں عمران بن حصینؓ کے مسندات دیکھے گئے ہیں ان میں یہ روایت مفقود ہے۔

یہ روایت ترمذی شریف میں باسند پائی گئی ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ **ھذا حدیث غریب لا نعرفہ الا من ھذا الوجہ** یعنی یہ حدیث غریب ہے اور سوا اس ایک اسناد کے اور کسی طریقے سے یہ روایت نہیں پائی جاتی۔ مختصر یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے متواتر و مشہور نہیں اور غریب ہے کسی دیگر طریقہ سے اس کی تائید نہیں دستیاب ہوئی۔

درایت کے اعتبار سے

اگر بقول معترض قبیلہ "بنو امیہ" سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں مبغوض اور مکروہ تھا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اس قبیلہ کو قابل نفرت خیال فرماتے تھے تو مندرجہ ذیل نسبی اور غیر نسبی تعلقات بنو امیہ کے ساتھ کس طرح قائم ہوئے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بنو امیہ سے تنفر کے باوجود درج ذیل روابط کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا۔

نسبی تعلقات

ذیل میں چند ایک رشتہ داریاں ذکر کی جاتی ہیں

○ حضرت عثمان بن عفانؓ اموی کے ساتھ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے نکاح مسلمات میں سے ہے

○ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ (اموی) سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں اور انہیں ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہے۔

○ حضرت علی المرتضیٰؓ کے حقیقی برادر زادے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی دختر ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمانؓ کے فرزند ابان بن عثمان بن عفان (اموی) سے ہوا۔

○ سیدنا امام حسین بن علی المرتضیٰؓ کی صاحبزادی سکینہ بنت حسینؓ کا نکاح حضرت عثمان بن عفانؓ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان اموی کے ساتھ تھا۔

○ سیدنا امام حسینؓ کی دختر فاطمہ بنت حسین ابن علیؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ بن عفان کے پوتے عبداللہ بن عمر بن عثمانؓ (اموی) کے ساتھ تھا

یہ تمام رشتہ داریاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور علی المرتضیٰؓ کے خاندان کی قبیلہ بنو امیہ کے ساتھ قائم تھیں۔ اور یہ نسبی روابط ان دونوں قبائل میں موجود تھے۔ کوئی معترض اور معاند بھی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

فلہذا یہ روابط اس بات کا قوی قرینہ ہیں اور مضبوط شواھد ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنو امیہ کو مبغوض اور مکروہ نہیں جانتے تھے اور مندرجہ روایت میں جو بنو امیہ کے الفاظ پائے جاتے ہیں یہ رواۃ کے تصرفات میں سے ہیں۔

تنبیہ

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ نسبی تعلقات (بنی ھاشم و بنی امیہ)

ہم نے قبل ازیں کتاب "رحماء بینھم" حصہ سوم کے باب اول میں اور بعدہ کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" میں تذکرہ حضرت (امیر معاویہؓ کے تحت ۱۲۶ سے لے کر ۱۳۰ تک اور "مروان بن حکم" تذکرہ میں ۲۹۴ - ۲۹۵ پر مفصلا" ذکر کئے ہیں اور کتابی حوالہ جات ان کے وہاں نقل کر دئے گئے ہیں۔

غیر نسبی تعلقات

اسی طرح بنی امیہ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاء راشدین نے کئی اہم مناصب تفویض فرمائے۔ ان میں سے بعض تعلقات کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

○ عہد نبوت میں اور خلفاء راشدینؓ کے دور میں اموی حضرات کو بڑے بڑے اعزاز بخشے گئے اور اسلام کے اہم کاموں میں ان کو شامل اور دخیل رکھا گیا مثلاً":

○ حضرت عثمان بن عفانؓ اموی کو کاتب وحی بنایا گیا اور کئی مواضع اور مواقع میں ان کو امیر مقرر کیا گیا۔

○ حضرت امیر معاویہؓ اموی کو کاتبان وحی اور غیر وحی میں شامل کیا گیا اور عہد نبوی میں کئی امور کا والی بنایا گیا۔

○ اسی طرح ابو سفیان بن حرب (اموی) کو کئی اعزاز آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمائے اور نجران کے علاقہ پر عامل مقرر فرمایا۔

○ حضرت امیر معاویہؓ کے برادر یزید بن ابی سفیان کو صدیقی اور فاروقی دور میں فتوح شام کے لئے افواج پر والی اور امیر بنا کر روانہ کیا گیا۔

○ اسی طرح عتاب بن اسید اموی کو فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ پر والی اور حاکم مقرر فرمایا گیا۔

○ نیز خالد بن سعید بن العاص اموی کو عہد نبوی میں بنی مذحج کے صدقات پر اور صنعاء ویمن پر عامل و حاکم بنایا گیا۔

○ ابان بن سعید بن العاص اموی کو عہد نبوی میں بحرین کا حاکم مقرر فرمایا گیا۔

○ عمرو بن سعید بن العاص اموی کو عہد نبوی میں تیماء و خیبر و قریٰ عرینہ پر حاکم بنایا گیا۔

نیز اسی طرح قبیلہ بنی ثقیف کے بعض افراد کو خلافت فاروقی میں بعض اہم مناصب عطا فرمائے گئے

چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارض عمان اور بحرین کا والی عثمان بن ابی العاص کو بنایا

اور اسی طرح بحرین کی طرف عثمان کے بھائی الحکم بن ابی العاص کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روانہ فرمایا تھا......... "**وفی ھذہ السنۃ (۱۵ھ) ولی عمرؓ عثمان بن ابی العاص ارض عمان والبحرین فسار الی عمان ووجہ اخاہ الحکم بن ابی العاص الی البحرین۔**" ؂۱۵۲

یہ ۱۵ھ کا واقعہ ہے اور یہ دونوں بھائی قبیلہ بنو ثقیف سے ہیں

یہاں سے معلوم ہوا کہ قبیلہ بنی ثقیف کے افراد کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسلامی خدمات کے لئے اہم مناصب عطا فرمائے اور ان کو دینی امور میں شمولیت کا موقع عنایت فرمایا۔

یہ چیز بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ قبیلہ بنی ثقیف علی الاطلاق نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کے نزدیک مبغوض و مکروہ نہیں تھے۔ بلکہ اگر روایت بالا صحیح ہے تو اس سے قبیلہ کے بعض افراد مراد ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں جو قبیلہ مکروہ مبغوض اور قابل نفرت ہو اس کے افراد کو یہ عزت و تکریم کے مواقع کس طرح مہیا کئے گئے؟ اور عہد نبوی صدیقی و فاروقی میں ان لوگوں پر اعتماد کرتے ہوئے اہم مناصب کی ذمہ داریاں انہیں کیسے سپرد کی گئیں؟ غور و خوض کا مقام ہے۔

ایک قاعدہ

اس فن کے علماء کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ "جو روایت واقعات کے برخلاف پائی جائے اور حقائق واقعیہ اس کی تکذیب کرتے ہوں تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔

چنانچہ قاعدہ ہذا کو اکابر علماء نے بعبارت ذیل درج کیا ہے۔

یعنی روایت کے بے اصل ہونے کے قواعد کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

ومنها قرینتہ فی المروی کمخالفتہ لمقتضی العقل بحیث لا یقبل التاویل' ویلتحق بہ ما یدفعہ الحس و المشاھدۃ او العادۃ و کمنافاتہ لدلالتہ الکتاب القطعیتہ او السنتہ المتواترۃ اوالا جماع القطیعہ" ۱۵۴ے

اور یہاں بعض علماء نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ

ما احسن قول القائل: اذا رایت الحدیث یباین المعقول او یخالف المنقول او ینا قض الاصول فاعلم انہ موضوع

علی سبیل التنزل

اگر بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ مندرجہ بالا روایات درست ہیں اور آنجناب صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان قبائل کو مکروہ جانا اور ناپسند فرمایا تو اس کا مطلب اور مفہوم یہ نہیں ہے کہ ان قبائل کا ہر فرد اور ہر شخص مکروہ اور ناپسند ہے بلکہ بعض شخصیات کی وجہ سے شاید ان کو مکروہ اور ناپسند قرار دیا گیا۔

اسی طرح کسی شہر یا مقام کو بعض اوقات ناپسند فرمایا گیا تو وہاں بھی اس کے ہر فرد بشر اور ہر چیز کو مکروہ جاننا مقصود نہیں ہوتا بلکہ بعض وجوہ کے اعتبار سے فرمان صادر ہوتا ہے۔

قصاص دم عثمانؓ کے متعلق شبہ پھر اس کا ازالہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض مخالفین کی طرف سے یہ کیا جاتا ہے کہ قصاص دم عثمانؓ کے مطالبہ کا حق حضرت معاویہؓ کو حاصل نہیں تھا بلکہ یہ حق حضرت عثمانؓ کی اقرب اولاد کا تھا حضرت معاویہؓ نے شرعی قاعدے کا خلاف کرتے ہوئے قصاص کا مطالبہ خود کر دیا۔ گویا کہ حضرت معاویہؓ کا یہ اقدام ضابطہ کے اعتبار سے صحیح نہیں تھا۔

ازالہ

اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لئے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان کو بغور ملاحظہ فرماویں۔ اس سے اشتباہ رفع ہو جائے گا۔

(۱)

پہلے یہ چیز یہاں ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت عثمانؓ کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق کس قدر قریب تھا اس کے بعد دیگر اشیاء ذکر ہوں گی حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عثمانؓ کا نسب اس طرح ہے کہ حضرت عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس اور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف یعنی حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہؓ کی تیسری پشت ایک ہے اور جد اعلیٰ دونوں کے مشترک دادا ہیں

نیز واضح ہو کہ حضرت امیر معاویہؓ کی دختر جس کا نام رملہ بنت معاویہؓ ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرزند عمرو بن عثمانؓ کے نکاح میں تھیں یعنی عمرو بن عثمان سیدنا معاویہ کے داماد تھے اور رشتہ داری کا یہ تعلق علمائے تاریخ و انساب نے بڑی صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

چنانچہ ابن عساکر نے اپنی مشہور تاریخ میں ”تراجم النساء“ کی جلد میں ذکر کیا ہے۔

”رملة بنت معاوية بن ابی سفيان صخر بن حرب بن امية بن عبدشمس الاموية زوج عمرو بن عثمان بن عفان و كانت دارها بدمشق فی عقبة السمك الی طرف زقاق

الرمان" (تاریخ لابن عساکر ۹۵ جلد تراجم النساء تحت رملہ بنت معاویہ۔ طبع دمشق)

دوسری یہ چیز بڑی اہم ہے کہ قصاص کے مطالبہ کو حضرت معاویہؓ نے اپنی طرف سے نہیں کھڑا کیا تھا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد کی طرف سے یہ مسئلہ ان کے سپرد کیا گیا تھا اور یہ چیز مورخین نے ذکر کی ہے۔

چنانچہ جب جناب ابو مسلم خولانی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حضرت معاویہؓ کے ہاں اس مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے پہنچے ہیں تو حضرت معاویہؓ نے اس وقت مسئلہ کی وضاحت کر دی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ

انا ابن عمه وانا اطلب بدمه وامره الی۔" [۱]

یعنی میں مقتول خلیفہ کے چچا کا بیٹا ہوں اور یہ معاملہ والیوں کی طرف سے میرے سپرد کیا گیا ہے اس بنا پر مقتول خلیفہ کے خون کے قصاص کا مطالبہ کرتا ہوں

ان تصریحات کی روشنی میں حضرت معاویہؓ کا یہ مطالبہ از روئے ضابطہ درست ہے اور اقدام صحیح ہے۔

اور شیعہ کے کبار علما نے بھی مطالبہ ہذا کے مسئلہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ اس طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے قصاص کا جب یہ مطالبہ اٹھایا تھا تو اس وقت (ان کے ساتھ) حضرت عثمانؓ کے فرزند ابان بن عثمان اور دیگر فرزند بھی ساتھ تھے۔

چنانچہ شیعہ کے ایک مشہور راوی سلیم بن قیس الھلالی الشیعی ذکر کرتے ہیں کہ

...... ان معاویة يطلب بدم عثمان و معه ابان بن عثمان وولد عثمان حتی استمالوا اهل الشام واجتمعت کلمتهم۔" [۲]

مطلب یہ ہے کہ دم عثمانؓ کے قصاص کے مطالبہ میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ ابان بن عثمانؓ اور دیگر فرزندان عثمانؓ شامل تھے۔

۱ البدایہ لابن کثیر صفحہ ۱۲۹ / ج ۸ تحت ترجمہ معاویہؓ

۲ کتاب سلیم بن قیس الکوفی الھلالی العامری صفحہ ۱۵۳ مطبوعہ نجف اشرف تحت بحث معاویةؓ قراء الشام وقضاتهم

مقصد یہ ہے کہ مطالبہ ہذا کے معاملہ میں حضرت معاویہؓ منفرد اور تنہا نہیں تھے بلکہ حضرت عثمانؓ کی اولاد ان کے ساتھ تھی۔

تو معلوم ہوا کہ شرعی قواعد اور ضوابط کے اعتبار سے حضرت معاویہؓ کا یہ اقدام درست تھا اور اس میں ضابطہ اسلامی کی رو سے کوئی سقم نہیں تھا۔

عام معاشرہ کا قاعدہ بھی یہی ہے کہ قبیلہ میں سے جو شخص مسائل کو سلجھانے کی اہلیت رکھتا ہو اور معاملات کو احسن طریقہ سے حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو قبیلہ کے لوگ اپنے انفرادی یا اجتماعی معاملات اس کی تحویل میں دے دیتے ہیں اور ان معاملات کی تمام تر ذمہ داری اس کے حوالے کر دی جاتی ہے۔

اس معاشرتی طرز عمل اور طریق کار کے تحت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اولاد نے قصاص کا مطالبہ حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد کر دیا تھا اور حضرت امیر معاویہؓ نے اس مسئلہ کو اپنی ذمہ داری کی بنا پر اٹھایا۔ اور فریق مقابل کے سامنے (یہ مطالبہ) پیش کیا

مندرجات بالا کی روشنی میں طاعنین کا یہ اعتراض کہ حضرت امیر معاویہؓ کو قصاص دم عثمانؓ کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں تھا اور انہوں نے ایک شرعی قاعدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ بالکل بے جا ہے۔

نیز اس اعتراض کا جواب "سیرۃ سیدنا علی المرتضیٰؓ" کے مباحث صفین کے تحت قبل ازیں درج کر دیا گیا ہے۔

"بعض روایات میں ایک شنیع اطلاق"

اس سلسلہ میں ذیل میں ایک راویت درج کی جاتی ہے اس کے بعد اس کا جواب پیش کیا جائے گا۔

.... فان قال قائل فقد روی عن ابن عباس خلاف هذا فذکر ما حدثنا محمد بن عبداللہ بن میمون البغدادی قال ثنا الولید مسلم عن الاوزاعی عن عطاء قال قال رجل ابن عباس هل لک فی معاویۃ اوتر بواحدة وهو یرید ان یعیب معاویۃ فقال ابن عباس اصاب معاویۃ قیل له قد روی عن ابن عباس فی فعل معاویۃ هذا ما یدل علی انکاره اباه علیه

.... و ذالک ان ابا غسان مالک بن یحی الهمدانی حدثنا قال ثنا عبدالوهاب عن عطاء قال انا عمران بن حدیر عن عکرمۃ انه قال کنت مع ابن عباس عند معاویۃ نتحدث حتی ذهب هزیع (هزیع من اللیل ای طائفۃ من اللیل) من اللیل فقام معاویۃ فرکع رکعۃ واحدة "فقال ابن عباس من این تری اخذها الحمار"

...... حدثنا ابو بکرة قال ثنا عثمان بن عمر قال ثنا عمران فذکر با سناده مثله الا انه لم یقل الحمار

.... و قد یجوز ان یکون قول ابن عباس اصاب معاویۃ علی التقیۃ له ای اصاب فی شیء اخر لانه کان فی زمنه ولا یجوز علیه عندنا ان یکون ما خالف فعل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الذی قد علمه عنده صوابا وقد روی عن ابن عباس فی الوتر انه ثلاث

شاذ روایت ھذا کا جواب

(بطور معذرت عرض ہے یہ بحث اہل علم کے مناسب ہے عام ناظرین محسوس نہ فرماویں اسی بنا پر عبارات کے تراجم عموماً پیش نہیں کیے۔

مولف نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت نماز وتر ادا کرنے پر ابتدا

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ان کی تصویب و تائید ذکر کی ہے جو بالفاظ ذیل درج ہے۔
فقال ابن عباس: اصاب معاویۃ
اس کے بعد مولف نے قول مذکور کی تزیف کرنے کے لئے تمام کلام کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔
(۱)ابن عباسؓ سے امیر معاویۃؓ کے بارے میں ایک دوسرا کلام منقول ہے :۔ یعنی
فقال ابن عباس من ابن تری اخذھا الحمار"
اگرچہ اس روایت کے ایک دوسرے طریق میں لفظ "الحمار" مفقود ہے گویا یہ لفظ اس جملے کا جزو نہ تھا۔ اس کلام کو مولف نے مذکورہ بالا جملے کو رد کرنے کے لئے پیش کیا ہے کہ اس بات کی موجودگی میں "اصاب معاویۃ" کا قول کس طرح درست ہو سکتا ہے۔؟
(۲) دوسری چیز یہ ہے کہ "اصاب معاویۃ" کا قول علی سبیل "التقیۃ" ابن عباس سے صادر ہوا۔ اس وجہ سے کہ ابن عباسؓ ان کے دور خلافت میں تھے۔ (یعنی ان کا خلاف نہیں کر سکتے تھے)

"درجہ جواب"

یہ دونوں اعتراض اپنے مقام پر درست نہیں اور ابن عباسؓ کا سابقہ قول "اصاب معاویہ" بالکل درست ہے۔ اور اس کے متعارض جو روایت لائی گئی ہے اگر وہ واقعی متعارض ہے تو وہ یقیناً" صحیح نہیں۔ اور ابن عباسؓ پر "تقیہ" کا الزام لگانا سرا سر نا انصافی ہے وہ تقیہ کے قائل ہرگز نہ تھے اور یہ واقعات کے برخلاف ہے اور حضرت ابن عباسؓ کے علمی وقار اور وثاقت دینی کے متضاد ہے۔

قرائن و شواھد

اب اس چیز پر مندرجہ ذیل قرائن ذکر کئے جاتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے امیر معاویہؓ کے فعل (اوتر برکعۃ واحدۃ) کی تصویب کی ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے اور دیگر کئی روایات سے اور واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔
یعنی ابن عباسؓ نے ان کی تغلیط و تردید نہیں کی تھی کہ حضرت امیر معاویہؓ کو سخت اور

درشت الفاظ کہتے۔ آئندہ مندرجات پر نظر فرماویں تسلی ہو جائے گی۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت حسنؓ کے ساتھ صلح و مصالحت کے بعد امیر معاویہؓ کی بیعت کرلی تھی۔ یہ بیعت مجبوری سے نہیں بلکہ رضامندی سے تھی اور بیعت کے لائق شخصیت کے ساتھ کی تھی۔ (یہ چیز مسلمات میں سے ہے اس پر کسی حوالہ کی حاجت نہیں ہے)

(۲) ان کریبا مولی ابن عباس اخبرہ انہ رای ابن عباس یصلی فی المقصورۃ مع معاویتہ"۔[۱] یعنی حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ "المقصورۃ" میں نمازیں مل کر ادا کرتے تھے یہ چیز باہم ارتباط اور عدم انقباض کی دلیل ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب مسئلہ وتر میں عدد رکعت کی بحث ہوئی اور اس ضمن میں حضرت امیر معاویہؓ کا ذکر آیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ :-

(۱) دعہ فانہ قد صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔[۲]

(۲) لیس احد منا اعلم من معاویتہ"۔[۳]

(۳) قال ابن عباس اصاب (معاویتہ) انہ فقیہ"۔[۴]

یعنی یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں وہ صاحب اجتہاد اور فقیہ ہیں ان کے لئے اجتہاد اور

۱ کتاب مسئلہ اقربانوازی صفحہ ۱۳۹، ۱۴۰ بحوالہ المصنف لعبدالرزاق صفحہ ۴۱۴ / ج ۲ باب الصلوۃ فی المقصورۃ (تصنیف محمد نافع عفا اللہ عنہ)

۲ بخاری شریف صفحہ ۵۳۱ / ج اول باب ذکر معاویتہؓ

۳ السنن الکبری للبیہقی صفحہ ۲۶ / ج ۳ باب الوتر

۲ تاریخ ابن عساکر مخطوطہ ۲۶ ۷ جلد ۱۶ تحت ترجمہ معاویہؓ

۳ تاریخ ابن عساکر مخطوطہ صفحہ ۶۳ ۷ / ج ۱۱ تحت ترجمہ عکرمہ مولی ابن عباسؓ

۴ کتاب مسئلہ اقربانوازی ۱۳۸ بحوالہ بخاری شریف ۵۳۱ / ج اول باب ذکر معاویہؓ

۲ جامع الاصول لابن اثیر صفحہ ۳۵ / ج ۷ ابواب المناقب تحت فی عدد الوتر

۳ مشکوۃ شریف ۱۱۲، ۱۱۳ الفصل الثالث باب الوتر

۴ مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف ۱۷۴ / ج ۳ تحت باب الوتر الفصل الثالث

قیاس کا حق حاصل ہے۔

(۴)..... عن عطا (بن ابی رباح) اتی رجل (کریب مولی ابن عباس) الی ابن عباس فقال هل لک فی معاویۃ یوتر برکعتہ ؟ یرید ان یعیبہ فقال ابن عباس اصاب معاویۃ" ۱

(۵) واخرج (المروزی) من طریق علی بن عبداللہ بن عباس قال بت مع ابی عند معاویۃ فرایتہ اوتر برکعتہ فذکرت ذالک لابی فقال یبنی هو اعلم" ۲

تنبیہ

حضرت ابن عباسؓ کی زبانی حضرت امیر معاویہؓ کی توثیق ہذا یہ تمام البدایۃ والنھایۃ ابن کثیرؒ ۱۲۲۔۱۲۳ تحت احوال معاویۃؓ مذکور ہے اور ابن کثیرؒ نے عمدہ بحث درج کی ہے (یعنی تائید میں ہے نقد کے طور پر نہیں ہے)

(۶)..... وفی روایۃ قال ابن ابی ملیکۃ اوتر معاویۃ بعد العشاء برکعتہ و عندہ مولی ابن عباس فاتی ابن عباس فاخبرہ فقال دعہ فانہ قد صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم رواہ البخاری۔" ۳

(۷)..... مسند امام احمدؒ میں ابن عباسؓ سے امیر معاویہؓ کی ایک روایت (قصر شعر بمشقص) کے متعلق منقول ہے کہ عطاء (شاگرد ابن عباسؓ) نے کہا کہ یہ روایت تو صرف امیر معاویہؓ سے مروی ہے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ .....ما کان معاویۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متھما۔" ۴

۱ مختصر قیام اللیل و قیام رمضان و کتاب الوتر ص ۲۰۳ تحت باب وتر النبی صلی اللہ علیہ وسلم برکعۃ (محمد بن نصر المروزی)

۲ فتح الباری شرح بخاری شریف صفحہ ۸۳ / ج ۷ تحت ابواب المناقب (ذکر معاویۃؓ)

۳ مشکوۃ شریف ۱۱۳ باب الوتر الفصل الثالث (بحوالہ البخاری)

۲ تاریخ لابن عساکر مخطوطہ ۶۲۷ / ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویۃؓ

۴ مسند امام احمدؒ صفحہ ۱۰۲ / ج ۴ تحت حدیث معاویۃؓ

۳ تاریخ لابن عساکر مخطوط صفحہ ۶۷۲ / ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویۃؓ

تنبیہہ

یہ وہ صحیح روایات اور اقوال ابن عباسؓ ہیں جن کو محدثین اور مورخین نے اپنی صحیح اسانید کے ساتھ اس مقام میں نقل کیا ہے ان کے مقابل میں مولف کی روایات شاذ ہوں گی اور قابل اعتناء نہ ہوں گی۔

نیز ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ج ۱۶ ص ۱۷۶ پر ترجمہ معاویہؓ کے تحت اس مقام میں اپنے اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کے حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں متعدد اقوال درج کیے ہیں جن میں سے کسی ایک مقام میں بھی "الحمار" کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ بلکہ حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں "وثاقت" کے کلمات ذکر کیے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل روایت میں یہ شدید لفظ منقول نہیں بعد میں راوی نے اپنی جانب سے روایت میں اضافہ کر دیا ہے۔

قواعد کا لحاظ

(۱) مولف کی روایت جس میں بقول مولف حضرت امیر معاویہؓ کو ابن عباسؓ نے (ایک روایت کے مطابق "الحمار" سے تعبیر کیا ہے اس روایت کا کوئی متابع نہیں ملتا۔
اور جس روایت کا کوئی متابع نہ مل سکے وہ اہل فن کے نزدیک مقبول نہیں ہوتی۔ مختصر یہ ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کے نقل کرنے میں عکرمتہ (مولیٰ ابن عباسؓ) کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ "الحمار" والی روایت میں اگر حمار مخاطب کو نہیں کہا گیا تو یہ روایت باقی ان تمام روایات معروفہ مذکورہ بالا کے برخلاف پائی گئی ہے جو بالکل صحیح ہیں اور محدثین کے نزدیک معروف و مقبول ہیں (جیسا کہ ہم اس کی چند ایک مثالیں معتبر ماخذ سے نقل کر چکے ہیں) اس صورتمیں "الحمار" والی روایت منکر یا شاذ قرار پائے گی۔ فلہذا معروف روایات کو لیا جائے گا اور منکر یا شاذ روایت کو ترک کر دیا جائے گا۔

(۳) دیگر قاعدہ یہ ہے کہ :- "واذا اختلف کلام امام فیوخذ ما یوافق الادلتہ الظاھرۃ ویعرض عن ما خلفھا۔" ص۱۶۵

اس قاعدہ کے اعتبار سے بھی ابن عباسؓ کا وہ کلام قبول کیا جائے گا جو ظاہر دلائل کے موافق ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ غیر مقبول اور متروک ہو گا۔

مندرجات بالا کے ذریعے صاف طور پر ثابت ہوا کہ نقل اور قواعد دونوں کے اعتبار سے "لحمار" والی روایت حسب مراد معترض درست نہیں ہے۔

مولف کی علمی عظمت بے شک بڑی ہے مگر صحابہ کرامؓ کا مقام و مرتبہ ان سے بدرجہا رفیع اور بالا تر ہے

حقیقت یہ ہے کہ عقل نہیں تسلیم کرتی کہ حضرت امیر معاویہؓ کو حضرت ابن عباسؓ نے "لحمار" سے تعبیر کیا ہو۔ مسئلہ میں اختلاف رائے کا ہونا کوئی مستبعد امر نہیں لیکن اس کے لئے بھی اخلاقی حدود ہوتے ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ میں اجتہادی اختلاف موجود ہے اور یہ کوئی قبیح چیز نہیں۔ ایک رکعت وتر کے متعلق بعض دیگر صحابہ کرامؓ بھی قائل ہیں مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ

صحیح روایات میں ایک رکعت وتر کا منقول ہونا بھی مرفوعاً موجود ہے۔

مثلاً:۔

۱۔۔۔۔۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوتر رکعتہ من اخر اللیل رواہ مسلم۔" [۱]

۲۔۔۔۔۔ عن ایوب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوتر حق علی کل مسلم لمن احب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن احب ان یوتر بثلاث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدۃ فلیفعل۔ رواہ ابو داؤد والنسائی ابن ماجہ۔" [۲]

مزید لطف یہ ہے کہ بعض روایات میں موجود ہے کہ حضرت ابن عباسؓ خود بھی ایک رکعت وتر کے قائل تھے۔

ان مندرجہ حالات میں وہ دوسرے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے قبیح اور شنیع الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔؟

۱۔ مشکوۃ شریف ص ۱۱۱ باب الوتر الفصل الاول

۲۔ مشکوۃ شریف ص ۱۱۲ باب الوتر الفصل الثانی

ضروری تنبیہ

(روایت کی سند پر کلام)

علماء کبار نے عکرمتہ (مولیٰ ابن عباسؓ) کی کمال توثیق کے باوجود یہ بات تحریر کی ہے کہ "بعض دفعہ عکرمتہ حضرت ابن عباسؓ کی طرف غلط چیز کا انتساب کر دیتا تھا۔

عبداللہ بن عمرؓ۔ علی بن عبداللہ بن عباسؓ۔ سعید بن المسیب اور عطا بن ابی رباح (شاگرد ابن عباسؓ) وغیرہ حضرات نے تصریح کر دی ہے کہ بعض دفعہ عکرمتہ حضرت ابن عباسؓ پر جھوٹ لگاتا تھا۔[۱] اگر یہ بات موجود ہے تو پھر عکرمتہ نے ہی یہ الفاظ روایت میں اگر ایزاد کر دیئے ہوں تو کیا اعتبار ہے؟

عکرمتہ پر نقد

عکرمتہ (مولیٰ ابن عباسؓ) پر نقد کے لئے مقامات ذیل ملاحظہ ہوں

(۱) الکامل ابن عدی ج ۵ ص ۱۹۰۵۔۱۹۰۶ یہاں جرح و مدح دونوں دستیاب ہیں اور یہ چیز بھی مذکور ہے کہ ابن عباس پر بعض دفعہ جھوٹ لگاتا تھا اور خارجیوں کی رائے رکھتا تھا۔

(۲) التاریخ لابن عساکر مخطوطہ ج ۱۱ ص ۷۸۵ تحت ترجمہ عکرمتہ مذکور۔

(۳) العقیلی کی عبارت ملاحظہ ہو

"........ عن عبداللہ بن الحارث قال دخلت علی علی بن عبداللہ بن عباس فاذا عکرمۃ فی وثاق عند باب الحسن فقلت لہ الا تتقی اللہ ؟ قال فان ھذا الخبیث یکذب علی ابی۔"[۲]

---

۱ تہذیب التہذیب صفحہ ۲۶۷، ۲۶۸ / ج ۷ تحت عکرمہ (مولی ابن عباسؓ) البربری ابو عبداللہ المدنی

۲ (۱) الضعفاء الکبیر صفحہ ۳۷۴ / ج ۲ تحت عکرمہ مولی ابن عباس

(۲) تہذیب التہذیب لابن حجر ۲۶۷، ۲۶۸ تحت عکرمہ مذکور

(۳) المعارف لابن قتیبہ صفحہ ۴۵۶ طبع رابع القاہرہ تحت عکرمہ مذکور

(۴) البسویؒ کی عبارت

نا ابراھیم بن سعد عن ابیہ عن سعید بن المسیب انہ کان یقول لبرد مولاہ یا برد لا تکذب علی کما کذب عکرمۃ علی ابن عباس۔"[۱]

(۵) ابن عمر کا قول

قال ابو خلف الخزاز عن یحی البکاء سمعت ابن عمر یقول لنافع اتق اللہ ویحک یا نافع ولا تکذب علی کما کذب عکرمہ علی ابن عباس۔"[۱]

(۶) ابن عباسؓ کے دیگر شاگرد عطاء کا قول

قلت لعطاء ان عکرمۃ یقول قال ابن عباس سبق الکتاب المسح علی الخفین۔ فقال کذب عکرمۃ۔ انی رائت ابن عباس یمسح علیھما۔"[۲]

(۷) طبقات ابن سعد میں درج ہے کہ

وعجب الناس من اجتما عھما فی الموت واختلاف رائیھما عکرمۃ یظن انہ یری رای الخوارج یکفر بالنظرۃ و کثیر شیعی یومن بالرجعۃ۔"[۳]

(یہاں ایک عکرمتہ مولی ابن عباس اور دوسرا کثیر عزۃ الشاعر ہے)

مطلب یہ ہے کہ ۱۰۵ھ میں ایک ہی روز میں مدینہ شریف میں یہ دونوں صاحبان فوت ہوئے اور بعد الظہر ایک ہی مقام میں ان کا جنازہ پڑھا گیا اور اختلاف نظریات ان کا اس طرح تھا ....

(۱) کتاب المعرفۃ والتاریخ لابی یوسف البسویؒ صفحہ ۵ / ج ۲ تحت عکرمہ مولی ابن عباسؓ

(۲) تہذیب التہذیب صفحہ ۲۶۸ / ج ۷ تحت عکرمہ مولی ابن عباسؓ

(۳) المعارف لابن قتیبۃ صفحہ ۴۳۸ طبع رابع القاہرۃ تحت ذکر سعید بن المسیبؒ

(۴) التاریخ لابن عساکر کامل (مخطوطہ) صفحہ ۷۸۳ / ج ۱۱ تحت عکرمہ مولی ابن عباسؓ

۲ تہذیب التہذیب لابن حجر صفحہ ۲۶۷/ ج ۷ تحت عکرمہ مولی ابن عباسؓ

۳ الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ صفحہ / ۷۶ ج اول طبع مصر تحت باب المسح علی الخفین لابن حجر العسقلانی

۱ طبقات لابن سعد صفحہ ۲۱۶ / ج ۵ تحت عکرمہ مولی ابن عباس آخر ترجمہ

(۲) التاریخ لابن عساکر کامل (مخطوطہ) صفحہ ۷۹۱ / ج ۱۱ تحت عکرمہ مولی ابن عباسؓ

(یعنی عکرمہ خارجی ذہن اور کثیر شیعی ذہن رکھتا تھا)

قدیم مورخ اور محدث یحی بن معین نے عکرمہ کے متعلق مندرجہ ذیل کلام کیا ہے۔

(۴۳۷) قال یحی و بلغنا عن عکرمتہ انہ کان لا یقول ھذا (ای قول الخوارج) وھذا باطل۔" ۱ یعنی ابن معین کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ عکرمتہ رائے خوارج کا قول نہیں کرتا تھا۔ لیکن یہ چیز باطل ہے۔ وہ خوارج کی رائے رکھتا تھا۔

قال (مصعب بن عبدا للہ الزبیری) کان عکرمتہ یری رای الخوارج فطلبہ بعض ولاۃ المدینتہ فتغیب عند دائود بن الحصین حتی مات عندہ قالوا وکان عکرمتہ کثیر الحدیث والعلم بحرا من البحور ولیس یحتج بحدیثہ و یتکلم الناس فیہ"۔

کئی علماء نے عکرمہ کے حق میں رائے خوارج کا ذکر کیا ہے جب یہ بزرگ خارجی ہے تو پھر حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف ہونا ایک کھلی بات ہے۔ خارجی جس طرح حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف ہیں اسی طرح وہ حضرت امیر معاویہؓ اور حصرت عثمان غنیؓ کے بھی خلاف ہیں۔ تو اس اعتبار سے بھی مسئلہ ہذا صاف ہو گیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے "الحمار" نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ شدید الفاظ عکرمتہ اپنی طرف سے کہہ گئے ہیں اور اس طرح کے قبیح الفاظ کے ساتھ انہوں نے اپنا قلبی بغض ظاہر کیا ہے۔ عکرمہ کا حدیث پیغمبر صلعم میں ثقہ ہونا اور بات ہے اور آحاد امت کے بارے میں سیاسی اختلاف کی بنا پر اس قسم کی باتیں کہہ جانا دوسری بات ہے۔

حافظ ذھبیؒ نے توثیق عکرمہ کے بعد لکھا ہے کہ کذبہ مجاھد وابن سیرین و مالک......

قال احمد کان یروی رای الخوارج الصفریتہ۔ وقال ابن المدائنی کان عکرمتہ یری رای نجدۃ الحروری وقد وثقہ جماعتہ واحتجوا بہ"۔ ۱

۱ (۱) التاریخ یحیی بن معین (المتوفی ۲۳۳ھ) صفحہ ۴۱۲ / ج ۲ طبع مکہ مکرمہ

(۲) التاریخ یحیی بن معین صفحہ ۱۰۶ / ج ۳ روایت نمبر ۴۳۷ طبع مکہ مکرمہ

۲ (۱) طبقات لابن سعد صفحہ / ۲۱۶ ج ۵ آخر تذکرہ عکرمتہ طبع لیدن

(۲) المعارف لابن قتیبتہ صفحہ ۴۵۷ طبع رابع القاہرہ تحت عکرمتہ مولی ابن عباسؓ

کتاب المعرفتہ الرواۃ المتکلم فیھم بمالا یوجب السرد للذھبیؒ صفحہ ۱۴۸، ۲۴۲ تحت عکرمتہ طبع بیروت

حضرت ابن عباسؓ کے قول کو تقیہ پر محمول کرنا

مولف کتاب کی طرف سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو تقیہ پر محمول کرنا سرا سرناانصافی ہے اور واقعات کے برخلاف ہے۔

وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک مشہور و معروف کبار علماء صحابہؓ میں سے ہیں دین کے بارے میں صحابہؓ کے افعال و اقوال کسی مصلحت بنی پر محمول نہیں کئے جا سکتے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کے تعلقات کتابوں میں مذکور ہیں دیگر کبار ہاشمیوں کی طرح ان کی بھی آمدورفت حضرت امیر معاویہؓ کے ہاں برابر ہوتی تھی اور آپؓ ان سے وظائف بھی وصول کرتے تھے۔ مسائل شرعیہ میں باہمی گفتگو جاری رہتی تھی اور علمی مذاکرات بھی ہوتے رہتے تھے۔ اور اپنی رائے کا برملا اظہار کرتے تھے اس صورت حال میں اس بات کو کیسے تقیہ پر محمول کیا جا سکتا ہے۔؟

ان چیزوں کو ہم نے کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" میں امیر معاویہؓ کے متعلقات کے تحت بقدر ضروریات باحوالہ ذکر کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک چیز ۱۵۷ پر مذکور ہے کہ ایک شخص نے حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں کہا۔

واللہ لتستقیمن یا معاویتہ اولنقو منک فیقول بماذا ؟ فیقول بالخشب فیقول انا نستقیم" ص۱۷۷

یعنی اللہ قسم (اے معاویہ) خود بخود ٹھیک رہیے ورنہ ہم آپ کو درست کریں گے تو

(۱) کتاب المجتنی لابن درید صفحہ ۴۱ تحت کلام معاویہؓ
(۲) سیر اعلام النبلاء للذہبیؒ صفحہ ۱۰۲ / ج ۳ تحت ترجمہ معاویہؓ
(۳) تاریخ اسلام للذہبیؒ صفحہ ۳۲۲ / ج ۲ تحت معاویتہؓ
(۴) تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۱۳۶ طبع دہلی تحت ۴۱ھ حالات معاویہؓ بن ابی سفیانؓ

حضرت معاویہؓ نے فرمایا کس چیز کے ساتھ ؟ تو اس نے کہا لاٹھی کے ساتھ اس پر امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ تو پھر ہم ٹھیک ہو جائیں گے۔

یہ واقعات بتلاتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں ان کی خدمت میں حق گوئی برابر جاری تھی اور حق بات کہنے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں تھی۔ اور وہ ہر تنقید کو کشادہ دلی سے برداشت کرتے تھے۔

فلہذا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے بنابریں تقیہ" اس طرح فرمایا ہو گا ہرگز صحیح نہیں ہے اس رائے میں صاحب کتاب سے فروگزاشت ہوئی ہے یا پھر رواۃ کی طرف سے تصرف ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ اللہ کریم معاف فرمائے۔

حاصل کلام

(۱) روایت مذکورہ کا مختصراً جواب یہ ہے کہ اپنے خارجی نظریات کے تحت "الحمار" کے الفاظ نقل کرنے میں عکرمہ متفرد ہے اور یہ اس کی ایک شاذ روایت ہے۔

(۲) نیز اس قول میں اس کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس مسئلہ کو نقل کرنے والے ابن ابی ملیکہ۔ کریب (ابن عباسؓ کا غلام) اور ابن عباسؓ کے فرزند علی بن عبداللہ بن عباسؓ اور ایوب وغیرہ متعدد لوگ ہیں اور یہ تمام حضرات وتر کا واقعہ ہذا نقل کرتے ہیں لیکن یہ شنیع الفاظ (جو عکرمہ نے یہاں نقل کئے ہیں) وہ کسی ایک نے نہیں بیان کئے۔

فلہذا عکرمہ کے یہ الفاظ شاذ روایت کے درجہ میں ہیں اور قابل قبول نہیں بلکہ لائق اجتناب ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ روایت بالا کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر عیب چینی کرنا روا نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ رکھنا لازم ہے اور کسی روای کی اس قسم کی شنیع تعبیر سے ان کا وقار مجروح نہیں ہو سکتا۔

آخر کلام

اگر کوئی شخص (جو فن ہذا کے قواعد سے ناواقف ہے) یہ اشتباہ پیدا کرنا چاہے کہ

"پھر تو عکرمۃ کی تمام مرویات سے اعتماد اٹھ گیا اور اس کی ثقاہت کا کوئی لحاظ نہ کیا گیا۔ حالانکہ صحاح کی کتابوں میں اس کی مرویات موجود ہیں اور عند العلماء مقبول ہیں۔

تو اس اشتباہ کو رفع کرنے کے لئے وضاحت درج کی جاتی ہے کہ ایسے مواقع میں قاعدہ یہ ہے کہ "جو روایت کتاب و سنت کے مضمون کے برخلاف اور معروف روایات کے متضاد اور قواعد مسلمہ اور واقعات صحیحہ کے برعکس پائی جائے وہ اگرچہ ثقہ راوی سے منقول ہو اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اور اس کے ساتھ احتجاج کرنا درست نہیں ہوتا۔ وہ درجہ شاذ میں شمار کیا جاتی ہے۔

پس یہاں بھی یہی قاعدہ ملحوظ رکھا جائے گا کہ "عکرمۃ کی وہ روایات جو مذکورہ بالا قواعد کے برخلاف ہوں گی وہ متروک ہیں اور جو روایات اس فن کے خلاف نہیں وہ قابل قبول ہیں اور لائق احتجاج ہیں۔

پس اس طریقہ سے اشتباہ مذکورہ مرتفع ہو گیا۔

بندہ نے اپنی ناقص رائے کے پیش نظر "الحمار والی روایت" کا جواب پیش کیا ہے اگر علمائے کبار اس سے بہتر جواب بیان فرمادیں تو سبحان اللہ وہ بہترین ہو گا۔

ظلم اور زیادتی کا طعن

بعض لوگوں کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دوسروں کی جائیداد غصب کرنے اور غیر کے حق میں تجاوز کرنے کا اعتراض قائم کیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل روایت پیش کرتے ہیں کہ :۔

محمد بن جعفر عن شعبہ عن سعد بن ابراھیم انہ سمع رجلا من بنی مخزوم عن عمہ ان معاویۃ اراد ان یاخذ ارضا لعبد اللہ بن عمر و یقال لھا الوھط فامر موالیہ فلبسوا التھم وار ادو القتال قال فاتیتہ فقلت ماذا فقال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من مسلم یظلم بمظلمۃ فیقاتل فیقتل الا قتل شھیدا۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے لئے اراضی کی ایک جائیداد طائف میں تھی جس کو الوھط کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے اس زمین کو اپنی تحویل میں لینے اور اپنے کارندوں کے ذریعے اس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ان حالات میں عبداللہ بن عمرو بن العاص نے اس مسئلہ میں مدافعت اور معارضہ کی تیاری کر لی اور اپنے خدام کو فرمایا کہ ہتھیار پہن لو اور قتال کے لئے تیار ہو جاؤ تو روایت کرنے والا کہتا ہے کہ میں عبداللہ کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا بات ہے اور ایسا کیوں کر رہے ہو؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس مسلمان پر کوئی ظلم اور زیادتی ہونے لگے اس پر وہ قتال کرے اور اس صورت میں وہ قتل ہو جائے تو شہید ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ مخالف فریق ہم پر زیادتی کر رہے ہیں اور دفاع میں ہمارا مارا جانا شہادت ہے۔

الجواب

اس اعتراض کا جواب پیش کرنے کے لئے پہلے تو اس روایت کی سند و متن کے متعلق گفتگو کی جائے گی۔ اس کے بعد ایک دوسرے طریقے سے کلام ہو گا یعنی معاملات میں

حضرت معاویہؓ کا کردار و اخلاق سامنے رکھنے سے مسئلہ صاف ہو سکے گا۔

سند کے اعتبار سے

یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ روایت بنو مخزوم کے ایک شخص سے مروی ہے اور وہ اپنے چچا سے نقل کرتا ہے۔ یہ چچا بھتیجا دونوں مجہول الذات والصفات ہیں۔
فلہذا راوی کی جہالت کی وجہ سے یہ روایت قابل اعتناء نہیں

متن کے اعتبار سے

روایت کے متن میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اس موقعہ پر کوئی قتال واقع نہیں ہوا۔ یہاں صرف یہ مذکور ہے کہ جانبین نے اپنے اپنے فعل کا ارادہ کیا۔ اس میں یہ بیان نہیں ہے کہ ایک فریق نے دوسرے فریق کی اراضی غصب کر لی اور پھر دوسرے فریق نے اس پر قتال کیا۔ یہاں دونوں فریق کے ارادوں کا ذکر ہے۔
یہ کوئی قابل طعن بات نہیں ہے۔ آپس میں معاملات کی صورت میں کشیدگی اور تنازع کا پیش آنا معاشرے کے لوازمات میں سے ہے اس چیز پر کوئی اعتراض قائم کرنا صحیح نہیں۔

ایک نظیر

حضرت معاویہؓ کا ایک دوسرا واقعہ ہم بطور نظیر پیش کرتے ہیں کہ آپؓ معاملات میں دوسرے کے حق میں زیادتی پسند نہیں کرتے تھے بلکہ پوری انصاف پسندی سے کام لیتے تھے۔ مورخین نے آپؓ کی حق و انصاف پسندی کا درج ذیل واقعہ ذکر کیا ہے۔ اس کو ملاحظہ فرماویں۔
حضرت معاویہؓ کی مدینہ منورہ میں کچھ اراضی تھی اور اس پر آپؓ کا غلام النضیر وکیل اور نگران تھا۔ اس اراضی سے ملحق حضرت زید بن الخطاب کے فرزند عبدالرحمان کی بھی اراضی تھی۔ النضیر نے عبدالرحمان کی اراضی کو حضرت معاویہؓ کی اراضی کے ساتھ منضم کر لیا اور کہا کہ یہ رقبہ حضرت معاویہؓ کا ہے اور عبدالرحمان نے کہا کہ میرے والد زید جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ قطعہ اراضی ہمارے لئے متعین کر دیا تھا

ان دنوں مروان بن حکم حاکم مدینہ تھا جب یہ معاملہ ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے مصالحت کی کوشش کی مگر صلح نہ ہو سکی۔ چنانچہ عبدالرحمان بن زید حضرت امیر معاویہؓ کے ہاں شام چلے گئے۔ آپ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں پیش ہوئے اور واقعہ بیان کیا کہ آپ کے وکیل مذکور نے اس طرح زمین میں تجاوز کر کے قبضہ کر لیا ہے یہ زمین تو ہمیں خلیفہ اول صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے دی ہوئی تھی۔

تو حضرت معاویہؓ نے کہا کہ تم نے زمین بالکل ترک کر دی اور بنجر بنا دی اور غیر آباد کر دی۔ ہم نے حضرت عثمانؓ کے اذن سے پھر آباد کاری کی ہے اس میں کھجور کے پودے لگائے ہیں وغیرہ وغیرہ کافی اخراجات کئے ہیں۔ اب تم دعویٰ کرتے ہو۔

غرض تنازعہ قائم رہا۔ آخر کار فیصلہ ہوا کہ اس وقت کے قاضی افضالتہ بن عبید الانصاری) جو فیصلہ فرمادیں وہ منظور ہے۔

چنانچہ دونوں حضرات (عبدالرحمٰن بن زیدؓ اور حضرت معاویہؓ) قاضی فضالہ بن عبید الانصاری کے پاس پہنچے۔ فریق اول عبدالرحمٰن کے پہلے بیان ہوئے اس کے بعد امیرالمومنین معاویہؓ کے بیانات سنے گئے۔ تو قاضی موصوف نے فیصلہ دیا کہ۔ **ان القول قول عبدالرحمن والحق معہ فقضی بہ فقال معاویتہ نقبل ما قلت**" یعنی عبدالرحمان کا بیان معتبر اور قابل تسلیم ہے اور حق اسی کے ساتھ ہے پس قاضی نے ان کے حق میں فیصلہ دیا حضرت معاویہؓ نے کہا کہ جو کچھ آپ نے فیصلہ کیا ہے ہم اسے قبول کرتے ہیں۔ لیکن جو مصارف ہم نے اس کی آباد کاری کے لئے کئے ہیں اور پودے وغیرہ لگائے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟ تو قاضی فضالہ الانصاری نے فرمایا کہ درختوں اور آباد کاری کے مصارف اگر عبدالرحمٰن ادا کر دیں تو زمین کے ساتھ درختوں کے بھی مالک ہیں اور یہ صورت اختیار نہ کریں تو زمین کی قیمت کی ضمان لے لے (یعنی زمین کی قیمت وصول کر کے) اپنا تنازعہ ختم کر دیں ان حالات کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے کہا کہ جو آباد کاری ہو چکی ہے وہ بھی اور جو کچھ زمین انہوں نے لے لی ہے وہ بھی ہم ان کو صلہ رحمی کے طور پر دیتے ہیں۔ اور یہی چیز حضرت معاویہؓ نے اپنے وکیل النضیر کی طرف لکھ دی اور ان کا قرض ادا کر دیا اور ان کو شرف عطاء میں شامل کر لیا۔ اور فرمایا کہ اے بھتیجے! آپ اس کے حق دار ہیں اور پھر مزید

کچھ مال دیا فتکلم عبدالرحمن بقولہ الاول و تکلم معاویۃ بقولہ الاول فرای فضالۃ ان القول قول عبدالرحمن والحق معہ فقضی بہ فقال معاویۃ نقبل ما قلت ارایت ماغرست فیھا قال یقوم ذالک لک فان شاء ضمنک قیمۃ الارض فقال عبدالرحمن قدا نصفت

فقال معاویۃ فالغراس لہ و ما مد الیہ یدہ من ارضی فھولہ صلۃ لرحمہ' وکتب لہ بذالک الی وکیلہ وقضی دینہ والحقہ فی شرف العطاء قال انت مستحق لذالک یا ابن اخی الفاروق والشھید واعطاہ مالا -''[۱]۷۸ھ

مختصر یہ ہے کہ

(۱) واقعہ ہذا سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حق پسند تھے حق بات تسلیم کرتے تھے اور غیر کے حقوق میں تجاوز کرنے والے نہیں تھے فلہذا ان کے خلاف مندرجہ بالا اعتراض بے جا ہے

(۲) نیز یہاں سے واضح ہوا کہ حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں عدلیہ آزاد تھی۔ حق بات کا فیصلہ آزاد رائے سے کرتے تھے۔ اور عدالت احکام شرعی کی پابند تھی۔ خلیفہ کا ان پر کوئی دباؤ نہ تھا بلکہ خلیفہ وقت بوقت ضرورت عدالت میں خود پیش ہوتا اور امیرالمومنین کے خلاف قاضی فیصلہ دیتا تو وہ بخوشی تسلیم کرتا تھا۔

''عدلیہ کی آزادی کے خاتمہ'' کا پروپیگنڈا سرا سر واقعات کے برخلاف ہے جیسا کہ ناظرین کرام نے گزشتہ سطور میں ملاحظہ کیا۔

بعض لوگ حضرت معاویہؓ کے دور کو ظلم و زیادتی کا دور ثابت کرنے کے لئے بڑی کوشش کرتے ہیں۔ واقعہ ہذا اس بات کی شہادت ہے کہ قاضیوں کی عدالت اپنے فیصلے دینے میں آزاد تھی حتی کہ خلیفہ وقت کے خلاف بھی فیصلہ کر سکتی تھی۔

[۱] انساب الاشراف للبلاذری صفحہ ۱۱۱' ۱۱۲ / ج رابع ق اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیانؓ طبع یروشلم

قتل نفس اور اکل مال بالباطل کا طعن پھر اس کا جواب

طعن

حضرت امیر معاویہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بعض روایات میں مذکور ہے کہ :۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے ایک بار فرمان نبویؐ بیان فرمایا تو اس کے جواب میں عبدالرحمان بن عبد رب الکعبہ نے حضرت امیر معاویہؓ پر الزام عائد کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہمیں "قتل نفس" اور "اکل مال بالباطل" کا حکم دیتے ہیں :۔

............(فرمان نبویؐ)............ **ومن بايع اماما فاعطاه صفقته يده و ثمرة قلبه فليطعه ان استطاع فان جاء اخرينا زعه فاضرب عنق الاخر**.........(پھر عبدالرحمان بن عبد رب الکعبہ کا قول ہے کہ)........ **هذا ابن عمك معاوية يا مرنا ان نا كل اموالنا بالباطل و نقتل انفسنا** ....

"الجواب"

اولاً۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس روایت کے رواۃ میں ایک راوی زید بن وھب الجہنی الکوفی ہے جس کے متعلق علماء نے ثقاہت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ :۔ "**فی حدیثه خلل کثیر**"[۱،۲]

ثانیاً۔ یہ ذکر کرنا مناسب ہے کہ اس روایت کا محمل وہ دور ہے جب کہ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے درمیان قصاص دم عثمانؓ کے سلسلہ میں باہم تنازعات قائم تھے نیز روایت ہذا کو دیگر کبار محدثین نے بھی ذکر کیا ہے لیکن متن روایت میں قابل

---

۱ تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی صفحہ ۴۲۷ / ج ۳ تحت زید بن وھب الجہنی

(۲) کتاب المعرفۃ والتاریخ للبسویؒ صفحہ ۷۶۸، ۷۶۹ / ج ۲ تحت زید بن وھب الجہنی

اعتراض الفاظ (یامرنا ان ناکل اموالنا بالباطل و نقتل انفسنا) مفقود اور غیر مذکور ہیں۔[1] یہاں سے روایت میں رواۃ کا تصرف اور کمی بیشی عیاں ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ قابل اعتراض کلمات راوی کی طرف سے اضافہ شدہ ہیں اور اس نے ان کلمات کو اپنے ظن و گمان کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف ذکر کیا ہے۔

اسی مضمون کو شارح مسلم امام النواویؒ نے بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:۔

"...... المقصود بھذا الکلام ان ھذا القائل لما سمع کلام عبداللہ بن عمرو بن العاص و ذکرہ الحدیث فی تحریم منازعۃ الخلیفۃ الاول و ان الثانی یقتل فاعتقد ھذا القائل ھذا الوصف فی معاویۃ لمنازعتہ علیا و کانت قد سبقت بیعۃ علی فرای ھذا ان نفقۃ معاویۃ علی اجنادہ و اتباعہ فی حرب علی و منازعتہ و مقاتلتہ ایاہ من اکل المال بالباطل و من قتل النفس لانہ قتال بغیر حق فلا یستحق احد مالا فی مقاتلتہ"[2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب راوی عبدالرحمان بن عبد رب الکعبہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے یہ حدیث سنی کہ "خلیفہ اول منتخب ہو جانے کے بعد اس کے ساتھ منازعت حرام ہے اور خلافت کے دوسرے دعویدار کے ساتھ مقاتلہ کرنا چاہئے تو اس راوی نے (اس دور کے حالات کے پیش نظر) یہ گمان کیا کہ یہ وصف حضرت امیر معاویہؓ میں موجود ہے یعنی حضرت علیؓ کی بیعت ہو چکی ہے اور حضرت معاویہؓ ان کے خلاف منازعت کئے ہوئے ہیں گویا کہ (حضرت علیؓ کے خلاف) ان کے جنود اور لشکروں پر خرچ کرنا باطل طریقہ ہے اور قتال کرنا قتل نفس کی دعوت ہے۔

---

(۱) السنن لابن ماجہؒ ۲۹۲، ۲۹۳ آخر باب السواد الاعظم من ابواب الفتن

(۲) السنن للنسائی صفحہ ۱۶۴، ۱۶۵ / ج ۲ کتاب البیعۃ تحت ذکر ما علی من بایع الامام .... الخ

۲ شرح المسلم للنواویؒ صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷ / ج ۲ تحت روایت ہذا (ابن عمک معاویۃ.... الخ

تو اپنے اس گمان کو راوی (عبدالرحمان بن عبد رب الکعبہ) نے ان کلمات سے تعبیر کیا اور کہا کہ **امیر معاویۃ یامرنا ان نا کل اموالنا بالباطل و نقتل انفسنا** حالانکہ حضرت معاویہؓ مدعی خلافت نہ تھے اور مسئلہ خلافت میں حضرت علیؓ کے ساتھ نزاع کنندہ نہیں تھے بلکہ ان کا نزاع اور خلاف قصاص دم عثمانؓ میں تھا خلافت و امارت میں نہیں تھا۔ جیسا کہ یہ چیز اپنی جگہ پر منقح ہو چکی ہے۔ سیرت علوی کے یہ مقامات ملاحظہ کریں۔

فلہذا اس حدیث کی مخالفت نہ پائی گئی اور حضرت معاویہؓ فرمان نبوی کے مخالف نہ ہوئے گویا یہ کلام راوی کے اپنے گمان کے اعتبار سے ٹھہرا واقعہ کے اعتبار سے درست نہیں"

درایتاً

درایت کے اعتبار سے یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ اگر معترض کا اعتراض (**اکل اموال بالباطل وقتل نفس**) صحیح ہے تو قابل توجہ یہ چیز ہے کہ اس دور کے صحابہ کرامؓ جو حضرت امیر معاویہؓ کے ہم نوا تھے انہوں نے "**امر بالمعروف اور نہی عن المنکر**" کا فریضہ کیوں ادا نہیں کیا؟ اور حضرت معاویہؓ کی جنگوں میں انہوں نے شرکت کیسے اختیار کی؟ مالی و جانی تعاون کس طرح کرتے رہے؟

پس یہ امور اس بات کے قرائن و شواہد ہیں کہ معترض کا گمان اپنی جگہ پر صحیح نہیں اور روایت مذکورہ بالا کا مفہوم وہی درست اور صحیح ہے جو اکابر علماء نے ذکر کیا ہے۔

"محمد بن ابی بکر کا قتل"

معترض احباب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مظالم جہاں ذکر کرتے ہیں ان میں محمد بن ابی بکر کو قتل کر دینے اور ان کی لاش کو گدھے کی کھال میں رکھ کر جلانے کے وحشیانہ سلوک کا اعتراض بڑی آب و تاب سے بیان کرتے ہیں۔

"اعتراض کا جواب"

اس اعتراض کے جواب کے لئے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان کے ملاحظہ کر لینے سے صحیح صورت حال واضح ہو سکے گی۔

(۱) یہاں یہ چیز پہلے ذکر کر دینا ضروری ہے کہ واقعہ صفین کے بعد تحکیم کے موقعہ پر فیصل حضرات جب کسی متفقہ فیصلہ پر نہیں پہنچ سکے تو حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی خلافت کے لئے جدوجہد شروع کر دی اسی دوران مصر میں محمد بن ابی بکر کے قتل کا واقعہ ۳۸ ھ میں پیش آیا

(۲) محمد بن ابی بکر حضرت علی المرتضیٰؓ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ کے سابق فرزند تھے اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے زیر کفالت جوان ہوئے تھے۔

جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا ہے تو حملہ آوروں کی شورش میں یہ برابر کے شریک رہے اور قاتلین عثمانؓ کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوئے۔

محمد بن ابی بکر کا ان شورشوں میں شریک رہنا اور بغاوت کرنے والوں کی حمایت کرنا ان کا ایک "ذاتی معاملہ" تھا اس میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی رائے دوسری تھی اور وہ اس معاملہ میں حامی نہیں تھے جیسا کہ شہادت عثمانؓ کے واقعہ میں بیان کیا گیا (جو کتاب رحماء بینھم حصہ عثمانی باب پنجم میں مذکور ہے)

محمد بن ابی بکر کا یہ مسئلہ اسی طرح ہے جس طرح عمار بن یاسرؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ

بعض امور میں خلاف رائے رکھتے تھے اور دیگر صحابہ کرامؓ عمارؓ کے ہم نوا نہیں تھے۔

حضرت عثمانؓ کے بارے میں محمد بن ابی بکر کے مخالفانہ و معاندانہ رویہ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ درست نہیں سمجھتی تھیں اور ان کو ان حرکات سے منع کرتیں لیکن یہ اپنے رویہ سے باز نہیں رہتے تھے۔

(۳) جس وقت حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور خلافت میں واقعہ صفین کے بعد ایک فریق کے دوسرے کے ساتھ معارضات جاری تھے اور مختلف علاقوں میں ہر دو فریق کے مقابلے اور مسابقتیں ہو رہی تھیں۔ اور یہ شورشیں قتل و قتال تک پہنچتیں تھیں

ان ایام میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم بنا کر روانہ کیا۔ وہاں انہیں مشکلات کا سامنا ہوا تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے اشترالنخعی کو ان کی معاونت کے لئے بھیجا مگر وہ راستے ہی میں قلزم کے مقام میں فوت ہو گئے۔

اسی دوران حضرت امیر معاویہؓ نے عمرو بن العاصؓ کو مصر کا والی مقرر کیا اور وہ اپنے حامیوں سمیت مصر پہنچ گئے۔ علاقہ مصر میں لوگ حضرت عثمان غنیؓ کی مظلومانہ شہادت سے کافی متاثر تھے خصوصاً خربتا کے لوگ حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف رائے رکھتے تھے اور مظلومیت عثمانؓ کو بڑی اہمیت دیتے تھے یہ لوگ حضرت عمرو بن العاصؓ کی حمایت میں ان کے ساتھ ہو گئے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے فریق مخالف کے مقابلہ کے لئے معاویہ بن خدیج کو مقرر کر کے روانہ کیا۔ معاویہ بن خدیج کا پہلے معارضہ کنانہ بن بشر وغیرہ کے ساتھ پیش آیا باہم قتل ہوا اور کنانہ بن بشر مقتول ہوا۔ اس کے بعد ان کا معارضہ محمد بن ابی بکر اور اس کے ساتھیوں سے ہوا اور محمد بن ابی بکر مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور قتل ہوئے۔

تنبیہ

محمد بن ابی بکر کے قتل کے متعلق مورخین نے اس مقام میں متعدد صورتیں ذکر کی ہیں۔ واقعہ کی تفصیلات البدایہ لابن کثیرؒ ج ۷ ص ۳۱۳۔۳۱۴ تحت واقعہ ہذا اور الاصابہ لابن حجر العسقلانی ج ۳ ص ۴۱۵ تحت حرف المیم (محمد بن ابی بکر) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں ہم یہاں بالاختصار ذکر کرتے ہیں۔

(۱) ایک صورت تو یہ ہے کہ معاویہ بن خدیج سے ان کا مقابلہ ہوا اور اس معارضہ کے دوران قتل ہو گئے۔

(۲) دوسری صورت یہ ذکر کی جاتی ہے کہ معارضہ کے بعد ان کو گرفتار کر کے عمرو بن العاصؓ کے سامنے پیش کیا گیا وہاں ان کی باہمی سخت کلامی ہوئی اور پھر ان کو قتل کر دیا گیا

محمد بن ابی بکر کے قتل کی وجہ فریق مخالف کی زبانی اسی طرح مذکور ہے کہ۔

معاویہ بن خدیج الکندی کی ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ ملاقات ہوئی تو عبدالرحمٰن نے بطور طعن کہا:۔

"...... یا معاویۃ (ابن خدیج) قد اخذت اجرک من معاویۃ بن ابی سفیان۔ لما قتلت محمد بن ابی بکر لیولیک مصر فقد ولاکھا فقال ما قتلت محمدا لولایۃ وانما قتلتہ لقتلہ عثمان۔" ۔[۱]

یعنی اے ابن خدیج! تو نے معاویہ بن ابی سفیان سے میرے بھائی محمد بن ابی بکر کے قتل کا اجر حاصل کر لیا؟ اور تجھے مصر کا والی بنا دیا گیا؟

تو ابن خدیج نے کہا کہ میں نے ولایت مصر کے لئے محمد بن ابی بکر کو نہیں قتل کیا تھا بلکہ میں نے تو اس لئے قتل کیا تھا کہ وہ قاتلین عثمانؓ میں شریک تھا۔

مختصر یہ ہے کہ کنانہ بن بشر اور محمد بن ابی بکر وغیرہ کا مقتول ہونا فریق مخالف کی طرف سے اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے خلاف شورشوں میں شریک تھے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت میں ان کا پورا حصہ تھا۔

(۳) مورخین نے محمد بن ابی بکر کے قتل کی ایک یہ صورت بھی ذکر کی ہے کہ جب دونوں جماعتوں کا باہم قتال ہوا تو محمد بن ابی بکر شکست کھا کر بھاگ گئے اور ایک مقام میں مختفی ہو گئے۔ پھر وہاں سے ان کو تلاش کر کے قتل کر دیا گیا۔

یہاں مورخ طبری نے ابو مخنف سے یہ روایت ذکر کی ہے اور لکھا ہے کہ محمد بن ابی بکر کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا پھر ان کی لاش کو گدھے کی کھال میں داخل کر کے جلا دیا گیا۔

۱ البیان المغرب فی اخبار المغرب صفحہ ۱۳ / ج ۱ از ابن عذاری المراکشی تحت اخبار معاویہ بن خدیج ا منبوی (طبع بیروت)

فقدمہ فقتلہ ثم القاہ فی جیفۃ حمار ثم احرقہ بالنار.......[۱]

اسی روایت کے آخر میں طبری نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو جب محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر پہنچی تو انہوں نے .... حضرت امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ پر قنوت پڑھنا شروع کر دی یعنی نمازوں کے آخر میں بددعا فرمائی تھیں۔

یہاں یہ بات نہایت اہم ہے کہ "گدھے کی کھال میں ڈال کر جلانے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بد دعائیں کرنے" کی یہ روایت ابو مخنف لوط بن یحیی رافضی بزرگ سے مروی ہے نیز اسناد میں ابو مخنف ایک واسطہ کے ذریعے عن شیخ من اھل المدینہ سے نقل کرتا ہے۔ وہ شیخ اپنی جگہ پر مجہول الذات و الصفات ہے۔

فلہذا ایسی مجروح روایت ہرگز قابل اعتماد نہیں۔ جس سے صحابہ کرامؓ پر طعن قائم کیا جا سکے۔

نیز واضح رہے کہ طبری سے بعد والے مورخین اس روایت کو طبری سے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں ہم نے یہاں قتل کی وجوہ اور مختلف صورتیں ذکر کرنے کے علاوہ روایت کی باعتبار سند کے حقیقت حال درج کر دی ہے فلہذا مذکورہ بالا اعتراض کا بے جا ہونا واضح ہو گیا ہے۔ اور وحشیانہ سلوک کی حقیقت بھی سامنے آ گئی کہ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

حاصل یہ ہے کہ یہاں بناء الفاسد علی الفاسد کا معاملہ ہے فلہذا وحشیانہ سلوک کی داستان غیر صحیح ہے۔

نیز حضرت صدیقہؓ کے متعلق قنوت بعد از نماز شروع کر دینے کا اعتراض بھی صحیح نہیں ایک تو یہ روایت سنداً مقدوح و مجروح ہے دوسری بات یہ ہے کہ حضرت صدیقہؓ کے حضرت معاویہؓ کے ساتھ تعلقات تازیست صحیح رہے انہوں نے روابط منقطع نہیں کئے یہ چیز بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ واقعات اس طرح نہیں جس طرح معترضین بنا سجا کر پیش کرتے ہیں

قبل ازیں ہم نے محمد بن ابی بکر کے قتل کے متعلق موقعہ کی مناسبت سے کچھ حالات سیرت سیدنا علی المرتضیٰؓ میں "بعض انتظامی امور" کے عنوان کے تحت ذکر کر دیئے ہیں اور وہیں اشترالنخعی کا ذکر بھی بقدر ضرورت ہو چکا ہے۔

[۱] تاریخ ابن جریر طبری صفحہ ۶۰ / ج ۶ تحت واقعہ ہذا سنہ ۳۸ھ

حجر بن عدی وغیرہ کا قتل

حضرت معاویہؓ کے جملہ مطاعن میں سے اس دور کے بعض لوگوں کو قتل کرنے کا طعن اعتراض کرنے والوں کی طرف سے بڑے آب و تاب کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور اس کی تمہیدی چیزوں میں یہ بیان کیا کرتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نھی عن المنکر جو مسئلہ شرعی ہے اس کی آزادی سلب کر لی گئی تھی اور لوگوں کی زبانیں حق بات کہنے سے روک دی گئی تھیں۔ ان پر قفل چڑھا دیئے گئے تھے جو حق بات کہتا تھا اس کو بدترین سزا دی جاتی تھی۔ اس سلسلہ میں حجر بن عدی کا قتل سرفہرست ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کو حق بات کہنے پر ۵۱ ھ میں بلاوجہ جواز قتل کر دیا گیا۔

الجواب

اس طعن کو صاف کرنے کے لئے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان پر انصاف سے غور کر لینے کے بعد طعن مرتفع ہو سکے گا۔

پہلے ہم حجر بن عدی کی شخصیت کے متعلق کچھ وضاحت کرنا چاہتے ہیں اس کے بعد باقی متعلقہ امور ذکر کیے جائیں گے۔

حجر بن عدی

حجر بن عدی بن جبل بن عدی کوفہ کے قبیلہ کندہ کے روسا میں سے تھے ان کو حجر الخیر اور حجر بن الادبر بھی کہتے تھے۔

بعض مورخین اور علماء نے حجر کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ اپنے بھائی ھانی بن عدی کے ساتھ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ وہ عابد و زاہد تھے اور دیگر علماء مثلاً" امام بخاری۔ ابن ابی حاتم خلیفہ ابن خیاط

اور ابن حبان وغیرہ نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔ ۱

ابن کثیر نے یہ بات ذکر کی ہے کہ :-

قال ابو احمد العسکری اکثر المحدثین لا یصححون له صحبته" ۲

یعنی ابو احمد عسکری کہتے ہیں کہ اکثر محدثین حجر بن عدی کے صحابی ہونے کو صحیح قرار نہیں دیتے

آپ جنگ قادسیہ میں شامل ہوئے تھے اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی حمایت میں جمل اور صفین کی حروب میں بھی شامل ہوئے۔

آپ کا شمار حضرت علی المرتضیٰؓ کے خاص حامیوں میں ہوتا تھا۔ آپ حضرت عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے نظریاتی طور پر سخت خلاف تھے۔ کوفہ سبائی پارٹی کا خصوصی مرکز تھا حکومت کے خلاف ان کی سازشوں اور فتنہ پردازیوں سے جو لوگ متاثر تھے ان میں حجر بن عدی نمایاں حیثیت رکھتے تھے اور فتنہ انگیز پارٹی کے اثرات سے کافی متاثر بلکہ مغلوب تھے

علماء نے لکھا ہے کہ حجر بن عدی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عذراء کے مقام میں شعبان ۵۱ھ میں قتل کئے گئے۔ ۳

خلیفہ کی مخالفت

جب حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت امام حسنؓ کا دور خلافت گزر گیا اور حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کا دور آیا تو حجر بن عدی کے نظریات میں خاصا تصلب واقع ہو چکا تھا

امیر معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے امیر مغیرہ بن شعبہؓ جب خطبہ دیتے تو یہ لوگ ان کے خلاف تشدد اور سخت کلامی کے ساتھ پیش آتے لیکن حضرت مغیرہؓ اپنی قوت برداشت اور حلم کی بنا پر درگزر فرماتے اور مناسب فہمائش کرتے کہ امیر وقت کے ساتھ معارضہ کرنا درست نہیں مگر حجر بن عدی اپنے تشدد سے باز نہیں آتے تھے۔

۱ الاصابہ لابن حجر صفحہ ۳۱۳ / ج اول تحت حجر بن عدی

۲ البدایہ لابن کثیرؒ صفحہ ۵۰ / ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ

۳ المستدرک للحاکم صفحہ ۴۶۹ / ج ۳

۴ البدایہ لابن کثیرؒ صفحہ ۵۰ / ج ۸ تحت حالات سنہ ۵۱ھ

مسئلہ عطا پر نقد

بعض دفعہ لوگوں کو وظائف کی ادائیگی میں تاخیر ہو جاتی تو حجر بن عدی حضرت مغیرہ کی مذمت میں اٹھ کھڑے ہوتے۔ اور جب بعض لوگوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو حجر بن عدی پر سختی کرنے کے لئے کہا کہ یہ مسلمانوں کے اتفاق کی لٹھ توڑنا چاہتے ہیں اور امیر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو پھر بھی حضرت مغیرہ نے ان کو کوئی سزا نہیں دی اور ان سے درگزر فرمایا۔

بیت المال کے اموال پر معارضہ

مورخین لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہؓ نے والئ کوفہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ بیت المال سے کچھ مال یہاں دارالخلافہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ جب حضرت مغیرہ یہ مال بھیجنے لگے تو حجر بن عدی معارضہ کرتے ہوئے ان سواریوں کی زمام پکڑ کر مال روکنے پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ یہاں حق والوں کا حق ادا کیا جائے۔

اس موقعہ پر بھی حضرت مغیرہؓ نے حسب معمول سختی نہیں کی اور عفو و درگزر سے کام لیا۔[۱]

بعدہ حضرت مغیرہ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ ۵۰ ھ میں وفات پا گئے اور حضرت امیر معاویہؓ نے زیاد بن ابیہ کو کوفہ اور بصرہ دونوں کا والی مقرر فرما دیا۔

حجر بن عدی اپنی سابقہ روش کے مطابق زیاد بن ابیہ والئ کوفہ و بصرہ کے خطبات میں بھی تنقید اور معارضہ کرنے لگے اور حکومت کے نظم کے معاملات میں دخیل ہونے لگے۔

والئ کوفہ پر کنکر پھینکنا

ایک روز زیاد بن ابیہ کوفہ میں خطبہ دینے لگا اس مقام میں حجر بن عدی اپنی جمعیت کے ساتھ موجود تھے اور ہتھیار لگا کر آئے تھے۔

زیاد نے خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد دیگر چیزوں کے علاوہ امیر المومنین کے حقوق کا ذکر کیا۔ اس مسئلہ پر حجر بن عدی کو اختلاف تھا اس نے زیاد پر کنکر پھینکے اور کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم پر اللہ کی لعنت ہے۔

۱۔ البدایہ لابن کثیرؒ صفحہ ۵۰ / ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ

"...... وجعل زیاد فی خطبه ان من حق امیر المومنین یعنی کذا و کذا فاخذ حجر کفا حصباء فحصبه وقال کذبت علیک لعنة الله۔"[۱]

حجر بن عدی اور اس کے رفقاء کا رویہ

ابن کثیرؒ نے البدایہ میں ابن جریر الطبری کے حوالہ سے اس جمعیت کی شورشوں اور فتنہ پردازیوں کو متعدد بار ذکر کیا ہے اور ایک مقام پر اس چیز کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے۔
"...... انہم کانوا ینالون من عثمان و یطلقون فیہ مقالة الجور و ینتقدون علی الامراء و یسارعون فی الانکار علیہم و یبالغون فی ذالک ویتولون شیعة علیؓ و یتشددون فی الدین۔"[۲]

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے حق میں اعتراض کرتے تھے اور ان کے حق میں جور و ظلم منسوب کرتے تھے وہ امراء و حکام کی سخت عیب جوئی کرتے تھے اور ان پر انکار کرنے میں جلد بازی کرتے تھے اور اس معاملہ میں غلو کرتے تھے۔ شیعان علیؓ کی دوستی کا دم بھرتے تھے اور دین کے معاملات میں تشدد اختیار کئے ہوئے تھے۔

گویا اس جماعت کے طریق کار کو بطور نمونہ ذکر کیا ہے ان کے کارناموں کی مزید تشریح آئندہ سطور میں آ رہی ہے اسی سلسلہ میں معارضہ کے واقعات کو زیاد نے حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں بصورت مکتوب لکھا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے جواباً لکھا کہ حجر بن عدی اور شورش میں شامل اس کے دیگر ساتھیوں کو گرفتار کر کے یہاں دمشق بھیج دیا جائے۔

چنانچہ زیاد نے ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے لئے چند آدمی بھیجے تو حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے پتھروں اور ڈنڈوں سے ان کا پورا پورا مقابلہ کیا۔ مگر زیاد کے آدمی انہیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے اور زیاد نے انہیں دس دن اپنے پاس حراست میں رکھا۔ پھر اس کے بعد ان کو خلیفہ وقت حضرت امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دیا اور ان کے ساتھ ایک جمعیت کو بھیجا جو گواہی دیتے تھے کہ:۔

۱۔ حجر بن عدی نے خلیفہ وقت پر سب و شتم کیا ہے۔

۱ البدایہ لابن کثیرؒ صفحہ ۵۱ / ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ

۲ البدایہ لابن کثیرؒ صفحہ ۵۴ / ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (حالات قتل حجر بن عدی)

۲۔ امیر وقت کے ساتھ محاربہ قائم کئے ہوئے ہیں

۳۔ یہ کہتے ہیں کہ امارت اور خلافت آل ابی طالب کے بغیر کسی کے لئے درست نہیں۔

انہ سب الخلیفتہ وانہ حارب الامیر وانہ یقول ان ھذا لامر لا یصلح الا فی ال علی بن ابی طالب

ان واقعات کے لئے جو شہادت زیر تحریر لائی گئی تھی ابن جریر الطبری نے اس کو بالفاظ ذیل درج کیا ہے......... **ان حجرا جمع الیہ الجموع و اظھر شتم الخلیفتہ ودعا الی حرب امیر المومنین وزعم ان ھذا الامر لا یصلح الا فی ال ابی طالب و وثب المصرو اخرج عامل امیر المومنین و اظھر عذار ابی تراب والترحم علیہ والبراۃ من علوہ و اہل حربہ و ان ھولا النفر الذین معہ ھم روس اصحابہ و علی مثل رایہ و امرہ۔**"[۲]

مطلب یہ ہے کہ ان اکابر لوگوں نے شہادت دی کہ حجر بن عدی نے اپنے گرد ایک جمعیت جمع کر رکھی ہے خلیفہ وقت کو سب و شتم کرتے ہیں۔ امیر المومنین کے خلاف قتال کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آل ابی طالب کے بغیر کسی کے لئے امارت و خلافت درست نہیں اور شورش کھڑی کر کے امیر المومنین کے حاکم و عامل کو شہر سے نکال ڈالا ہے حضرت علیؓ کی معذوری ظاہر کر کے ان پر ترحم کرتے ہیں اور ان کے مخالفین سے براۃ اور بیزاری کرتے ہیں اور یہ جو ان کے ساتھی ہیں یہ ان کی جماعت کے سربر آوردہ لوگ ہیں حجر بن عدی اور ان کی جماعت کی ایک رائے ہے اور ایک ہی نظریہ کے حامل ہیں

اور اس شہادت کو ابن خلدون نے بالفاظ ذیل درج کیا ہے:۔

فشھدوا کلھم ان حجرا اجتمع الجموع و اظھر شتم معاویتہ ودعا الی حربہ وزعم ان الامر لا یصلح الا فی الطالبین۔"[۳]

۱۔ البدایہ لابن کثیرؒ صفحہ ۵۱ / ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (حالات قتل حجر بن عدی)

۲۔ تاریخ طبری صفحہ ۱۵۰ / ج ۶ تحت سنہ ۵۱ھ حالات واقعہ ہذا

۳۔ تاریخ ابن خلدون صفحہ ۲۶ / ج ۳ ق اول (تحت واقعات ہذا) طبع بیروت

مختصر یہ ہے کہ :-

حجر بن عدی اور ان کی سبائی پارٹی اس وقت کے نظام حکومت اور انتظام خلافت کو الٹ کر کوئی دوسرا اقتدار قائم کرنے کا منصوبہ رکھتے تھے اور لوگوں کو اس تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دیتے تھے گویا اسلام کی متفقہ قوت میں پھر انتشار ڈالنا ضروری سمجھتے تھے۔

ارسال شہادات اور اس کے نتائج

ان حالات کے تحت زیاد نے اس معاملہ کے متعلق ان شہادتوں کو مرتب کر کے مرکزی حکومت کو ارسال کرنا ضروری خیال کیا تھا چنانچہ گزشتہ واقعات پر شہادت دینے والے ستر افراد میں درج ذیل شاہدین شامل تھے (جن میں بعض صحابہ کرامؓ اور بعض تابعین ہیں) ابو بردہ بن ابی موسیٰؓ، وائل بن حجرؓ، عمرو بن سعد بن ابی وقاصؓ اسحاق و اسمعیل و موسیٰ فرزندان طلحہ بن عبیداللہ۔ منذر بن الزبیر۔ کثیر بن شہاب اور ثابت بن ربعی وغیرہم

یہ شہادتیں مرتب کر کے زیاد بن ابیہ والئی کوفہ و بصرہ نے خلیفہ وقت حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں سمیت ارسال کیں اور ساتھ ہی مذکورہ ستر شاہدین میں سے کچھ افراد کو بھی خلیفہ کے سامنے براہ راست شہادت پیش کرنے کے لئے دمشق بھیجا ان میں سے وائل بن حجرؓ اور کثیر بن شہاب مشہور ہیں۔

چنانچہ حجر بن عدی اپنے ساتھیوں سمیت مذکورہ شاہدین کے ہمراہ پیش ہوئے اور مرتب شدہ شہادتیں بھی حضرت امیر معاویہؓ کے سامنے پیش کی گئیں تو آپ نے مرتب شدہ شہادتیں ملاحظہ کرنے اور شاہدین سے براہ راست شہادت لینے کے بعد جرم ثابت ہونے پر حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو عذراء کے مقام (جو دمشق کا ایک قریہ ہے) پر لے جا کر قتل کرنے کا حکم صادر کیا

فلہذا خلیفہ وقت کے احکام کے مطابق حجر بن عدی شریک بن شداد صیفی بن فسیل، قبیصہ بن ضبیعہ محرز بن شہاب المنکری اور کدام بن حبان۔ ان چھ افراد کو عذرا کے مقام پر لے جا کر قتل کر دیا گیا۔[۱]

---

۱ البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ صفحہ ۵۲ / ج ۸ تحت واقعہ ہذا ۵۱ھ

حجر بن عدی کے بعض دیگر ساتھیوں کا معاملہ قتل کی سزا تک نہیں پہنچا تھا اور بعض مزید عوارض بھی پیش نظر ہوں گے لہٰذا ان کو سزا نہیں دی گئی اور آزاد کر دیا گیا۔

"ازالہ شبہات"

واقعہ ہذا میں معترضین نے بہت کچھ شبہات پیدا کر دیئے ہیں جن میں سے ضروری شبہات کا ازالہ کرنا مناسب خیال کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق ذیل میں چند امور پیش کئے جاتے ہیں۔

طعن کرنے والے احباب حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کو بلا جواز شرعی ظلماً" قتل کیا جانا شمار کرتے ہیں۔ اور ان کے قول کے مطابق یہ مقتولین اس وقت حق گوئی کرتے تھے اور والیوں کے مظالم کے خلاف آواز اٹھاتے تھے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

بقول معترضین یہ لوگ خلیفہ وقت کے خلاف باغی نہ تھے اور بغاوت کی تعریف ان پر صادق نہیں آتی۔

ازالہ

حقیقت واقعہ اور ان لوگوں کے مقاصد کی وضاحت معلوم کرنے کے لئے تاریخوں میں مفصل مواد موجود ہے جس میں مورخین نے ان کے خلیفہ وقت کے خلاف نظریات کو برملا طور پر ذکر کر دیا ہے۔

گزشتہ حوالہ جات میں ابن جریر ابن کثیر ابن خلدون کی عبارات بلفظہ نقل کر دی گئی ہیں جو ان لوگوں کے نظریات کی پوری طرح آئینہ دار ہیں۔

اسی طریق سے بے شمار مورخین نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ مسلمانوں کا اس وقت ایک خلیفہ اسلام پر اتفاق ہو گیا تھا اور ہاشمی حضرات سمیت اکابرین وقت نے حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے امت کے اختلاف و افتراق کو ختم کر دیا تھا۔ اس طریقہ سے اسلام کی ایک نئی شیرازہ بندی ہو گئی تھی اسلامی حکومت کا نظام ایک مرکز کے تحت قائم ہو گیا تھا۔ اب ان حالات میں مسلمانوں کی اس اجتماعی قوت اور مرکزی طاقت کو ختم کرنے کے

لئے یہ ایک گونہ سبائی پارٹی کی طرف سے تحریک تھی جو کسی طرح جائز نہیں تھی اور اس میں افتراق پیدا کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہ تھا۔

اسلام میں اطاعت امیر واجب ہے اور اس کا خلاف کرنا شرعاً منع ہے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں امت میں اتفاق قائم رکھنے اور افتراق سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے حتی کہ بعض جگہ افتراق جماعت پر وعیدیں مذکور ہیں۔ چنانچہ چند ایک ارشادات نبوی یہاں نقل کئے جاتے ہیں

(۱) عن اسامہ بن زید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فرق بین امتی وھم جمیع فاضربوا راسہ کائنا من کان۔"۱

یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا درانحالیکہ امت مجتمع ہے پھر ان کے درمیان کوئی تفریق کھڑی کرتا ہے تو اس کا سر اڑا دو خواہ وہ کوئی بھی ہو

نیز دوسری روایت میں فرمایا کہ :۔

(۲) عن عرفجتہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انہ سیکون ھنات ھنات فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامتہ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا ما کان۔"۲

عرفجہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ عنقریب کئی شر و فساد ہوں گے پس جو شخص اس امت کے اجتماع میں تفریق ڈالے اسے تہہ تیغ کر دو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ اس نوع کے بہت سے فرامین نبوی احادیث میں موجود ہیں

حضرت معاویہؓ نے مذکورہ بالا فرامین نبوی صلعم کی روشنی میں یہ اقدام کرنا ضروری سمجھا

۱ المصنف لابن ابی شیبتہ صفحہ ۱۰۱ / ج ۱۵ کتاب الفتن طبع کراچی

۲ (۱) مشکوۃ شریف ۳۲۰ باب الامارۃ بحوالہ مسلم شریف

(۲) مسلم شریف صفحہ ۱۲۸ / ج ۲ باب وجوب ملازمتہ جماعتہ المسلمین .... الخ

شیعہ کی طرف سے اس مسئلہ کی تائید

شیعہ کے قدیم ترین مورخ احمد بن داؤد الدینوری الشیعی (المتوفی ۲۸۲ ھ) نے مسئلہ ہذا کے متعلق چند تصریحات ذکر کی ہیں جو اس مرحلہ کے واقعات کو صاف کرنے میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ شیعہ لوگ حجر بن عدی و عمر بن حمق وغیرہ مقتولین کے حامی ہیں اور ان کو بہتر سمجھنے والے ہیں اور حضرت معاویہؓ کے خلاف ہیں فلہذا ان لوگوں کے بیانات ان واقعات میں ضرور قابل توجہ ہیں

بنا بریں ہم ناظرین کرام کی خدمت میں ان چیزوں کو ایک ترتیب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جو منصف طبائع کے لئے حقیقت واقعہ معلوم کرنے میں مفید ہوں گی۔ اور اختلاف کھڑا کرنے والی جماعت کا پس منظر معلوم کرنے میں معاون ہوں گی۔

۱۔ ایک تو حضرت علی المرتضیٰؓ کے فرمودات

۲۔ دوسرے سیدنا حسنؓ کے اقوال

۳۔ اور تیسرے نمبر پر سیدنا امام حسین کے ارشادات ہیں

اب علی الترتیب ان مندرجات پر بغور نظر فرماویں

(ا)

"ابو الائمہ کے فرمودات"

(ا) شیعہ مورخ احمد بن داؤد ابو حنیفہ الدینوری الشیعی اپنی مشہور تصنیف اخبار الطوال میں ذکر کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے خاص طرفداروں میں سے حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ حضرت امیر معاویہؓ اور اہل شام کو برملا سب و شتم اور لعن طعن کرتے تھے جب یہ چیز حضرت علی المرتضیٰؓ کو معلوم ہوئی تو جناب مرتضیٰؓ نے ان کی طرف اپنا فرستادہ بھیج کر یہ فرمان جاری کیا کہ سب و شتم اور لعن طعن سے آپ لوگ باز آ جائیں۔ اس پیغام کے بعد وہ دونوں حضرات جناب علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اے امیر

المومنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں۔ جناب مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم یہ بات بالکل درست ہے۔ پھر وہ کہنے لگے کہ آنجناب ان کو سب و شتم اور لعن طعن کرنے سے ہمیں کیوں منع کرتے ہیں؟ تو جناب مرتضیٰؓ نے فرمایا میں تمہارے سب و شتم اور لعن طعن کرنے کو مکروہ جانتا ہوں لیکن تم لوگوں کو دعا کرتے ہوئے یوں کہنا چاہیے کہ اے اللہ! ہم دونوں فریق کو خونریزی سے بچا لے اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح فرما دے اور ان کو بھٹک جانے سے ہدایت فرما۔ حتی کہ جو حق سے ناواقف ہے وہ حق بات کو پہچان لے اور نزاع کھڑا کرنے والا سخت جھگڑے سے باز آ جائے۔

و بلغ علیا ان حجر بن عدی و عمرو بن الحمق یظھران شتم معاویتہ و لعن اھل الشام فارسل الیھما ان کفا عما یبلغنی عنکما فاتیاہ فقالا "یا امیر المومنین" السنا علی الحق وھم علی الباطل؟ قال۔ بلی ورب الکعبتہ المسندتہ قالوا : فلم تمنعنا من شتمھم و لعنھم؟ قال کرھت لکم ان تکونوا شتامین لعانین ولکن قولوا اللھم احقن دماء نا و دماء ھم و اصلح ذات بیننا و بینھم واھدھم من ضلالتھم حتی یعرف الحق من جھلہ ویرعوی عن الغی من لجج بہ۔"[۱]

(۲) اسی طرح شیعہ کا دیگر قدیم مورخ جو خالص رافضی ہے اور الدینوری سے بھی سابق دور کا آدمی ہے یعنی نصر بن مزاحم المنقری المتوفی ۲۱۲ھ نے حضرت علی المرتضیٰ کے مذکورہ فرمان کو اپنی سند کے ساتھ اپنی تصنیف "وقعتہ الصفین" میں مفصل طور پر درج کیا ہے۔ چونکہ ان دونوں دینوری و منقری کی روایات کا مضمون و مفہوم ایک ہی ہے اس لئے المنقری کی روایت کی عبارت کو ترک کر کے صرف حوالہ پر اکتفا کیا ہے۔ تمام عبارات دینے میں بہت تطویل ہو جاتی ہے۔

(۳) حضرت علی المرتضیٰؓ کا یہ فرمان نہج البلاغتہ میں بھی مذکور ہے چند الفاظ کا جزوی فرق پایا جاتا ہے باقی مضمون ایک ہی ہے۔

۱۔ اخبار الطوال للدینوری الشیعی صفحہ ۱۶۵ طبع مصر (تحت واقعات صفین)

۲۔ وقعتہ الصفین لنصر بن مزاحم المنقری صفحہ ۱۱۵ طبع مصر تحت نصیحتہ علی لحجر بن عدی و عمرو بن حمق"

(نہج البلاغہ ج اول ص ۴۲۰ تحت من کلام لہ علیہ السلام فی النھی عن سب اہل الشام)
ناظرین کرام پر واضح رہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کا یہ فرمان قبل ازیں ہماری کتاب مسئلہ اقربا نوازی ۱۸۵/۱۸۶ میں درج ہو چکا ہے البتہ المنقری کا حوالہ یہاں اضافہ کیا گیا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے اس بیان سے جسے قدیمی شیعی مورخین الدینوری والمنقری وغیرہ نے نقل کیا ہے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ :۔

(۱) جناب علی المرتضیٰؓ حضرت امیر معاویہؓ اور اہل شام کو سب و شتم اور لعن طعن کرنے کے روادار نہیں تھے۔ اور باوجود سیاسی اختلافات کے اس طریق کار کو مکروہ و مبغوض جانتے تھے۔

حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ جب ان چیزوں کا ارتکاب کرتے تو حضرت علی المرتضیٰؓ ان کو اس طریق کار سے برملا منع فرماتے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے تھے۔ بلکہ ان کو حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف سے تعلیم و تلقین ہوتی تھی کہ فریق مقابل کے حق میں صلح و مصالحت کے لئے دعائیں مانگیں اور حق بات کے قبول کرنے کے لئے ھدایت کی اللہ جل شانہ سے استدعا کریں۔

(۲) نیز ان لوگوں کی سرشت میں تشدد اور تفرق کے جذبات یہاں سے ظاہر ہوتے ہیں اور خصوصاً حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ کے متشددانہ رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ ابتدا ہی سے ان مسائل میں سخت ترین روش اختیار کئے ہوئے تھے جو خود حضرت علی المرتضیٰؓ کے منشاء و مقصد کے برخلاف تھی اور ان کی تعلیم و تلقین کے برعکس تھی۔

(۲)

سیدنا امام حسنؓ کے ارشادات

اب ذیل میں ہم سیدنا امام حسنؓ اور حجر بن عدی کا ایک مکالمہ شیعہ مورخین کی زبان سے مختصراً نقل کرتے ہیں۔

(۱) کہ جب سیدنا حسنؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ مسئلہ خلافت میں مصالحت کر لی اور "منصب خلافت" حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد کر دیا اور ان سے اس امر پر بیعت کر لی تو اس وقت حجر بن عدی حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں پہنچے اور آپؓ کو اس فعل پر شرم و

ندامت دلائی اور ملامت کرنے لگے اور تقاضا کیا کہ حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ اس معاملہ میں جنگ و قتال کرنا چاہیے اور مزید کہنے لگے کہ یہ معاملہ آپؓ نے ایسا کر دیا ہے کہ مجھے اس واقعہ سے پہلے موت آ جاتی تو بہتر ہوتا۔ اے حسنؓ! آپ نے ہمیں عدل سے نکال کر ظلم کی طرف ڈال دیا ہے اور ہم حق کو چھوڑ کر باطل میں داخل ہو گئے ہیں جس سے ہم بھاگنا چاہتے تھے آپؓ کی وجہ سے ہمیں وہ خست اور دناءت نصیب ہے جو ہمارے لائق نہیں تھی:۔

وکان اول من لقی الحسن بن علی رضی اللہ عنہ فندمہ علی ماصنع و دعاہ الی ردالحرب حجر بن عدی۔ فقال لہ یا بن رسول اللہ لوددت انی مت قبل مارایت اخرجتنا من العدل الی الجور فترکنا الحق الذی کنا علیہ ودخلنا فی الباطل الذی کنا نھرب منہ واعطینا الدنیۃ من انفسنا و قبلنا الخسیسۃ التی لم تلق بنا۔[۱]

اس مکالمہ کا حاصل یہ ہے کہ حجر بن عدی اس صلح کو کسی قیمت پر قبول نہیں کرتے تھے اور وہ امام حسنؓ کو اس فعل پر ملامت کرتے تھے اور ندامت دلاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ نے بڑا ظلم کیا ہے۔ حق کو چھوڑ کر باطل اختیار کر لیا ہے حجر بن عدی حضرت حسنؓ کو صلح کے مقابلے میں جنگ و قتال کھڑا کرنے کی دعوت دیتے اور اس پر آمادہ کرتے تھے۔

(۲) اس کے بعد یہ شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسنؓ کو حجر بن عدی کا کلام نہایت شاق گزرا اور سخت ناگوار ہوا۔ چنانچہ سیدنا حسنؓ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ :۔

میں نے لوگوں کی بڑی خواہش صلح میں دیکھی ہے اور وہ جنگ کو مکروہ جانتے تھے۔ اس لئے میں نے یہ بات پسند نہیں کی کہ ان کو مکروہ بات پر برا گیختہ کروں۔ ان حالات میں اپنے ساتھیوں کے قتل و قتال سے بچاؤ کی خاطر میں نے صلح کر لی ہے۔ اور میں نے جنگ وجدال کو ایک وقت تک موقوف کر دیا ہے۔

فاشتد علی الحسن رضی اللہ عنہ کلام حجر' فقال لہ انی رایت ھوی عظم الناس فی

---

۱ اخبار الطوال للدینوری الشیعی صفحہ ۲۲۰ تحت زیاد بن ابیہ طبع اول مصر

الصلح و کرهوا الحرب' فلم احب ان احملهم علی ما یکرهون' فصالحت بقیا علی شیعتنا خاصتہ من القتل' فرایت دفع هذه الحروب الی یوم ما' فان الله کل یوم هو فی شان۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امام حسنؓ کو حجر بن عدی کے متشددانہ و متحاربانہ نظریات ناگوار تھے اور ان کی اپنی رائے اس معاملہ میں دوسری تھی یعنی وہ فساد و انتشار کی بجائے قوم میں صلح جوئی اور مصالحت کو پسند فرماتے تھے۔

(۳)

سیدنا امام حسینؓ کے فرمودات

شیعہ مورخین کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا مکالمہ اور گفتگو کے بعد حجر بن عدی' عبیدہ بن عمرو کے ہمراہ اپنے مخالفانہ نظریات کے مطابق حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں پہنچے اور کہنے لگے کہ تم نے عزت دے کر ذلت خرید لی ہے اور تم نے کثیر کو چھوڑ کر قلیل کو قبول کر لیا ہے

آج آپ اہل زمانہ کی نافرمانی کر کے ہماری بات تسلیم کیجئے اور اپنے بھائی حسنؓ کو بھی چھوڑیئے اور جو کچھ انہوں نے صلح کر رکھی ہے اسے جانے دیجئے میں اہل کوفہ وغیرہ میں سے آپ کے شیعوں اور خیر خواہوں کو جمع کر کے آپؓ کی خدمت میں لاتا ہوں مجھے آپؓ اس معاملہ پر والی بنایئے تاکہ ہم ابن ھند (معاویہؓ) کے ساتھ تلواروں سے جنگ و قتال کریں۔"

قال فخرج من عنده و دخل علی الحسین رضی الله عنه مع عبیدة بن عمرو فقالا ابا عبدالله شریتم الذل بالعز و قبلتم القلیل و ترکتم الکثیر اطعنا الیوم و اعصنا الدهر دع الحسن وما رای من هذا الصلح و اجمع الیک شیعتک من اهل الکوفه و غیرها

۱ اخبار الطوال للدینوری الشیعی صفحہ ۲۲۰ تحت زیاد بن ابیہ

وولنی و صاحبی هذه المقلسته فلا یشعر ابن هند الا و نحن نقارعه بالسیوف"[۱]

اس کے جواب میں سیدنا امام حسین ؓ نے حجر بن عدی اور عبیدہ بن عمرو کی اس تلخ گفتگو اور قتال پر آمادہ کرنے والے کلام کے جواب میں فرمایا :۔

ہم امیر معاویہ ؓ کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر چکے ہیں اور اس پر بیعت کر چکے ہیں اب اس بیعت کے توڑنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

فقال الحسین انا قد بایعنا وعاھدنا ولا سبیل الی نقض بیعتنا۔"[۲]

حضرت سیدنا حسین ؓ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ اہل اسلام میں مصالحت ہو چکی ہے اب اس معاہدہ صلح کی عہد شکنی کر کے پھر قتال بین المسلمین زندہ کرنے کا کوئی جواز نہیں رہا۔ اب ہم سے معاہدہ کا خلاف نہیں ہو سکتا۔"

مختصر یہ ہے کہ :۔

مسئلہ (ظلماً" قتل) پر پہلے مشہور مورخین الطبری ابن کثیر اور ابن خلدون وغیرہ کے بیانات ہم نے پیش کئے ہیں ان میں اس گروہ کے نظریات اور جارحانہ اقدامات واضح طور پر سامنے آ گئے ہیں۔ اس جماعت کے سرگروہ حجر بن عدی اور عمرو بن حمق تھے۔ ان لوگوں کی تمام مساعی افتراقی نوعیت کی تھیں اور حرب و قتال کھڑا کرنے میں پیش پیش تھے۔

پھر اس کے بعد ہم نے شیعہ کے اکابر مورخین کے بیانات درج کئے ہیں جن سے اصل مسئلہ کی تائید مطلوب ہے اور شیعہ کے مندرجات سے بھی یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جن اکابر علوی حضرات کا یہ خانگی مسئلہ تھا (حضرات حسنین شریفین ؓ) ان کے فرمودات و نظریات حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ کی جارحانہ رائے کے بالکل برعکس پائے جاتے ہیں۔

ان تمام امور پر نظر کر لینے کے بعد یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ ؓ نے جو ان لوگوں کے قتل کا اقدام کیا ہے وہ حسب قواعد شرعی پوری شہادتیں حاصل کرنے اور جرم ثابت ہو جانے کے بعد کیا ہے یہ خلاف شرع نہیں کیا۔ اور نہ ہی ظلماً قتل کیا ہے بلکہ اس کے لئے شرعی جواز کے اسباب و عوامل موجود تھے یہ لوگ خلیفہ وقت

۱ اخبار الطوال للدینوری الشیعی صفحہ ۲۲۰ تحت زیاد بن ابیہ

۲ اخبار الطوال للدینوری الشیعی صفحہ ۲۲۰ تحت زیاد بن ابیہ طبع اول مصر

کی نظروں میں فساد فی الارض کی سعی کر رہے تھے اور اہل اسلام کے مرکزی وفاق اور اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کرنا چاہتے تھے یہ چیزیں بغاوت کی حدود میں آتی ہیں جن کے فرو کرنے میں خلیفۃ المسلمین بااختیار ہے۔

اسی نوعیت کا ایک واقعہ

مورخین نے لکھا ہے کہ مرج عذراء کے مقام میں حضرت امیر معاویہؓ نے حجر بن عدی اور اس کے چند ساتھیوں کو وجوہ قتل ثابت ہونے پر قتل کروا دیا تھا۔ حجر بن عدی کے دو بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمٰن تھے جو اپنے آپ کو متشیع کہتے تھے یہ دونوں برادر عبداللہ بن الزبیر کی خلافت کے سخت خلاف تھے اور ان کی اطاعت تسلیم نہیں کرتے تھے اور ان کے خلاف بغاوت کی شورش برپا کئے ہوئے تھے۔

ابن قتیبہؒ لکھتے ہیں کہ اس بغاوت کی بنا پر ان دونوں بھائیوں کو عبداللہ بن الزبیر کے بھائی مصعب بن الزبیر نے قتل کر دیا تھا۔

.... حجر بن عدی.... فقتله معاویةؓ بمرج عذراء مع عدة وکان له ابنان متشیعان یقال لهما عبدالله وعبدالرحمن قتلهما مصعب بن الزبیر صبرا۔"

ــــ مطلب یہ ہے کہ خلیفہ وقت کے خلاف بغاووت کرنے والوں کو ان کی شورش کی بنا پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ حجر بن عدی کا قتل جو حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں ہوا تھا وہ ان دونوں بھائیوں کے قتل کے مشابہ ہے۔ اسلامی مملکت کی حفاظت کی خاطر اس نوع کے قتل تاریخ میں پائے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے تاثرات

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب معلوم ہوا کہ حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو خلیفہ وقت کے خلاف تشددانہ مساعی کی بنا پر حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے قتل کی سزا کا حکم صادر کیا گیا ہے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ازراہ شفقت حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کی سزا معاف کرنے کے لئے قاصد بھیجا۔

لیکن جب حضرت صدیقہؓ کا فرمان لے کر قاصد حضرت معاویہؓ کے ہاں پہنچا ہے تو حجر بن عدی اور اس کے کچھ ساتھی پہلے ہی قتل ہو چکے تھے لہٰذا حضرت صدیقہؓ کے فرمان کی رعایت نہ کی جا سکی۔ البدایہ میں ہے کہ

وجاء رسول عائشہ بعد ما فرغ من شانھم"۔ ۱

جب یہ واقعہ رونما ہو چکا تو اس کے بعد حضرت معاویہؓ ایک بار مدینہ منورہ تشریف لائے اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ دوران گفتگو حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا ذکر آیا

اس مقام میں مورخین نے متعدد روایات اس گفتگو کے متعلق ذکر کی ہیں

(۱) بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت صدیقہؓ نے حضرت معاویہؓ سے حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کے سلسلہ میں بطور شکوہ گفتگو کی تو حضرت معاویہؓ نے عرض کیا:۔

.........لست انا قتلتھم انما قتلھم من شھد علیھم"۔ ۲

یعنی میں نے ان لوگوں کو قتل نہیں کیا بلکہ جن لوگوں نے ان کے خلاف گواہی دی ہے انہوں نے قتل کیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے قتل کا باعث اصل میں وہ شہادتیں ہیں جو ان کے خلاف حسب قاعدہ قائم ہوئیں اور ان کی بنا پر یہ نتیجہ مرتب ہوا۔

(۲) ایک دوسری روایت میں ہے کہ :۔

۱ البدایہ لابن کثیرؒ صفحہ ۵۴ / ج ۸ تحت سنۃ ۵۱ ھ (حالات واقعہ ہذا)

۲ تاریخ ابن خلدون صفحہ ۲۹ جلد ثالث تحت بحث معاویۃ العمال الی الامصار طبع بیروت

۱ التاریخ لابن جریر الطبری صفحہ ۱۵۶ / ج ۶ تحت سنہ ۵۱ھ

۲ سیرت حلبیہ صفحہ ۱۹۱ / ج ۳ تحت سریۃ الرجیع (حالات خبیب کے آخر میں)

قالت له اقتلت حجرا فقال وجدت فی قتله صلاح الناس و خفت من فسادهم" ۔ ۱

یعنی حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کیا آپ نے حجر کو قتل کر دیا؟ تو حضرت معاویہؓ نے عرض کیا کہ ان کے قتل میں لوگوں کی بھلائی اور بہتری تھی میں نے ان لوگوں کے شر و فساد سے خوف کھایا (اس وجہ سے یہ اقدام کیا گیا)

(۳) اسی طرح ایک دیگر روایت اس طرح ہے کہ :۔

لما حج معاویۃ قالت له عائشۃ: این عزب عنک حلمک حین قتلت حجرا ؟ فقال من غاب عنی مثلک من قومی ۔ ۲

یعنی حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حجر کے قتل کے موقعہ پر اے معاویہؓ! آپ کا حلم و بردباری کہاں غائب ہو گئی؟ تو حضرت معاویہؓ نے گزارش کی کہ قوم میں سے جب جناب جیسی (خیر خواہ) شخصیت میرے پاس موجود نہ تھی تو اس بنا پر یہ واقعہ رونما ہوا۔

(۴) نیز اس مقام میں یہ چیز بھی اہل روایات ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت امیر معاویہؓ حضرت صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حجر بن عدی وغیرہ کے قتل سے متعلق گفتگو ہوئی اور حضرت صدیقہؓ نے اظہار افسوس کرتے ہوئے اھل عذراء کے قتل کا ذکر کیا۔ تو حضرت معاویہؓ نے عرض کیا کہ میں نے امت کی اصلاح ان لوگوں کے قتل میں دیکھی اور ان کی بقا میں امت کا فساد معلوم کیا اس بنا پر یہ معاملہ پیش آیا۔

تنبیہ

مذکورہ بالا روایت کے بعض مقامات میں مندرجہ ذیل کلمات کا اضافہ پایا جاتا ہے :۔

فقالت سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول سیقتل بعذراء ناس یغضب الله لهم واهل السماء" ۔ ۳

(۱) تاریخ الاسلام للذہبی" صفحہ ۲۷۶ / ج ۲ تحت حجر بن عدی۔ طبع اول مصر

(۲) دول الاسلام للذہبی" صفحہ ۲۵ / ج اول تحت سنہ ۵۱ھ

(۳) البدایہ لابن کثیر" صفحہ ۵۵ / ج ۸ تحت واقعہ ہذا سنۃ ۵۱ھ

(۱) البدایہ والنہایہ لابن کثیر" صفحہ ۵۴ / ج ۸ تحت واقعہ ہذا سنۃ ۵۱ھ

(۲) تاریخ ابن خلدون صفحہ ۲۹ جلد ثالث تحت بعث معاویۃ العمال الامصار

المعرفۃ والتاریخ للبسوی" صفحہ ۳۲۰ / ۳۲۱ جلد ثالث تحت سنہ ۵۱ھ

یعنی حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلعم فرماتے تھے عنقریب عذراء کے مقام میں بعض لوگ قتل کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اور آسمان والے ان کی وجہ سے غضبناک ہوں گے" ناظرین کرام اس اضافہ کے متعلق یاد رکھیں کہ حافظ ابن کثیرؒ نے اس کے متعلق تحریر کیا ہے کہ :۔

ھذا اسناد ضعیف منقطع۔"۔ ۱ یعنی یہ روایت ضعف راویوں کی وجہ سے ضعیف ہے اور سلسلہ سند میں انقطاع پایا جاتا ہے۔ یہ اضافہ کئی مقامات میں دستیاب ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ناظرین کرام متنبہ رہیں کہ اصل روایت میں راویوں نے یہ جملہ الحاق کر کے اضافہ کر دیا ہے تاکہ حضرت معاویہؓ کے حق میں مزید تقبیح پائی جائے اور تنفر قائم رہ سکے۔

دیگر گزارش یہ ہے کہ :۔

اگر بالفرض مندرجہ روایت کو علی سبیل التنزل درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو علماء نے یہ تصریح کر دی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اپنے اس فعل پر برملا معذرت کر دی تھی اور آنموصوفہؓ نے ان کی اس معذرت کو قبول فرما لیا تھا:۔

..... وفی روایتہ..... فلم یزل یعتذر حتی عذرتہ۔ وفی روایتہ..... فلما اعتذر الیھا عذرتہ۔"۔ ۲

یہاں سے واضح ہے کہ اس طریقہ سے ان دونوں حضرات کا باہمی رنج و ملال ختم ہو گیا تھا اور یہ باہم کشیدہ خاطر نہیں رہے تھے۔

درایت کے اعتبار سے

کلام مذکور بہ اعتبار روایت کے ذکر ہوا ہے ذیل میں بہ اعتبار درایت یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ : اگر اہل عذرا کے قتل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اہل السماء ناراض ہیں (جیسا کہ حضرت صدیقہؓ سے مروی روایت بالا میں مذکور ہے) تو پھر حضرت صدیقہؓ نے اہل عذراء

۱ البدایہ لابن کثیرؒ صفحہ ۵۵ / ج ۸ تحت سنہ ۵۱ ھ (بحث ہذا)

۲ البدایہ لابن کثیرؒ صفحہ ۵۵ / ج ۸ تحت سنہ ۵۱ ھ (بحث ہذا)

کے قاتلین (حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے حکام) کے ساتھ روابط اور مراسم کیسے جاری رکھے؟ جب کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے مغضوب تھے اور ظالم تھے۔ اور حق سے تجاوز کرنے والے تھے۔

حضرت صدیقہؓ اور حضرت معاویہؓ کے تعلقات کے متعلق مستقل عنوان قائم کئے گئے ہیں اس کے تحت وہ مراسم مذکور ہیں۔

ہم بھی (انشاء اللہ تعالیٰ) اس عنوان کو اسی تصنیف میں اپنے موقعہ پر ذکر کریں گے۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت معاویہؓ کے ان افعال کے بعد بھی ان سے تعلقات منقطع نہیں کئے اور بدستور سابق روابط قائم رکھے۔ اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے ان کے وظائف وغیرہ جاری رہے اور حضرت صدیقہؓ تازیست یہ وظائف وصول فرماتی رہیں۔ مزید تفصیلات اپنے موقعہ پر درج ہوں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ حاصل یہ ہے کہ حضرت صدیقہؓ اور حضرت معاویہؓ کی گفتگو میں سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ :۔

حضرت صدیقہؓ نے بطور شکوہ کلام فرمایا اور اس واقعہ پر اظہار افسوس کیا لیکن اس قتل کو شرعاً ناجائز اور ظلم قرار نہیں دیا۔

یعنی ان کی خواہش تھی کہ حلم و بردباری کا برتاؤ کرتے ہوئے اہل عذراء کو معاف کر دیا جاتا۔

اور حضرت امیر معاویہؓ کا موقف یہ تھا کہ انہوں نے امت میں ایک بہت بڑے قتال کھڑے ہونے سے قوم کو بچانا ضروری سمجھا اور فساد کی بیخ کنی کرنے کو لازم جانا اس بنا پر درگزر نہیں کیا۔

ایک شبہ کا ازالہ برائے قول حسن بصری تابعی

اس مقام میں طعن کرنے والے احباب کی طرف سے حضرت حسن بصریؒ کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے جس میں انہوں نے حضرت معاویہؓ پر چند چیزوں کی بنا پر عیب لگایا ہے ان میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ "حضرت امیر معاویہؓ نے حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں

کو قتل کیا۔ **وقتله حجرا و یلا له من حجر و اصحاب حجر مرتین۔**"[۱]

تو اس شبہ کے ازالہ کے متعلق ذیل میں بعض چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان پر توجہ فرماویں۔

(۱) گزارش یہ ہے کہ یہ روایت جو حضرت حسن بصریؒ کی طرف منسوب کی گئی ہے اس کا راوی ابو مخنف (لوط بن یحییٰ) ہے اور لوط بن یحییٰ کٹر شیعہ اور رافضی ہے اور حضرت امیر معاویہؓ کے اعلیٰ درجے کے مخالفین و معاندین میں سے ہے **فافہم**

چنانچہ ابو مخنف نے حضرت حسن بصریؒ سے منسوب اس قول کو خود تصنیف کر کے حضرت معاویہؓ کے "اربع خصال" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ان خصال میں سے ایک حجر بن عدی کا قتل ہے

فلہذا حسن بصری سے منسوب روایت جس میں ان چار خصال کا بطور طعن ذکر کیا گیا ہے یہ قابل قبول نہیں۔

(ابو مخنف لوط بن یحییٰ کے متعلق کتب رجال میزان الاعتدال للذھبی و لسان المیزان لابن حجر وغیرہ میں نقد و جرح موجود ہے ملاحظہ فرمائیں)

اور کتاب مسئلہ اقربا نوازی وغیرہ ہم نے قبل ازیں یہ جرح درج کر دی ہے۔

(۲) دوسری چیز یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جو قتال و حروب واقع ہوئے ہیں ان کے حق میں خود حسن بصریؒ کی طرف سے امت کو نصائح موجود ہیں کہ "ان حضراتؓ کے ساتھ ہماری عقیدت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کے حق میں کف لسان کریں اور عیب جوئی و نکتہ چینی سے زبان کو روک رکھیں۔"

حضرت حسن بصریؒ کی یہ نصیحت بالمقابل ذیل مذکور ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

و قد سئل الحسن البصری عن قتالهم فقال: قتال شهده اصحاب محمد صلی الله علیه واله وسلم و غبنا وعلموا و جهلنا واجتمعوا فاتبعنا واختلفوا فوقفنا۔[۲]

یعنی جب حسن بصری سے صحابہ کرامؓ کے مابین قتال کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ان واقعات میں خود حاضر اور

۱ التاریخ لابن جریر الطبری صفحہ ۱۵۷ / ج ۶ طبع قدیم تحت سنہ ۵۱ھ

۲ تفسیر للقرطبی صفحہ ۳۲۲ / ج ۱۶ تحت آیات سورۃ الحجرات

شاہد تھے جب کہ ہم غائب تھے۔ انہیں ان واقعات کا براہ راست علم تھا اور ہم اصل حالات سے ناواقف ہیں۔ جن چیزوں پر ان کا اجتماع ہوا ہم نے ان کی اتباع کی اور جن امور میں ان کا اختلاف ہوا ہم ان میں متوقف ہیں۔ (یعنی کف لسان کئے ہوئے ہیں)

(۳) نیز اسی طرح ایک دیگر چیز حسن بصریؒ سے مروی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ حضرت معاویہ کے خلاف ذہن نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کی دینی عظمت کے قائل تھے۔

وہ اس طرح ہے کہ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری کی خدمت میں عرض کیا کہ بعض لوگ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ معاویہ اور ان کی جماعت دوزخ میں جائے گی یہ بات سن کر حسن بصری نہایت برافروختہ ہو کر کہنے لگے کہ ایسے لوگوں پر خدا کی لعنت ہو ان کو کس شخص نے بتلا دیا کہ وہ دوزخ میں ہوں گے۔ یعنی اس چیز کا علم انہیں کیسے ہو گیا اور کس طرح یہ فیصلہ انہوں نے کر لیا؟

حدثنا قتادة عن الحسن قال قلت یا ابا سعید! ان ناسا یشھدون علی معاویة و ذویه انھم فی النار فقال لعنھم اللہ و ما یدریھم انھم فی النار؟۔[۱] حسن بصری کے ان بیانات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حسن بصریؒ حضرت معاویہؓ کے خلاف رجحانات نہیں رکھتے تھے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے کے روادار نہیں تھے پس مذکورہ روایت جس میں اربعہ خصال کا طعن مذکور ہے وہ روایت حضرت حسن کے دیگر واقعات اور بیانات کے خلاف پائی جاتی ہے۔

اس لئے اس کو صحیح نہیں سمجھا جا سکتا حقیقت میں وہ ان کی طرف منسوب کی گئی ہے وہ ان کا کلام نہیں ہے بلکہ بعض معاندین صحابہ نے ان کی طرف انتساب کر دیا ہے

حاصل یہ ہے کہ اس قول پر روایتاً" اور درایتاً" کلام کر دیا گیا ہے انصاف کے ساتھ اس پر غور فرماویں اور جو حق بات ہو اس کو قبول کریں۔

۱ مخطوطہ تاریخ ابن عساکر صفحہ ۷۷ / ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویۃؓ

"عمرو بن حمق کا قتل"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ طعن مشہور ہے کہ جس طرح انہوں نے دیگر لوگوں کو قتل کرایا اسی طرح عمرو بن حمق الخزاعی کو بھی بلا جواز شرعی قتل کرا دیا تھا۔ ان کا سر کاٹ کر گشت کرایا گیا اور پھر اسے لا کر ان کی زوجہ کی گود میں ڈال دیا گیا۔ کسی کا سر کاٹ کر گشت کرانے کا طریق کار شرعاً صحیح نہیں ہے اور یہ جاہلیت کے دور کے طریقے ہیں۔

ازالہ

اس طعن کے ازالہ سے متعلق چند چیزیں قابل ذکر ہیں جنہیں معلوم کر لینے کے بعد مسئلہ کی صحیح صورت حال سامنے آسکتی ہے۔

(۱) عمرو بن حمق الخزاعی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ صحابی تھے بعض کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے اور بعض کہتے ہیں کہ حجتہ الوداع کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(۲) مورخین نے یہ نقل کیا ہے کہ عمرو بن الحمق ان لوگوں میں سے تھے جو چاہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ اب اس عمر میں خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ اس پہلو سے ان کا شمار مخالفین حضرت عثمانؓ میں ہوتا ہے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ حجر بن عدی کے ساتھیوں میں سے تھے اور ان کے مخالفانہ اقدامات میں برابر کے شریک تھے ہم نے حجر بن عدی سے متعلق واقعات میں بھی ان کا ذکر مختصراً دے دیا ہے۔

(۳) زیاد بن ابیہ کے دور میں زیاد کے ساتھ ان کی مخالفتیں بڑے واضح طور پر مورخین نے ذکر کی ہیں۔ خلیفہ اسلام کے خلاف ان کی یہ شورشیں ہی ان کے مواخذے کا باعث بنیں ابو مخنف کی روایت الاصابہ میں طبری سے بالفاظ ذیل نقل کی گئی ہے۔

و ذکر طبری عن ابی مخنف انہ کان من اعوان حجر ابن عدی فلما قبض زیاد علی حجر ابن عدی وارسلہ مع اصحابہ الی الشام ھرب عمرو بن حمق۔"

۱ الاصابہ لابن حجر صفحہ ۵۲۶ / ج ۲ تحت عمرو بن حمق

۲ تہذیب التہذیب صفحہ ۲۴ / ج ۸ تحت عمرو بن حمق

۳ تاریخ ابن خلدون صفحہ ۲۴ / ج ۳ تحت احوال زیاد و حجر بن عدی۔ طبع بیروت

یعنی طبری نے ابو مخنف کے ذریعے ذکر کیا ہے کہ عمرو بن حمق حجر بن عدی کے معاونین میں سے تھے۔ جب زیاد نے حجر بن عدی کو گرفتار کر کے اس کے ساتھیوں سمیت ان کو شام کی طرف بھیجا تو عمرو بن حمق فرار ہو گئے (اور موصل کے علاقہ کی طرف نکل گئے)

(۴) عمرو بن حمق کے متعلق علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف شورش میں شریک تھے اور اس طرح حضرت عثمانؓ کے قتل میں اعانت کی تھی۔

وکان فی من سار الی عثمان و اعان علی قتلہ"۔ ۱

اور بعض لوگوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ **وسع ھذا کان احد الاربعۃ الذین دخلوا علی عثمان .... وکان من جملتہ من اعان حجر بن عدی۔"۔ ۲**

یعنی عمرو بن حمق ان چار افراد میں سے ہیں جو حضرت عثمانؓ کے قتل کے لئے داخل ہوئے اور ان کے قتل پر اعانت کی۔ مندرجہ بالا اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن حمق اس شورش میں شریک تھے اور ان لوگوں کو ان کا تعاون حاصل تھا لیکن وہ قتل عثمانؓ میں شریک نہیں ہوئے۔ جیسا کہ محمد بن ابی بکر شورش اٹھانے والوں کے ساتھ تھے لیکن قتل عثمانی میں شریک نہ تھے۔

(۵) پھر اس کے بعد یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ حجر بن عدی جب گرفتار کئے گئے تو ان کے ساتھیوں میں سے یہ عمرو بن حمق فرار ہو کر موصل کی طرف چلے گئے تھے زیاد نے موصل کے عامل (عبدالرحمان بن عثمان الثقفی) کی طرف لکھا کہ عمرو بن حمق کو تلاش کر کے گرفتار کیا جائے۔ اس مقام میں اہل تاریخ کے دو قول پائے جاتے ہیں۔

اس باب میں بعض لوگوں نے یہ روایت بھی نقل کی ہے جو صحیح نہیں کہ امیر موصل نے ان کو گرفتار کر کے حضرت امیر معاویہؓ سے ان کے متعلق احکامات حاصل کئے۔ تو حضرت امیر معاویہؓ نے تحریر کیا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو نو نیزے لگائے تھے اس لئے انہیں بھی نو نیزے لگائے جائیں۔ اس سے زیادہ نہ لگائے جائیں۔ چنانچہ حاکم موصل نے اس حکم کی تعمیل میں عمرو بن حمق کو نیزے لگوائے مگر آپ دوسرے نیزے کے لگتے ہی فوت ہو گئے۔

۱ طبقات ابن سعد صفحہ ۱۵ / ج ۶ تحت عمرو بن حمق

۲ البدایہ لابن کثیرؒ صفحہ ۴۸ / ج ۸ تحت سنۃ ۵۰ ھ

فكتب فيه الى معاويته فكتب اليه معاويته انه زعم انه طعن عثمان تسع طعنات بمشاقص و نحن لا نعتدى عليه فاطعنه كذالك ففعل به ذالک فمات فى الثانيه[1]
دیگر مورخین نے نقل کیا ہے کہ عمرو بن حمق فرار ہو کر علاقہ موصل کے ایک غار میں جا چھپے تھے وہاں انہیں ایک بڑے سانپ نے ڈس لیا اور وہ وہاں اسی سے فوت ہو گئے۔
یہ دوسری روایت زیادہ صحیح ہے علامہ الذھبی لکھتے ہیں
قلت هذا اصح مما مر۔"[2] یعنی یہ بات کہ عمرو بن حمق کی موت سانپ کے ڈسنے سے ہوئی وہ قتل نہیں کئے گئے زیادہ صحیح ہے اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں یہ واقعہ بالفاظ ذیل نقل کیا ہے کہ:۔
هرب الى الموصل فدخل غارا فنهشته حيته فقتلته وبعث الى الغار فى طلبه فوجلوه ميتا۔"[3]
اسی چیز کو دوسرے الفاظ میں علامہ ذھبیؒ اور ابن کثیرؒ نے یوں نقل کیا ہے۔
فهرب الى الموصل فبعث معاويته الى نائبها فوجلوه قد اختفى فى غار فنهشته حيته فمات ان الفاظ کے بعد البدایہ میں ہے کہ فقطع راسه فبعث به الى معاويته[4]
مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں ان کی وفات کے لئے دو صورتیں منقول ہیں۔ یا تو موصل کے والی کے حکم سے سابقہ عوامل و اسباب (حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش میں شرکت اور حجر بن عدی کی شورشوں میں شمول) کی بنا پر قتل کئے گئے یا ان کو غار میں مختفی ہونے کی صورت میں سانپ نے ڈس لیا اور ان کی وفات ہو گئی۔ پھر ان کا سرکاٹ کر حضرت معاویہؓ کی طرف بھیجا گیا۔
(۶) ان کی وفات کی تاریخ بھی مورخین نے دو طرح ذکر کی ہے بعض کے نزدیک ان کی وفات ۵۰ ھ میں ہے اور بعض ان کی وفات کو ۵۱ ھ میں ذکر کرتے ہیں۔

۱ تاریخ اسلام ذھبیؒ صفحہ ۲۳۵ / ج ۲ تحت عمرو بن حمق
۲ التاریخ لابن جریر الطبری صفحہ ۱۴۸ / ج ۶ تحت سنہ ۵۱ھ
۳ تاریخ الاسلام للذھبی جلد ۲ صفحہ ۲۳۵ تحت عمرو بن الحمق
۳ کتاب الثقات لابن حبان صفحہ ۲۷۵ / ج ۳ تحت عمرو بن حمق
۴ تاریخ اسلام ذھبی صفحہ ۲۳۵ / ج ۲ تحت عمرو بن حمق
۴ البدایہ لابن کثیرؒ صفحہ ۴۸ / ج ۸ تحت سنہ ۵۰ ھ

"ایک تشریح"

سطور بالا میں عمرو بن حمق کی وفات کی جو صورتیں مورخین نے ذکر کی ہیں ان کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

مذکورہ دو صورتوں میں سے ایک صورت مورخین نے یہ لکھی ہے کہ عمرو بن حمق فرار ہو کر ایک غار میں داخل ہوئے وہاں ایک سانپ نے انہیں ڈس لیا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔

بعض مقامات پر مزید لکھا ہے کہ اس کے بعد ان کے سر کو کاٹ کر حاکم موصل کے حکم سے حضرت معاویہؓ کی طرف بھیجا گیا۔

معترضین اور طعن کنندگان نے عمرو بن حمق کے سر کو گشت کرانے کی بڑی تشہیر کی ہے اسے اسلام کے خلاف قرار دیا ہے اور اسے حضرت معاویہؓ کی طرف منسوب کر کے ایک طعن پیدا کیا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس موقعہ پر جب زیاد نے حاکم موصل کو عمرو بن حمق کو گرفتار کرنے کے لئے لکھا تو حاکم موصل نے چند افراد ان کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجے جنہوں نے انہیں غار میں مردہ پایا۔ تو ان افراد نے حاکم موصل کی تسلی اور حکم کی تعمیل کے بین ثبوت کے لئے ان کا سر کاٹ کر پیش کیا۔ پھر حاکم موصل نے خلیفہ وقت کی خدمت میں یہ سر شام بھیج دیا۔

وذالک انہ لدغ فمات فخشیت الرسل ان تتہم بہ فقطعوا راسہ فحملوہ" [1]

اور علامہ الذہبیؒ نے اس مقام میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ:۔

قلت ھذا اصح مما مر [2]

اس کا حاصل یہ ہے کہ سانپ کے ڈسنے سے موت واقع ہونے کی روایت ان کے قتل کے جانے کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ ان کے کارندوں نے اپنی کارکردگی کو ظاہر کرنے کے لئے جو قطع راس کیا اور اسے حکام بالا کی طرف روانہ کیا۔ یہ ان کارندوں کا اپنا عمل اور اپنی تدبیر ہے اور یہ بات بہ نسبت دوسرے امور کے زیادہ صحیح ہے۔

۱ المعرفۃ والتاریخ یعقوب ابن سفیان البسوی صفحہ ۸۱۳ / ج ۲

۲ تاریخ اسلام ذہبیؒ صفحہ ۲۳۵ / ج ۲ تحت عمرو بن حمق

مختصر یہ ہے کہ عمرو بن حمق کا قتل اور پھر ان کا سر کاٹ کر گشت کرانے کا طعن جو حضرت امیر معاویہؓ پر کیا جاتا ہے صحیح نہیں یہ صرف ان کارندوں کا ذاتی عمل تھا جس کو حضرت امیر معاویہؓ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

اس کی حقیقت یہی کچھ ہے اصل بات یہ ہے کہ :۔

حضرت امیر معاویہؓ نے قطع راس کا کوئی حکم نہیں دیا۔

قطع راس کا فعل دیگر ولاۃ اور حکام نے اپنی کارکردگی کا ثبوت پیش کرنے کے لئے ازراہ خود کیا تھا۔

کٹے ہوئے سر کا گشت کرانا پھر اسے ان کی زوجہ کی گود میں لا ڈالنا وغیرہ وغیرہ رواۃ کی طرف سے اس واقعہ میں اضافہ جات ہیں جو داستان کو وحشت ناک اور رقت انگیز بنانے کے لئے بڑھائے گئے ہیں۔

مندرجات بالا کی روشنی میں حضرت امیر معاویہؓ پر یہ طعن قائم کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اگر عمرو بن حمق قتل ہوئے تو ان کے قتل کے اسباب و عوامل (بغاوت کے) موجود تھے اور اگر سانپ کے کاٹنے سے ان کی موت واقع ہوئی ہے تو سر کاٹنے کا حکم حضرت امیر معاویہؓ نے دیا ہی نہیں تھا یہ تو حکام کا ذاتی فعل تھا جس پر حضرت امیر معاویہؓ نے یقیناً ان کی سرزنش کی ہو گی جو عام مورخین نے ذکر نہیں کی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ :۔ **لا یلزم من علم ذکر الشیء ذکر علم الشیء۔** فلہذا اس تنبیہہ کا غیر مذکور ہونا۔ اس کے انکار کی دلیل نہیں۔

دیگر گزارش

یہ ہے کہ اگر بالفرض حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے ولاۃ و حکام سے اس موقع پر کوئی گرفت نہیں کی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حاکم وقت کو بعض حالات کے تحت ایسے جرائم کو معاف کرنے کا حق نہیں اس نوع کے واقعات کا وقوع تو حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت میں بھی مورخین نے ذکر کیا ہے۔ جس میں ان کے حکام کی زیادتیوں اور تجاوزات پر حضرت علی المرتضیٰؓ کی جانب سے کوئی گرفت اور سرزنش کرنے کا ذکر نہیں پایا جاتا۔

مثلاً جب حضرت علی المرتضیٰؓ نے جاریہ بن قدامہ کو ایک دستہ فوج دے کر بسر بن ارطاۃ سے معارضہ کے لئے نجران بھیجا تو اس نے وہاں نجران والوں کو سخت سزائیں دیں حتیٰ کہ ان کے قریہ کو جلا ڈالا اور حامیان عثمانؓ کو قتل کر دیا۔

...ار جاریۃ (بن قدامۃ) حتی بلغ نجران فحرق بھا و قتل ناسا من شیعۃ عثمان و ...رب بسر و اصحابہ فاتبعھم حتی بلغ مکۃ۔" ۱ اس طرح کے واقعات جانبین ...ے متعلق تاریخوں میں دستیاب ہوتے ہیں تاہم ان ہردو حضرات (حضرت علی المرتضیٰؓ اور ...ضرت معاویہؓ) پر ہماری طرف سے اعتراض کرنا صحیح نہیں بطور حاکم انہیں مواخذہ کرنے اور ...رگزر کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے خصوصی کارکن جاریہ بن قدامہ کی چند ایک زیادتیوں کے اجمالی ...لات قبل ازیں ہم نے اپنی تالیف (سیرت سیدنا علی المرتضیٰؓ) میں بعنوان بعض انتظامی امور ...ے ذکر کر دیئے ہیں وہاں رجوع فرمالیں حضرت علی المرتضیٰؓ کی جانب سے بھی ان ناروا و ...جائز کاروائیوں کے متعلق کوئی سزا یا کوئی سرزنش اہل تاریخ نہیں نقل کرتے۔ اللہ اعلم کیا ...لات پیش آئے؟ کیا صورت احوال تھی؟ ناقلین نے واقعات کو کس رنگ میں نقل کیا

مختصر یہ ہے کہ تاریخی "ملفوبات" کے ذریعہ اکابر صحابہ کرامؓ پر اعتراضات وارد کرنا ہمارے ...ے کسی طرح درست نہیں۔

ایسے مراحل میں ہمیں فرمان نبویؐ فراموش نہیں کرنا چاہئے

"اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوا ہم من بعدی غرضا۔"

۱ البدایہ والنہایۃ لابن کثیرؒ صفحہ ۳۲۲ / ج ۷ تحت سنۃ ۴۰ھ

قطع ایدی کا طعن اور اس کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطاعن میں ایک خاص طعن یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ:-

جب حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی وفات کے بعد بصرہ اور کوفہ پر زیاد بن ابیہ کو حاکم اور والی مقرر کیا تو زیاد نے اہل اسلام پر بے دریغ ظلم کیا۔ اور ان کے لئے کئی مشکلات اور مصائب پیدا کر دیئے چنانچہ طبری نے ایک واقعہ اس طرح ذکر کیا ہے کہ مسجد کوفہ میں زیاد نے ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیا اور خطبہ کے دوران کچھ لوگوں نے اس پر کنکر پھینکے تو زیاد نے جوابی کارروائی کے طور پر مسجد کے دروازے بند کروا دیئے اور جن لوگوں (بعض کہتے ہیں کہ وہ تیس آدمی تھے اور بعض کے قول کے مطابق وہ اسی آدمی تھے) نے کنکر پھینکے تھے ان کو گرفتار کروا لیا اور پھر سزا کے طور پر ان کے موقع پر ہی ہاتھ کٹوا دیئے۔

و امرهم فاخذوا ابواب المسجد ثم قال ثم امر بكرسی فوضع علی باب المسجد فدعا هم اربعة اربعة يحلفون بالله ما منا من حصبک فمن حلف خلاه من لم يحلف حبسه و عزله حتى صار الى ثلاثين و يقال بل كانوا ثمانين فقطع ايديهم على المكان۔ [1]

اتنے بڑے ظالمانہ واقعہ پر امیر معاویہؓ نے اپنے حاکم زیاد پر کوئی مواخذہ نہیں کیا اور کم از کم اس کو معزول تک نہیں کیا۔ یہ ظلم بالائے ظلم ہے۔

الجواب

برائے جواب ذیل امور پر نظر فرماویں امید ہے اطمینان کا باعث ہو سکے گا۔

(۱)

ابن جریر الطبری نے قطع ایدی کا واقعہ ۵۰ ھ کے حالات میں ذکر کیا ہے طبری کے متعلق علماء فرمایا کرتے ہیں کہ یہ ایک "غیر ناقد مورخ ہے" اور رطب و یابس، ضعیف، قوی، صحیح و سقیم ہر قسم کی روایات کو بغیر نقد کے جمع کر دیتا ہے۔ گویا کہ نقد و تنقید کا کام اس نے بعد میں آنے والوں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔

۱ التاریخ لابن جریر الطبری صفحہ ۱۳۱ / ج ۲ تحت سنۃ خمسین (ذکر ما کان فیها من الاحداث)

نیز جس واقعہ کے متعلق دیگر محدثین اور قدیم مورخین کی طرف سے تائید یا موافقت نہیں پائی جاتی اس میں صرف طبری کے بیان پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔

اور یہاں اُس واقعہ میں اسی طرح کی صورت حال پائی جاتی ہے جیسا کہ ہم آئندہ سطور میں ذکر کر رہے ہیں۔

(۲)

اس مقام میں طبری کا شیخ عمر درج ہے اور اس کا شیخ علی مذکور ہے اور علی کا شیخ مسلمۃ بن محارب ہے جو واقعہ کا ناقل ہے۔

عمر سے معلوم نہیں کہ کون شخص مراد ہے؟ اسی طرح علی سے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کون ہے؟ پھر علی اور مسلمہ کے درمیان لفظ "عن" ہے جس میں انقطاع کی گنجائش ہے۔

ایک طالب تحقیق اگر کوشش کر کے سیاق و سباق پر نظر ڈالے تو عمر سے عمر بن شبہ بنا سکتا ہے مگر عمر بن شبہ نامی متعدد اشخاص ہیں یہاں پھر تعیین درکار ہے کہ یہاں عمر بن شبہ نامی کون شخص مراد ہے؟

اسی طرح علی کے متعلق جستجو کر کے قاری سیاق و سباق کے اعتبار سے علی بن محمد کہہ سکے گا۔ یہاں پھر علی بن محمد بے شمار رواۃ کے اسماء ہیں پھر اس کی تعیین کہ یہاں کون علی بن محمد مراد ہے؟ یہ بھی ایک مستقل مرحلہ ہے جو ناظرین کے لئے خاصا اشکال و اشتباہ کا موجب ہے۔

اس کے بعد علی نے واقعہ ہذا کو مسلمہ بن محارب سے لفظ "عن" کے ساتھ نقل کیا ہے جس میں انقطاع کا احتمال ہے۔ جس کو رفع کرنا اور اتصال ثابت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ کوئی ماہر فن ہی اس عقدہ کی کشائی کر سکے گا۔

اس واقعہ کو ایسی سند کے ساتھ مورخ طبری نے نقل کیا ہے جس کو صاف کرنا قاری کے لئے اچھا خاصا پریشان کن مرحلہ ہے دوسری لطف کی بات یہ ہے کہ اگر ان رواۃ کی اس روایت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو ان کا کوئی متابع اور شاہد ان کے اپنے دور میں دستیاب نہیں ہوتا جو توثیق کا موجب بن سکے۔

فلہذا یہ اسناد اپنے واقعہ سمیت قابل قبول ہونے سے زیادہ قابل اشکال اور لائق اشتباہ ہے۔

(۳)

اسناد کی تحقیق سے اگر صرف نظر کر لی جائے تاہم یہ بات قابل توجہ ہے کہ قطع ایدی کا مذکورہ واقعہ اولاً طبری نے ذکر کیا ہے اور پھر طبری سے نقل کرنے والے مورخین مثلاً ابن

اثیر الجزری وغیرہ نے طبری سے ہی نقل کیا ہے۔
ہماری ناقص جستجو کے مطابق اس کے علاوہ دیگر قدیم مورخین، زیاد کی طرف سے قطع ایدی کے واقعہ کو نقل نہیں کرتے۔۱۷؎ اور اس مقام میں حجر بن عدی وغیرہ کے ساتھ مناقشات کا ذکر کرتے ہیں۔
حالانکہ اس واقعہ کی اہمیت کے لحاظ سے مورخین کو قطع ایدی کے اس واقعہ کو ذکر کرنا ایک ضروری امر تھا تاکہ زیاد کی زیادتیاں اور ظلم لوگوں پر واضح ہو سکیں۔
اسی طرح شیعہ کے قدماء مورخین مثلاً..... (۱) ابوحنیفہ الدینوری نے اخبار الطوال میں احوال زیاد کے تحت (۲) یعقوبی نے اپنی تصنیف تاریخ یعقوبی جلد ثانی (۳) المسعودی نے مروج الذہب جلد ثالث ایام معاویہ کے تحت وغیرہ نے بھی اس مقام میں زیاد کے واقعات کے تحت "قطع ایدی" کا واقعہ درج نہیں کیا حالانکہ یہ لوگ طعن کی چیزوں کو ذکر کرنے سے ہرگز گریز نہیں کرتے بلکہ طعن کو بنا سجا کر ثابت کرنا تو ان کا فرض منصبی ہے
فلہذا یہ بھی اس چیز پر قوی قرینہ ہے کہ قطع ایدی کا واقعہ تاریخ طبری میں متفردانہ حیثیت رکھتا ہے اور طبری اس قسم کے کئی متفردانہ واقعات درج کرنے میں مشہور ہے۔

(۴)

دیگر بات یہ ہے کہ اسی یا کم از کم تیس آدمیوں کے ہاتھوں کا کٹوا دیا جانا کوئی ایسا معمولی

۱؎ قولہ قطع ایدی کے واقعہ کو نقل نہیں کرتے۔ مندرجہ ذیل قدیم مورخین اور متاخرین نے قطع ایدی کے واقعہ کو نہیں نقل کیا مثلاً

۱۔ خلیفہ ابن خیاط نے اپنی تاریخ میں (سن ۵۰ھ کے تحت) .... (المتوفی ۲۴۰ھ)
۲۔ ابو سفیان البسوی نے المعرفۃ والتاریخ میں (۵۰ھ کے تحت) .... (المتوفی ۲۷۰ھ)
۳۔ علامہ الذہبی نے تاریخ الاسلام میں (سنہ ۵۰ھ کے تحت) .... (المتوفی ۷۴۸ھ) (۲۷۱/
۴۔ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں (اس موقعہ کے واقعات کے تحت) .... (المتوفی ۷۷۹ھ)
۵۔ علامہ ابن کثیرؒ نے البدایۃ والنہایۃ میں (اس مقام کے واقعات کے تحت) المتوفی ۷۷۵ھ، ۷۷۴/

حاصل یہ ہے کہ قطع ایدی کا واقعہ ان مورخین نے نہیں بیان کیا حالانکہ یہ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت سنگین صورت کا حامل ہے۔ (منہ)

واقعہ نہیں تھا جو ملک میں خاموشی سے برداشت کرلیا جاتا اور خاص کر کوفہ اور اس کے ملحقہ قبائل اس پر کوئی شورش نہ کھڑی کر دیتے اور اس کے برخلاف آواز تک نہ اٹھاتے۔ یہ چیز بھی واقعہ کے بے اصل ہونے کا قرینہ ہے۔

(۵)

یہ واقعہ بقول مورخ ۵۰ ھ میں پیش آیا۔ اس دور تک بیشتر صحابہ کرامؓ زندہ موجود تھے مثلاً عبداللہ بن عباسؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ ابو ھریرۃؓ۔ قیس بن سعد بن عبادۃؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ۔ حکیم بن حزامؓ۔ ابو ایوب انصاریؓ۔ عبدالرحمان بن ابی بکرؓ۔ ام المومنین صدیقہؓ۔ حسینؓ بن علیؓ۔ اسامہ بن زیدؓ۔ معقل بن یسار المزنیؓ۔ عقیل بن ابی طالبؓ۔ فضالہ بن عبید الانصاریؓ سمرۃ بن جندبؓ وغیرہ وغیرہ

تو ان حضرات میں سے کسی صاحب نے قطع ایدی کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اور واقعہ پر نکیر نہیں کی۔ حالانکہ اس دور میں بعض لوگوں مثلاً حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کی وجہ سے حضرت امیر معاویہؓ پر اکابرین کی طرف سے اعتراض کیا جانا تاریخ میں دستیاب ہوتا ہے۔

فلہذا اس دور کے اکابر صحابہ کرامؓ اور تابعین کی طرف سے واقعہ مذکورہ پر نقد و نکیر کا نہ ذکر کیا جانا بھی ایک مستقل قرینہ ہے کہ قطع ایدی (یعنی ہاتھوں کو کاٹنے کا واقعہ) بے اصل ہے اور اس وقت ایسا کوئی سنگین معاملہ رونما نہیں ہوا۔

(۶)

قطع ایدی کا یہ واقعہ اگر وقوع پذیر ہوا ہے تو عام عادت کے مطابق اس کی اطلاع دربار خلافت میں بھی پہنچی ہوگی اور نہیں تو مظلومین نے حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں داد رسی کے لئے لازماً درخواست کی ہوگی۔ اور ایک خلیفہ عادل ۲۱۸ اور شرعی احکام کے متبع امیر المومنین سے ہرگز یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایسے ظالمانہ فعل کے پائے جانے پر خاموش رہیں اور معزولی کی سزا یا کم از کم سرزنش کا کوئی حکم صادر نہ فرمائیں حالانکہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں جب اس قسم کے واقعات پیش آئے ہیں تو ان کے متعلق باز پرس یا معزولی ہوتی رہی ہے۔

مثال کے طور پر مندرجہ ذیل واقعات موجود ہیں :۔

(۱) بصرہ پر عبداللہ بن عامر حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے حاکم تھے۔ وہاں اہل بصرہ کی طرف سے فساد کھڑا ہوا اور اس علاقے کی فضا مخالفین کی طرف سے فاسد بننے لگی اس سلسلہ میں ابن عامر اپنی نرمی طبع کی وجہ سے کوئی موثر کارروائی نہ کر سکے اور شر و فساد کو دبانے

میں ناکام رہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کو اطلاع پہنچی تو آپ نے عبداللہ بن عامر کو بصرہ کی ولایت سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ حارث بن عبداللہ الازدی کو والی مقرر فرمایا۔ ۱

(۲) نیز اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن غیلان والی بصرہ کی طرف سے قطع ید کا ایک واقعہ پیش آیا تھا (جس کی تشریح اپنی جگہ پر ذکر ہو گی انشاء اللہ) تو اس موقعہ پر حضرت امیر معاویہؓ نے مظلوم کو بیت المال سے دیت ادا کر دی اور عبداللہ بن عمرو بن غیلان کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ عبیداللہ بن زیاد کو والی مقرر فرمایا۔ ۲ مگر قطع ایدی کے اس واقعہ کے تحت صورت حال یہ ہے کہ ہماری معلومات کی حد تک اس دور کے اکابر مورخین زیاد کے اس ظلم پر حضرت معاویہؓ کے مواخذہ کا ذکر تک نہیں لائے۔ فلہذا یہ چیز بھی واقعہ ہذا کے بے اصل ہونے کی طرف نشان دہی کرتی ہے۔

(۷)

نیز یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ زیاد کی طبعی صلاحیت اور جبلی فراست اور تدبیر سیاست' کے بھی یہ واقعہ برعکس پایا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے کبار علمائے فن کی طرف سے اس کے حق میں بحث استلحاق زیاد کے تحت تبصرے و تجزیئے درج کر دیئے ہیں کہ یہ شخص حسن سیاست اور حسن تدبیر میں ضرب المثل تھا اور وافر دانش کا حامل تھا قطع ایدی کا واقعہ تو ایک جذباتی قسم کے آدمی اور مغلوب الغضب فطرت والے انسان کا فعل ہو سکتا ہے جسے انجام و نتائج کی کچھ فکر نہ ہو۔

لیکن عواقب و ثمرات پر نظر رکھنے والے مدبر شخص سے ایسے فعل کا سرزد ہونا تدبیر سیاست کے خلاف ہے۔

خارجیوں کے حق میں سخت گیری

البتہ تاریخ کی کتابوں میں زیاد بن ابیہ کے رجحانات کے بارے میں اتنی چیز ملتی ہے کہ وہ "خوارج" کے حق میں نہایت سخت گیر حاکم تھا۔

۱ التاریخ لابن جریر الطبری صفحہ ۱۲۱ / ج ۶ تحت سنتہ ۴۴ھ (۲) البدایہ لابن کثیرؒ صفحہ ۲۷ / ج ۸ تحت سنتہ ۴۴ھ

۲ البادیتہ لابن کثیرؒ صفحہ ۷۱ / ج ۸ تحت سنتہ خمس و خمسین (۲) التاریخ لابن جریر الطبری صفحہ ۱۶۸ / ج ۶ تحت سنتہ سنہ ۵۵ھ

جیسا کہ مورخ طبری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ: **ان زیادا اشتد فی امر الحروریۃ بعد قریب وزحاف فقتلھم وامر سمرۃ (بن جندب) ھنالک وکان یستخلفہ علی البصرۃ اذا خرج الی الکوفۃ فقتل سمرۃ منھم بشرا کثیرا۔**"[1]

یعنی قریب و زحاف کے بعد حروریہ (خوارج) کے معاملہ میں زیاد بہت سخت گیر تھا۔ اس نے خوارج کو قتل کیا اور سمرۃ بن جندب کو بھی اس بات کا حکم دیا۔ جب زیاد کوفہ کی طرف جاتا تھا تو سمرۃ کو بصرہ میں اپنا قائم مقام مقرر کرتا تھا۔ سمرہ نے بھی کثیر خوارج کو قتل کیا۔

یہ بات واضح ہے کہ حروریہ اور خوارج جس طرح حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف تھے اسی طرح یہ لوگ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت معاویہؓ کے حق میں بھی شدید ترین عناد اور کینہ رکھتے تھے۔

چنانچہ زیاد بن ابیہ کے متعلق تشدد و سخت گیری کی جو کارروائیاں لوگ ذکر کرتے ہیں وہ عام طور پر حروریہ اور خوارج کے فرقوں کے متعلق ہیں ان لوگوں کی جماعتی قوت کو توڑنے کے لئے زیاد نے اپنے حلقہ اثر میں سرتوڑ کوشش جاری رکھی۔

مختصر یہ ہے کہ زیاد کی کارکردگی انتظامی معاملات میں مصلحت پر مبنی تھی جس طرح وہ امیر المومنین معاویہؓ کے نظام خلافت کو برہم کرنے والوں سے سختی سے پیش آتا تھا اسی طرح وہ خوارج کے ساتھ بھی سخت گیری کا معاملہ کرتا تھا۔

لیکن قطع ایدی کا واقعہ زیاد کی تدبیر حکمرانی کے برعکس ہے ایسے امور سے رعایا راعی سے متنفر ہوتی ہے۔

ان امور پر نظر کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ درست نہیں ہے۔

(۸)

اسی سلسلہ میں ایک اور واقعہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے جو اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ زیاد ابن ابیہ سے قطع ایدی کا وقوع بعید از قیاس ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں زیاد نے بصرہ کی سابقہ مسجد میں بہت کچھ اضافہ کیا اور اس کی پختہ عمارت تعمیر کرائی ساج کی لکڑی سے مسجد کی چھت کو مسقف کیا۔ اور دارلامارۃ کو سابقہ جگہ سے منتقل کر کے مسجد سے ملحق اس طرح تعمیر کرایا کہ حاکم وقت مسجد کے محراب میں قبلہ کی طرف سے آسانی کے ساتھ امامت کے لئے داخل ہو سکے۔ اور اس تبدیلی مکان کی وجہ یہ بیان کی کہ:

[1] التاریخ لابن جریر الطبری صفحہ ۱۳۳ / ج ۶ تحت البدایۃ ۵۰ھ

قال لا ینبغی لامام ان یتخطی الناس فحول دارالامارة من الدهناء الی قبلته المسجد فکان الامام یخرج من الدار فی الباب الذی فی حائطه القبلته"۔[1]

یعنی امام اور حاکم وقت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ لوگوں کی گردنوں پر سے قدم پھلانگ کر گزرے۔ پس دارالامارة کو سابقہ مقام سے منتقل کر کے مسجد کے قبلہ کی طرف قائم کیا۔ تاکہ امام اپنے مکان سے خارج ہو کر مسجد کی محراب میں آسانی کے ساتھ داخل ہو سکے

یہاں قابل توجہ یہ چیز ہے کہ زیاد بن ابیہ نے ایک شرعی مسئلہ (نہی عن تخطی رقاب الناس) کی رعایت کرتے ہوئے دارالامارة کو منتقل کر دیا اور ایذاء مسلمین سے اجتناب کی تدبیر اختیار کی۔

ایک ایسا شخص جو "تخطی رکاب الناس" سے اجتناب کرتا ہے وہ اتنے کثیر مسلمانوں کی بلاوجہ ایذا رسانی کا ارتکاب کیسے کر سکتا ہے؟

مختصر یہ ہے کہ یہ واقعہ بھی قطع ایدی کے واقعہ کے بے اصل ہونے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

واقعہ قطع ایدی کے متعلقہ چند اشیاء ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کی ہیں اور ساتھ ہی واقعہ کے بے اصل ہونے پر چند قرآئن ذکر کر دیئے ہیں تاکہ قارئین کو اس پر غور کرنے اور صحیح صورت حال سے آگاہی کا موقع میسر آئے اور وہ خود ایک صحیح فیصلہ پر پہنچ سکیں۔

مختصر یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مذکورہ بالا قرائن کی روشنی میں یہ واقعہ بے اصل نظر آتا ہے نیز اس کے حق میں شواهد و متابع نہیں پائے جاتے جو اس کی صحت کے لئے موید ثابت ہوں۔

واقعہ کو صرف طبری کا مذکور اسناد کے ساتھ درج کر دینا قابل اعتماد نہیں ہے۔ اور اس سے صحابہ کرام پر طعن تجویز کرنا صحیح نہیں ہے۔

جن لوگوں نے طبری کی روایت پر یقین کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون کیا ہے انہوں نے نہایت ناانصافی کی ہے۔

۱ فتوح البلدان للبلاذری صفحہ ۳۵۵ تحت تمصیر البصرة

"قطع ید کا ایک دوسرا طعن"

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک یہ طعن بھی قائم کیا جاتا ہے کہ ان کے حکام شرعی احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے ان پر کوئی گرفت نہیں کی جاتی تھی۔ دوسرے الفاظ میں حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے ولاۃ و حکام کو قانون سے بالاتر قرار دے رکھا تھا اور ان سے خلاف شرع فعل سرزد ہونے پر کوئی مواخذہ نہیں کرتے تھے۔ دلیل میں مندرجہ ذیل روایت طعن کرنے والے بطور حوالہ پیش کرتے ہیں

خطب عبداللہ بن عمرو بن غیلان علی منبر البصرۃ فحصبہ رجل من بنی ضبۃ.... فامر بہ فقطعت یدہ"[1]

یعنی عبداللہ بن عمرو بن غیلان ایک دفعہ بصرہ کے منبر پر خطبہ دے رہے تھا کہ بنی ضبہ کے ایک شخص نے کنکر دے مارا

عبداللہ بن عمرو نے اس شخص کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

جب بنی ضبہ نے یہ معاملہ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں بطور استغاثہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے عمال سے قصاص لینے کی کوئی صورت نہیں لیکن اگر تم چاہو تو دیت ادا کی جا سکتی ہے۔

"الجواب"

اس طعن کو صاف کرنے کے لئے ذیل میں چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ توجہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

اس طعن کا دارومدار روایت مذکور بالا پر ہے فلھذا اس روایت پر پہلے باعتبار سند کے کلام پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد متن روایت کے اعتبار سے چند چیزیں پیش کی جائیں گی۔

روایت کا اسناد

اصل یہ روایت تاریخ طبری میں ہے اور دیگر مورخین طبری سے ناقل ہیں۔ اور روایت کی سند اس طرح ہے۔ حدثنی عمر قال حدثنا ولید بن ہشام و علی بن محمد و اختلفا فی بعض الحدیث قالا خطب عبداللہ بن عمرو بن غیلان)..... الخ

روایت ہذا کے اسناد میں عمر سے مراد غالبا" عمر بن شبہ ہے عمر بن شبہ کو ولید بن ہشام اور علی بن محمد نے بیان کیا پھر ان دونوں میں متن روایت کے متعلق تھوڑا سا اختلاف ہے

[1] التاریخ لابن جریر الطبری صفحہ ۱۶۸ / ج ۶ تحت سنۃ ۵۵ھ

پھر یہ دونوں کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے خطبہ دیا۔
مطلب یہ ہے کہ ولید اور علی بن محمد نے یہ تمام واقعہ نقل کیا اور ہماری جستجو کے مطابق علی بن محمد سے مراد ابو الحسن علی بن محمد المدائنی ہے جو ۱۳۵ھ میں پیدا ہوا اور اس کی وفات ۲۱۵ھ / ۲۲۴ / ۲۲۵ھ علی اختلاف الاقوال اہل تراجم نے ذکر کی ہے۔
جب کہ واقعہ مذکور حسب قول مورخ طبری ۵۵ھ میں پیش آیا تھا۔
فلہذا راوی (المدائنی) کی ولادت اور واقعہ کے وقوع پذیر ہونے میں کم از کم اسی سال کا ایک طویل عرصہ ہے۔
اسی طرح ولید بن ھشام علی بن محمد ابو الحسن کا ہم عصر وہم زمان ہے ۵۵ھ کے اس واقعہ کو نقل کرنے میں علی بن محمد کے ساتھ شریک ہے۔ واقعہ مذکورہ اور ان راویوں کے درمیان عرصہ دراز کا فاصلہ پایا جاتا ہے اس بنا پر یہ روایت اھل علم کی اصطلاح میں منقطع ہے اور انقطاع بھی ایک طویل عرصہ پر مشتمل ہے جس میں کم از کم دو یا تین راوی پائے جا سکتے ہیں جو سند ہذا میں غیر مذکور ہیں واللہ اعلم وہ کس قسم کے اور کس حیثیت کے افراد تھے اور نظریاتی طور پر وہ کس طبقہ سے وابستہ تھے؟ ایسے انقطاع والی روایت قابل اعتماد و اعتبار نہیں اور نہ ہی اس نوع کی روایات سے صحابہ کرامؓ پر طعن قائم کرنا درست ہے۔

مفہوم روایت

پھر سند کی بحث سے اگر صرف نظر بھی کر لی جائے تو متن روایت کی روشنی میں واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عمرو بن غیلان منبر بصرہ پر خطبہ دے رہے تھے۔ قبیلہ بنی ضبہ کے ایک شخص نے کسی بات پر عبداللہ کو کنکر مار دیا۔ تو عبداللہ بن عمرو نے بقول مورخین اس شخص کے قطع ید کا حکم دیا چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ قطع ید کے بعد بنو ضبہ قبیلہ کے لوگ اس سلسلہ میں حاکم مذکور کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے آدمی نے جنایت اور قصور کیا لیکن آپ نے اس پر سخت سزا دے دی یعنی ہاتھ کٹوا دیا
ہم اس بات سے بے خوف نہیں ہیں کہ اس معاملہ کی اطلاع امیر المومنین حضرت معاویہؓ کو پہنچے گی پھر ان کی جانب سے سزا کا حکم عموماً یا خصوصاً جس صورت میں آئے آسکتا ہے۔
ان حالات میں اگر امیر وقت مناسب خیال فرمائیں تو ہمیں ایک تحریر لکھ دیں کہ یہ ایک مشتبہ صورت میں قطع ید کا واقعہ پیش آیا ہے اور اس کا معاملہ واضح نہیں تھا۔
اس نوع کی تحریر عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے حضرت امیر معاویہؓ کی طرف لکھی دی ہو

نے تحریر حاصل کر کے اپنے پاس محفوظ کر لی سال یا چھ ماہ کے بعد وہ لوگ حضرت معاویہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا معاملہ استغاثہ کی صورت میں حاکم بصرہ کے خلاف پیش کیا اور کہا کہ ہمارے ایک شخص کا ہاتھ حاکم عبداللہ نے غلط کاٹ دیا ہے اور یہ اس کی اپنی تحریر آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

حضرت معاویہؓ نے یہ تحریر ملاحظہ فرمائی اور واقعہ معلوم کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ موجودہ صورت میں عمال سے قصاص کی کوئی صورت نہیں ہے لیکن اپنے ساتھی کے لئے دیت اگر تم چاہو تو ہم ادا کر سکتے ہیں۔ تو انہوں نے ہاتھ کی دیت (یعنی عوضانہ) حاصل کرنے کو اختیار کیا اور حضرت امیر معاویہؓ نے بیت المال سے اس کی دیت ادا کر دی (اور اس غلطی کی پاداش میں) اپنے حاکم عبداللہ کو اس کے منصب سے معزول کر دیا۔

فاتته بنو ضبته فقالوا ان صاحبنا جنی ما جنی علی نفسه و قد بلغ الامیر فی عقوبته و نحن لا نامن ان یبلغ خبره امیر المومنین فیاتی من قبله عقوبته تخص او تعم فان رای الامیر ان یکتب ان کتابا یخرج به احدنا الی امیر المومنین یخبره انه قطعه علی شبهته و امر لم یضح فکتب لهم بعد ذالک الی معاویته فقالوا یا امیر المومنین انه قطع صاحبنا ظلما و هذا کتابه الیک وقرا الکتاب فقال اما القود من عمالی فلا یصح ولا سبیل الیه ولکن ان شئتم ودیت صاحبکم قالوا فده فوداه من بیت المال و عزل عبدالله" ۔۲۲۴

مطلب یہ ہے کہ پیش آمدہ صورت ایک مشتبہ صورت تھی اور غیر واضح تھی جسے عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے اپنے خط میں تحریری طور پر تسلیم کیا تھا۔

اس بنا پر طریقہ کار حضرت امیر معاویہؓ نے یہ اختیار کیا کہ استغاثہ والوں کو قطع ید کا عوضانہ (بطور دیت کے) بیت المال سے دلوایا ہے اور اپنے ماتحت حاکم کو اس غلطی کی بنا پر منصب سے معزولی کی سزا دے دی۔ یہ ایک جائز فیصلہ ہے۔ اس میں دونوں فریق کو ملحوظ رکھا ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں یہ الزام کہ انہوں نے اپنے والیوں اور حکام کو قانون سے بالاتر قرار دے رکھا تھا اور خود ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کئے ہوئے تھے۔ بالکل بے جا اور بے وزن ہے۔ اور قلبی عناد پر مبنی ہے۔

۱ البدایہ کثیرؒ صفحہ ۱۷ / ج ۸ تحت سنہ ۵۵ھ طبع اول مصر

خلاصہ کلام یہ ہے کہ طعن پیدا کرنے والی اصل روایت اہل فن کے نزدیک جس درجہ کی ہے وہ ناظرین نے ملاحظہ کر لی ہے کہ واضح الانقطاع ہے۔ اس نوع کی روایت سے صحابہ کرامؓ پر طعن تجویز کرنا پھر اس کو صحیح تسلیم کرنا فن کے قواعد کے برعکس ہے۔ صحابہ کرامؓ کے ساتھ کینہ ور آدمی ہی اسے باور کر سکتا ہے۔

نیز تاریخی روایات میں جو مواد فراہم کیا جاتا ہے اس کے لئے بڑے مراحل ہوتے ہیں۔ اصل واقعہ کچھ ہوتا ہے نقل کرنے والے اسے کچھ سے کچھ بنا کر نقل کرتے ہیں۔ پھر یہ نقل در نقل باعتبار راویت بالمعنی کے چلتی رہتی ہے۔ اور اس کی تعبیریں بدلتی رہتی ہیں۔ آخر کار مولف کتاب اسے ایک اپنی عبارت کے ساتھ تعبیر کرتا ہے۔

ان تمام تغیرات کو پیش نظر رکھ کر واقعات کو جانچنا چاہئے اور مقام صحابہؓ اور ان کے کردار کو سامنے رکھنا چاہئے۔ جو چیز ان کی شان دیانت کے موافق ہو اسے قبول کرنا اور جو چیزیں ان کی دیانت و امانت کے برعکس ہوں ان کو ترک کر دینا چاہئے۔

امیر معاویہؓ پر زہر خورانی کا طعن اور مقدام بن معدیکرب والی روایت کا جواب

قارئین کرام پر واضح رہے کہ سیدنا امام حسنؓ کی وفات کا بذریعہ زہر خورانی واقع ہونا بعض مورخین اور مولفین نے ذکر کیا ہے لیکن تمام محدث اور تمام مورخ اس کے وقوع کے قائل نہیں دوسرے لفظوں میں یہ مسلم الکل اور متفق علیہ امر نہیں ہے مثلاً" تاریخ ابن جرر الطبری اور تاریخ بغداد للخطیب وغیرہ میں زہر خورانی کے واقعہ کا کوئی ذکر تک نہیں پایا گیا پھر جو حضرات اس زہر خورانی کے واقعہ کو ذکر کرنے والے ہیں ان میں بعض ایسے حضرات ہیں (مثلاً حاکم فی المستدرک اور ابن حجر فی الاصابتہ) جنہوں نے امام موصوف کو زہر دیا جانا تو ذکر کیا ہے مگر زہر دینے والے کا نام ندارد نہ ان کی بیوی کی طرف نسبت کی ہے نہ کسی دوسرے شخص کی جانب اس چیز کو منسوب کیا ہے اور بعض مورخ ایسے ہیں جنہوں نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور اس کی نسبت براہ راست حضرت موصوف کی زوجہ جعدۃ بنت اشعث بن قیس کندی کی طرف کی ہے اور کسی شخص کو ساتھ نہیں ملایا۔ (مثلاً ابن اثیر الجرزی نے التاریخ الکامل میں) البتہ بعض حضرات ایسے بھی ہیں کہ زہر خورانی کی نسبت حضرت کی زوجہ جعدتہ بنت اشعث کی طرف کرنے کے بعد قالت طائفتہ کے الفاظ سے یا ذکر او یقال (یعنی ایک ٹولہ کہتا ہے یا کہا جاتا ہے) کے لفظوں سے اس بات کو اپنے ہاں درج کرتے ہیں (مثلاً الاستیعاب لابن عبدالبر وغیرہ) کہ یہ معاملہ اس عورت نے امیر معاویہؓ کے اشارہ کی بنا پر کیا بعض کہتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نہیں بلکہ یزید بن معاویتہ کے کہنے پر اس نے کیا ہے۔ اس معاملہ میں انصاف کے ساتھ غور و حوض کرنے کے لئے چند چیزیں ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں ناظرین حضرات توجہ سے ملاحظہ فرماویں اس سے یہ طعن صاف ہو جائے گا اور حضرت معاویہؓ کو اس میں مطعون کرنے کا جواب مکمل ملے گا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت حسنؓ کی حالت دگرگوں ہو گئی تو برادر (حضرت حسینؓ) نے دریافت کیا کہ جناب کو کس نے زہر دیا ہے؟

تو حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ آپ کیوں دریافت کرتے ہیں؟

انہوں نے کہا کہ آپ کے دفن سے قبل ہی اللہ کی قسم اس کو قتل کر دیں گے۔

حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ برادر عزیز اس بات کو ترک کر دیں اللہ تعالیٰ کے ہاں فیصلہ ہو گا۔ الغرض اس کے نام بیان کرنے سے انکار کر دیا۔

مطلب یہ ہوا کہ اگر زہر خورانی کا واقعہ درست بھی ہے تو بھی واقعہ میں موجود حضرات اور عینی شاہدوں کو زہر دینے دلانے والے کا علم بالکل نہ ہو سکا اسی بنا پر حضرت حسینؓ کسی پر یہ الزام قائم نہ کر سکے اور سزا دینے کی کوئی صورت سامنے نہ آ سکی۔

اس قریب تر دور گزر جانے کے بعد رواۃ پر یہ کس طرح منکشف ہوا کہ زہر دلانے والے امیر معاویہؓ ہیں؟ اور شام میں یہ سازش تیار کی گئی اور وہاں سے مدینہ میں لاکر اس پر عمل درآمد کرایا گیا۔ طعن تیار کرنے والوں کے اس چیز پر کوئی دلیل نہیں ہے یہ خاص بدگمانی ہے عام مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی کرنا درست نہیں (**ان بعض الظن اثم ہوتا ہے**) پھر صحابہؓ کرام کے ساتھ بدظنی کرنا تو بالکل جائز نہیں۔

اس مقام پر ذیل میں چند امور ذکر کئے جاتے ہیں ان کی طرف نظر غائر فرماویں۔

(۱)

ایک گزارش تو یہ ہے کہ جن مصنفین نے بھی حضرت امیر معاویہؓ کا ذکر اس معاملہ میں کیا ہے انہوں نے بغیر دلیل اور بغیر حجتہ کے ہی ذکر کر ڈالا ہے اس واقعہ کی خاطر کوئی باسند صحیح روایت انہوں نے ذکر نہیں کی۔ چوتھی یا پانچویں صدی ہجری کے مصنفین ایک واقعہ کو (جو ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں گزرا ہے) بلا سند صحیح اور بلا دلیل قوی ذکر کر دیں اس کو بغیر تحقیق و تفتیش کے تسلیم کر لینا قواعد مسلمہ اور درایت صحیحہ کے برعکس ہے۔

(۲)

دوسری عرض یہ ہے کہ زہر خورانی کے معاملہ میں امیر معاویہؓ کا کچھ دخل نہیں ہے یہ چیز ان کی جانب "تاریخی روایات غیر صحیحہ کی بنا پر بعض غالی رواۃ نے نسبت کر دی ہے پھر اس دور کے بعد والے ناقلین نے چشم پوشی کرتے ہوئے نقل در نقل کو اپنی تصنیفات میں جاری رکھا ہے' امیر شامؓ موصوف کی اس معاملہ میں برات آج ہم پندرھویں صدی میں بیٹھ کر نہیں پیش کر رہے بلکہ آج سے صدیوں قبل محققین علماء نے اس تراشیدہ الزام کی خوب تردید فرما دی ہے چشم بصیرت کی ضرورت ہے۔

ابن تیمیہ حرانی (۷۲۸ھ متوفی) اور علامہ ابن کثیر (۷۷۴ھ متوفی) اور ابن خلدون (۸۰۸ھ متوفی) حافظ ذھبی وغیرہ اکابر علماء کی اس بارے میں جو تصریحات ملتی ہیں ان میں سے چند ایک یہاں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) منہاج السنۃ میں علامہ ابن تیمیہ حرانیؒ نے مذکورہ مسئلہ پر بحث کی ہے اس میں سے چند جملے نقل کئے جاتے ہیں۔

واما قولہ ان معاویۃ سم الحسن فھذا مما ذکرہ بعض الناس ولم یثبت ذالک ببینۃ

شرعیته او اقرار معتبر ولا نقل بجزم به و ھذا مما لا یمکن العلم به فالقول به قول بلا علم"

مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں نے سیدنا حسنؓ کے زہر دیئے جانے کو امیر معاویہؓ کی طرف نسبت کیا ہے یہ چیز دلیل شرعیہ سے ہرگز ثابت نہیں ہے اور نہ کسی اقرار معتبر سے اور نہ کسی نقل یقینی سے ثابت ہے یہ تو ایسی بات ہے کہ جس کے ساتھ یقین کرنا ممکن ہی نہیں ہے پس ایسی بات کو تسلیم کر لینا تو ایک چیز کے ساتھ بلا دلیل یقین کرنا ہو گا اور یہ کسی حال میں درست نہیں ہے۔ (منہاج السنہ ۲/۲۲۵ لابن تیمیہ)

(۳)

اور ابن کثیر کی تحقیق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ

وعندی ان ھذا لیس بصحیح و عدم صحته عن ابیه معاویته بطریق الاولی والا خری

یعنی ابن کثیر کہتے ہیں کہ (یزید کا امام حسن کی زوجہ کو زہر خورانی کے متعلق کہلا بھیجنا) میرے نزدیک تو یہ بھی صحیح نہیں ہے اور اس کے والد امیر معاویہؓ کے متعلق یہ گمان کرنا تو بطریق اولیٰ درست نہیں ہے۔ (البدایہ لابن کثیرؒ ۸/۴۳ تحت تذکرہ حضرت حسنؓ)

(۴)

اور مورخ ابن خلدون نے اپنی مشہور تاریخ ابن خلدون جلد دوم میں بالتصریح لکھا ہے کہ :۔

وما ینقل ان معاویته دس الیه السم مع زوجته جعدة بنت اشعث بن قیس فهو من احادیث الشیعته وحاشا لمعاویتهؓ من ذالک"۔ ۱

یعنی یہ بات جو نقل کی جاتی ہے کہ امیر معاویہؓ نے سیدنا حسنؓ کے قتل کے لئے پوشیدہ طور پر جعدة بنت اشعث کے واسطہ سے زہر دلوائی تھی "یہ شیعہ لوگوں کی روایات ہیں۔ اللہ کی پناہ! معاویہؓ کا دامن اس داغ سے صاف ہے۔ اور حضرت معاویہؓ کے دیانت دارانہ اخلاق سے یہ بات بہت بعید ہے۔

(۵)

اور حافظ الذھبی نے اپنی مشہور تاریخ الاسلام الجزء الثانی میں اس مسئلہ کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ

وقالت طائفته کان ذالک بتدسیس معاویته الیها و بذل لها علی ذالک و کان لها ضرائر۔ قلت ھذا شئی لا یصح فمن الذی اطلع علیه"۔ ۲

۱ تاریخ ابن خلدون صفحہ ۱۱۳۹ / ج ۲ طبع بیروت تحت بیعته الحسن و تسلیمه الامر لمعاویتهؓ

۲ تاریخ الاسلام للذھبی صفحہ ۲۱۹ / ج ۲ تحت الحسن بن علیؓ طبع مصر

یعنی ایک طائفہ نے یہ قول کیا ہے کہ معاویہؓ نے زہر دینے کی سازش کی اور حیلہ کیا اور معاویہ نے اس پر زر صرف کیا اور حسن کے لئے سوکنیں تھیں (ان کے ذریعہ یہ معاملہ کیا) ذھبی کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل صحیح نہیں بلکہ غلط ہے اس معاملہ پر کون مطلع ہو سکا؟ مختصر یہ ہے کہ ان تمام مشہور علماء نے حضرت معاویہؓ کی طرف زہر خورانی کی نسبت کو غلط قرار دیا ہے اور اس کی تردید کر دی ہے۔

شیعہ مورخ کا ایک بیان

اس سلسلہ میں شیعہ کے اکابر مورخین کا مزید ایک ضروری بیان ہم ناظرین کی خدمت میں ذکر کرتے ہیں جس سے مذکورہ طعن کی حقیقت خوب واضح ہو جائے گی احمد بن داؤد الدینوری الشیعی (صاحب اخبار الطوال) نے اپنی تصنیف ہذا میں ذکر کیا ہے کہ

ولم یر الحسن ولا الحسین طول حیاۃ معاویۃ منہ سوء فی انفسھما ولا مکروھا ولا قطع عنھما شیئا مما کان شرط لھما ولا تغیر لھما عن بری۔" [۱]

یعنی حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ دونوں بزرگوں نے اپنی ذات کے متعلق حضرت معاویہ کی مدت خلافت میں ان سے کوئی بری بات اور مکروہ چیز نہیں دیکھی جو شرائط معاویہؓ نے ان کے ساتھ طے کی تھیں۔ معاویہؓ نے ان کا ایفا کیا ان کو ضائع نہیں کیا۔ امیر معاویہؓ نے جو احسان اور بہتر سلوک ان کے حق میں جاری کیا اس کو تبدیل نہیں کیا" شیعہ اکابر کے ان واضح بیانات نے مسئلہ صاف کر دیا کہ حضرت معاویہؓ نے حسنین شریفینؓ کے ساتھ مدت العمر کوئی بدسلوکی اور برائی نہیں کی۔ تو پھر حضرت حسنؓ کو زہر دلانے کا قصہ کیسے صحیح ہوا؟

یاد رہے کہ یہ الدینوری دو سو بیاسی ۲۸۲ھ کا متوفی ہے بہت قدیم پختہ شیعہ مورخ ہے۔

ان کے بیانات شہادت دیتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے امام حسنؓ کے ساتھ زہر دلانے کی بدخواہی اور بدسلوکی قطعاً اختیار نہیں کی یہ سب بعض اخباری شیعوں کے افسانے ہیں۔ دینوری کا مذکورہ حوالہ قبل ازیں اپنی کتاب مسئلہ اقربا نوازی ۱۹۴ پر درج شدہ ہے یہاں مسئلہ ہذا کی وضاحت کے لئے دہرایا گیا ہے۔

(۶)

نیز حضرت معاویہؓ کی طرف زہر خورانی کی نسبت درایت کے اعتبار سے بھی درست نہیں۔

۱ "الاخبار الطوال" لاحمد بن داود ابی حنیفہ الدینوری الشیعی صفحہ ۲۲۵ بحث معاویۃ و عمر بن العاص طبع قاہرہ مصر

اس لئے کہ حضرت امام حسنؓ کی وفات (جو ۴۹ ھ میں واقع ہوئی تھی) کے بعد ملک شام میں متعدد غزوات پیش آئے۔ ان غزوات میں ہاشمی صحابہ کرامؓ حضرات بہت سے شامل ہوتے رہے۔ خصوصاً حضرت امام حسنؓ کے سگے برادر سیدنا حسین بن علیؓ ان غزوات میں شامل ہوئے۔

چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ **ولما توفی الحسن کان الحسین یفدالی معاویتہ فی کل عام فیعطیہ ویکرمہ و قدکان فی الجیش الذین غزوا القسطنطنیتہ مع ابن معاویتہ یزید فی سنتہ احدی و خمسین (۵۱ ھ)**۔ ۱

یعنی جب حضرت حسنؓ فوت ہو چکے تو اس کے بعد سیدنا حسینؓ حضرت معاویہؓ کے ہاں ہر سال تشریف لے جاتے پھر حضرت معاویہؓ ان کا اکرام کرتے اور انہیں عطایا دیتے تھے۔ چنانچہ ۵۱ ھ میں غزوہ قسطنطنیہ پیش آیا تو اس جیش میں حضرت سیدنا حسینؓ شریک ہوئے جب کہ یزید بن معاویہؓ امیر جیش تھا۔

یہ غزوات جن میں سیدنا حسینؓ اور دیگر ہاشمی حضرات شامل ہوئے ہیں حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد پیش آئے۔

ہاشمی حضرات کا ان غزوات میں شریک و شامل ہونا اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ زہر خورانی کا طعن مذکور جو حضرت معاویہؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ قطعاً غلط ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

قبیلہ کے اکابر اور اقارب کو جن لوگوں نے قتل کیا ہو۔ ان لوگوں کے ہمراہ غزوات میں شرکت نہیں کی جا سکتی اور ان لوگوں سے عطایا اور وظائف وصول نہیں کئے جا سکتے۔ کیونکہ یہ چیزیں ان حضرات کی عزت نفس اور فطری غیرت کے برخلاف ہیں

(۷)

یہاں یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کثرت ازدواج میں شہرت رکھتے تھے چنانچہ اس چیز کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قال علی یا اھل العراق اویا اھل الکوفتہ لا تزوجوا احسنا فانہ رجل مطلاق..... قال علیؓ مازال الحسنؓ تیزوج و یطلق حتی حسبت ان یکون عداوۃ فی

۱ البدایتہ والنہایتہ صفحہ ۱۵۰، ۱۵۱ / ج ۳ تذکرۃ خروج الحسین الی العراق و کیفیتہ مقتلہ

القبائل۔"[1]

یعنی حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اے عراق والو یا کوفہ والو حسنؓ کو تزویج مت کرو کیونکہ یہ بہت طلاق دینے والے آدمی ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن تزوج کرتے ہیں اور پھر طلاق دے دیتے ہیں حتی کہ مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ چیز قبائل میں عداوت کا باعث بن جائے گی"

اور مختلف مزاج خواتین اور متنوع طباع ازواج سے حضرت حسنؓ کا سابقہ پڑا اور عموماً" عورت کم فہم اور کج فطرت ہوتی ہے اس کی نا عاقبت اندیشی اور احسان فراموشی محتاج بیان نہیں عورت جب کسی معاملہ میں خاوند کے ساتھ ضد پر اتر آتی ہے تو وہ عواقب و نتائج کو بر طرف ڈال کر سب کچھ کر گزرتی ہے (الا ماشاء اللہ)

پھر خصوصاً" ایسے مواقع جہاں ضرائر (سوکنوں) کے درمیان حسد و بغض کی آگ بھڑک اٹھی ہو یہ خار و خلش بعض اوقات پورے قبیلے اور فیملی کی بربادی کا سبب بن جاتی ہے یہاں بھی قرین عقل و دانش یہی بات ہے کہ زہر خورانی کا واقعہ اگر فی الواقع درست ہے تو بلاشبہ امام مرحوم کے لئے ان سوکنوں کے آپس میں تحاسد و تباغض کینہ و عدوات نے یہ مصیبت عظمیٰ پیدا کر ڈالی جس کی وجہ سے حضرت موصوف جانبر نہ ہو سکے۔

اس معاملہ کو کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کرنا قیاس و قرائن کے بالکل خلاف ہے۔

اور ایک واقعہ کے قوی قرائن اور اسباب کو پس پشت ڈال کر خیالات واھیہ اور محتملات رکیک کو پیش پیش رکھنا انصاف پسند اور عقل مند حضرات کے نزدیک صحیح نہیں

نیز یہ بات بھی قابل تامل ہے کہ ان اکابر ہاشمی حضرات کے خانگی انتظام میں اتنا تساہل پایا جائے اور اتنی بے ضابطگی ہو کہ ان کے اہل خانہ کی خواتین کے ساتھ کسی مخالف و معاند کی طرف سے رابطہ قائم ہو اور وہ ایسے خطرناک و مہلک معاملہ تک رسائی پیدا کر لے۔

یہ چیز بہت مشکل ہے اور ان حضرات کے دیانتدارانہ طرز معاشرت کے برعکس ہے اور ان کے بے داغ کردار کو داغدار بنانے کے مترادف ہے فلہذا اہل خانہ کے سوا کسی غیر آدمی کی طرف زہر خورانی کی نسبت کرنا کسی صورت میں درست نہیں۔

(۸)

گزارشات بالا کے اختتام پر ایک اور چیز عرض کرنا ہم مناسب خیال کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ مشہور قول کے موافق سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ۴۹ ھ میں مدینہ طیبہ

۱ المصنف لابن ابی شیبہ صفحہ ۲۵۴ / ج ۵ باب من کرہ الطلاق من غیر ریبۃ طبع دکن

میں ہوئی تھی جب ان کا جنازہ تیار ہوا تو جنازہ کی نماز اس وقت کے مدینہ کے والی سعید بن العاص اموی نے پڑھائی تھی (جو حضرت امیر معاویہؓ کی جانب سے مدینہ کے حاکم تھے) اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص کو نماز جنازہ پڑھانے کے لئے مقدم کیا تھا اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ طریقہ (حاکم کا نماز جنازہ پڑھانا) مسنون نہ ہوتا تو میں تمہیں مقدم نہ کرتا۔

کان امیر اعلی المدینتہ فقدمہ الحسین للصلوۃ علیہ وقال لولا انہا السنتہ لما قد متکہ" ۔ ۱

جنازہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔

مختصر یہ ہے کہ اگر زہر خورانی امیر معاویہؓ کی طرف سے تھی تو پھر ان ہاشمی حضرات نے اموی حاکم سے امام مرحوم کے جنازہ پڑھوانے کی کس طرح پیشکش کر دی؟ بلکہ ان کو تو جنازے میں شامل کرنا نہیں چاہئے تھا یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ زہر خورانی کا قصہ ایک مدت دراز کے بعد راویوں نے تصنیف کر کے امیر معاویہؓ کی طرف نسبت کر دیا ہے اور یہ نسبت بالکل غلط ہے (جیسا کہ اوپر کی گزارشات میں ذکر کیا گیا حاصل یہ ہے اس وقت کے ہاشمی اکابر کے اقوال و اعمال سے کسی طرح بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ان کے نزدیک اس فعل شنیع کے ارتکاب کرنے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں

گزارشات بالا پر نظر کرنے سے ایک صاحب بصیرت آدمی واقعہ ہذا کی صحت و سقم کو خوب سمجھ سکتا ہے۔ البتہ زیغ عن الحق کا کوئی علاج نہیں ہے۔

۱ اسد الغابہ لابن اثیر صفحہ ۱۵ / ج ۲ تحت حسن بن علیؓ

۲ مقاتل الطالبین لابی الفرج الاصبہانی الشیعی صفحہ ۵۱ الجزء الاول آخر تذکرۃ امام حسن۔ طبع بیروت

۳ المعرفتہ والتاریخ لابی یعقوب البسوی صفحہ ۲۱۶ جلد اول (تحت ۴۱ھ)

وفات حضرت سیدنا حسنؓ کے متعلق ایک روایت اور اس کا جواب

بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں مقدامؓ بن معدیکرب اور دیگر شرکاء مجلس موجود تھے اس وقت حضرت سیدنا حسنؓ کی وفات کی خبر آ چکی تھی چنانچہ حضرت معاویہؓ نے حضرت سیدنا حسنؓ کی وفات کی خبر شرکاء مجلس کو دی۔ تو مقدامؓ نے کلمہ ترجیع (انا للہ و انا الیہ راجعون) کہا تو اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا تم اسے مصیبت خیال کرتے ہو کہ کلمہ ترجیع کہا ہے تو مقدامؓ نے کہا کہ میں اس کو مصیبت کیوں نہ تصور کروں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کو اپنی گود میں بٹھایا اور فرمایا: **ھذا منی و حسین من علی** وہاں قبیلہ بنی اسد کا ایک شخص بیٹھا تھا اس نے کہا:۔ **جمرۃ اطفاھا اللہ** تو مقدامؓ یہ سن کر ناراض ہو گئے اور کہا کہ میں تمہیں غضبناک کروں گا اور ایسی باتیں سناؤں گا جنہیں تم مکروہ جانتے ہو (یہ روایت کا ابتدائی حصہ ہے)

اور روایت ہذا کے آخری حصہ میں بھی قابل اعتراض چیزیں مذکور ہیں (جیسا کہ ذکر آ رہا ہے)

اس تمام روایت سے معترض لوگ حضرت معاویہؓ کے خلاف متعدد طعن تیار کرتے ہیں۔ مثلاً

(۱) حضرت سیدنا حسنؓ کی وفات کو امیر معاویہؓ نے مصیبت شمار کرنے پر تعجب کا اظہار کیا۔ گویا کہ ان کے نزدیک وفات سیدنا حسنؓ مصیبت نہیں تھی بلکہ اچھی چیز اور مطلوب تھی۔

(۲) روایت ہذا میں مقدامؓ نے ذکر کیا ہے کہ "**ھذا منی و حسین من علی** یعنی حضرت حسنؓ اتنی گراں قدر ہستی تھے کہ ان کے حق میں یہ ارشاد نبویؐ موجود ہے۔

اس فضیلت کی ان کے نزدیک کوئی قدر نہیں تھی بلکہ ان پر ناگوار تھی۔

(۳) نیز ایک اسدی شخص نے حضرت معاویہؓ کے سامنے وفات سیدنا حسنؓ کو اطفاء جمرۃ (انگارہ بجھ جانے سے) تعبیر کیا ہے اور حضرت معاویہؓ نے اس پر کوئی گرفت نہیں کی۔

(۴) ان حالات میں مقدامؓ بن معدیکرب ناراض ہوئے اور انہوں نے ممنوعہ اشیاء کے ارتکاب کا طعن حضرت معاویہؓ پر لگایا۔

یہ چیزیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت معاویہؓ کو وفات سیدنا حسنؓ پر خوشی تھی اور وہ سمجھتے تھے ایک مصیبت ختم ہو گئی اور فتنہ فرو ہو گیا۔

اور حضرت معاویہؓ اشیاء ممنوعہ کے ارتکاب میں ملوث تھے جس طرح کہ مقدامؓ نے ان چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

"الجواب"

یہ روایت جو مقدامؓ بن معدیکرب سے راویوں نے ذکر کی ہے اور یہاں سے چند قابل اعتراض چیزیں مرتب کی ہیں اس کے متعلق ذیل میں کلام کیا جاتا ہے جس کی اجمالاً" ترتیب درج ذیل ہے

پہلے روایت ہذا کی سند پر کلام ہو گا۔

اس کے بعد وفات سیدنا حسنؓ کو مصیبت شمار کرنے پر تعجب کے مسئلہ پر گفتگو ہو گی

پھر حضرت مقدامؓ سے جو حدیث منقول ہے اس پر اختصاراً" بحث ہو گی

اور آخر میں اشیاء ممنوعہ کے ارتکاب کے جواب کی وضاحت درج ہو گی (انشاء اللہ تعالیٰ)

سند پر کلام

پہلی چیز یہ ہے کہ صحت اعتراض کے لئے یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ وہ روایت جس سے اعتراض قائم کیا گیا وہ فی الواقع صحیح سند سے ثابت ہو۔

اگر وہ صحیح سند سے ثابت نہیں تو اسے اعتراض کی بنیاد بنانا بے محل اور بے جا ہے۔ اور اس کا جواب پیش کرنا ضروری نہیں رہتا۔

ذیل میں سند پر کلام کیا جاتا ہے۔

اس روایت کے راویوں میں ایک شخص بقیہ بن الولید ہے اس کی توثیق بھی ذکر کی گئی ہے لیکن اس پر متعدد علماء رجال نے جرح و تنقید کر دی ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

الجرح مقدم علی تعدیل ہوتی ہے فلہذا اس کے بعد اس کی یہ روایت قابل استدلال نہیں اور اس کو تسلیم کرنا مشکل ہے۔

بقیہ بن الولید کے متعلق علمائے تراجم نے لکھا ہے کہ:

لاذا قال عن فلیس بحجتہ ...... قال ابو حاتم........ لا یحتج بہ قال ابو مسھر احادیث بقیہ لیست نقیتہ فکن منھا علی تقیتہ قال ابن خزیمتہ لا احتج ببقیتہ" ۱

۱ میزان الاعتدال للذہبی جلد اول تحت بقیتہ بن الولید

مذکورہ بالا کوائف سے مزید یہ بات ابن حجر لکھتے ہیں کہ **قال البیہقی فی الخلافیات اجمعوا علی ان بقیۃ لیس بحجۃ** "[۱]

یعنی جب بقیۃ بن الولید اپنے شیخ سے روایت کو عن سے ذکر کرے تو وہ حجت نہیں۔ (جیساکہ روایت پیش کردہ میں بقیۃ عن بحیر مذکور ہے)......... ابو حاتم کہتے ہیں کہ بقیۃ قابل حجت نہیں۔ ابو مسہر کہتے ہیں کہ بقیہ کی روایات صاف نہیں ان سے بچ کر رہنا چاہئے اور ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ میں بقیۃ کی روایات کے ساتھ حجت نہیں پکڑتا اور بیہقی نے خلافیات میں ذکر کیا ہے کہ علما نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ بقیہ قابل حجت اور قابل استدلال نہیں۔ اور اس روایت پر نقد قبل ازیں کبار علماء (الحافظ المنذری و الخطابی وغیرہ) فرما چکے ہیں چنانچہ اس کے تحت مختصر سنن ابی داؤد للمنذری میں ذکر کیا ہے کہ **وفی اسنادہ بقیۃ بن الولید و فیہ مقال** [۳] فلہذا روایت بالا اعتراض کے مقام میں لائق استدلال نہیں۔ اور اس کے ذریعہ صحابہ کرامؓ پر طعن قائم کرنا صحیح نہیں۔

وفات سیدنا حسنؓ کی خبر پر گفتگو

نیز یہ چیز قابل غور ہے کہ سیدنا حسنؓ کی وفات کی اطلاع پانے پر حضرت مقدامؓ نے ترجیع کہی تو وہاں ایک شخص نے (یا بقول معترض حضرت معاویہؓ) کہا کہ تم اس کو مصیبت شمار کرتے ہو؟

یہ کلام نہایت عجیب ہے۔ جب کہ شریعت اسلامی میں جب کوئی مصیبت پہنچے تو کلمہ ترجیع کہنے کی ہدایت موجود ہے۔

فرمان خداوندی ہے **اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون** اور احادیث نبویؐ میں ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خانہ اقدس میں چراغ گل کیا گیا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمہ ترجیع فرمایا۔ اہل خانہ نے عرض کیا کہ کیا یہ کوئی مصیبت ہے؟ جس پر آنجناب صلعم نے کلمہ ترجیع ارشاد فرمایا ہے؟ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مومن کے دل پر جو چیز بھی ناگوار گزرے

۱ تہذیب التہذیب لابن حجر صفحہ ۴۷۸ / ج اول تحت بقیۃ بن الولید

۲ الکامل لابن عدی صفحہ ۵۰۴ / ج ۲ تحت بقیۃ بن الولید

۳ مختصر سنن ابی داؤد للمنذری صفحہ ۷۰، ۷۱ / ج ۲ تحت حدیث مقدام بن معدیکرب

وہ مصیبت ہے
(او کما ذکر فی الحدیث)
ایک دیگر ارشاد نبوی صلعم ہے کہ جب کسی شخص کے نعل کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ کلمہ ترجیع پڑھے۔ فلیسترجع فانہ من المصائب کیونکہ یہ بھی ایک مصیبت ہے (او کما ذکر فی الحدیث) تو معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا حسنؓ کی وفات کو مصیبت قرار دینے یا نہ قرار دینے کی گفتگو بہت قابل تعجب ہے۔ کیا یہ حضرات موت فوت کے احکام شرعی سے نابلد تھے؟ یا ان امور سے واقف ہونے کے باوجود ان پر عملدر آمد کرنے سے قاصر تھے؟

ان چیزوں کے علاوہ یہ مسئلہ توجہ کرنے کے قابل ہے کہ حضرت مقدام بن معدیکربؓ والی مذکورہ روایت میں اس واقعہ کا جو رنگ پایا جاتا ہے وہ دوسرا ہے اور کئی عجائبات کا حامل ہے۔

لیکن حضرت سیدنا حسنؓ کی وفات کا یہی واقعہ دیگر روایات میں حضرت معاویہؓ کی خدمت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی موجودگی میں پیش آیا وہ دوسری طرح ہے یعنی وہاں کوئی منکر کلمات یا ناروا گفتگو نہیں ہے بلکہ عام دستور کے مطابق تعزیت کی خبر ذکر کی گئی ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے تعزیت کا جواب احسن طریق سے ارشاد فرمایا جیسا کہ ان اکابر کی شان دیانت اور اوصاف شرافت کے موافق ہے چنانچہ اس امر پر ذیل میں حوالہ جات پیش خدمت ہیں ان پر نظر غائر فرمائیں۔ دقت نظر اور صحت فکر سے کام لے کر اس کا تجزیہ کریں۔ کہ صحیح واقعہ کس طرح ہے؟

(ا) ابن کثیر نے اس مقام میں واقعہ ہذا کے متعلق ذکر کیا ہے کہ :۔

فلما جاء الکتاب بموت الحسن بن علی اتفق کون ابن عباس عند معاویۃ و عزاہ فیہ باحسن تعزیۃ ورد علیہ ابن عباس ردا حسنا کما قلمنا۔"[۱]

یعنی جناب حسنؓ بن علیؓ کی وفات کی خبر جب حضرت معاویہؓ کے ہاں پہنچی تو اتفاق سے ابن عباسؓ ان کے پاس موجود تھے۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں اس خبر پر عمدہ طریقہ سے تعزیت کی اور پھر حضرت ابن عباسؓ نے حضرت معاویہؓ کو بہتر کلام کے ساتھ تعزیت کا جواب دیا۔

اس واقعہ سے حضرت حسنؓ کی تعزیت کا مسئلہ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں جس طرح پیش آیا وہ ان کے اخلاق حمیدہ کے موافق ہے اور یہی ان حضرات کی شان دیانت کے مطابق

۱ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ صفحہ ۳۰۴ / ج ۸ تحت ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

ہے اور حضرت مقدامؓ والی مذکورہ روایت میں منکر اور ناپسندیدہ الفاظ کے ساتھ جو گفتگو پائی جاتی ہے وہ درست نہیں اور راویوں کے تصرفات سے خالی نہیں۔

(۲) نیز اس موقعہ پر حضرت معاویہؓ نے حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں تعزیت کے کلمات ذکر کرنے کے بعد مزید کلام کرتے ہوئے کہا:۔ **قال معاویتہ یا عجبا للحسن بن علی! شرب شربتہ عسل یمانیتہ بماء رومتہ فقضی نحبہ ثم قال لابن عباس لا یسوک اللہ ولا یحزنک فی الحسنؓ بن علیؓ فقال ابن عباسؓ لمعاویتہ لا یحزننی اللہ ولا یسوئنی ما ابقی اللہ امیر المومنین قال فاعطا الف الف درھم و عروضا و اشیاء وقال خذھا فاقسمھا فی اھلک۔**"[۱]

یعنی حضرت معاویہؓ نے کہا جناب حسن بن علیؓ کی وفات بھی قابل تعجب ہے کہ انہوں نے شہد کا شربت نوش فرمایا جو شہد یمانی کے ساتھ آب چاہ رومہ۔[۲] کو ملا کر تیار کیا گیا تھا اور اس سے آپ کا انتقال ہو گیا۔

پھر حضرت معاویہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ حضرت حسن بن علیؓ کی وفات پر اللہ تعالیٰ آپ کو مصیبت اور برائی سے محفوظ رکھے اور غم سے بچائے تو جواب میں حضرت ابن عباسؓ نے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو باقی اور سلامت رکھیں ہمیں کوئی مصیبت اور غم نہیں پہنچے گا۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو دس لاکھ درہم نقد اور مزید سامان اور مختلف اشیاء دیں اور کہا کہ یہ آپ قبول کر لیجئے اور اپنے اہل و عیال میں تقسیم کر دیجئے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ سیدنا حسنؓ کی وفات کی خبر جب پہنچی تو حضرت معاویہؓ نے خود بھی تعزیت کی جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر کیا گیا ہے اور پھر ایک دوسرے وقت میں حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں بھیجا

یزید نے حضرت ابن عباسؓ کے ہاں حاضر ہو کر بڑے بہتر طریقہ سے عمدہ کلمات کے ساتھ تعزیت پیش کی اس فعل پر حضرت ابن عباسؓ نے اس کی قدر دانی کی اور شکریہ ادا کیا۔

وبعث معاویتہ ابنہ یزید فجلس بین یدی ابن عباس و عزاہ بعبارۃ فصیحتہ و جیزۃ شکرہ

۱ البدایتہ والنہایتہ لابن کثیر صفحہ ۱۳۸ / ج ۸ تحت ترجمہ معاویتہؓ بن ابی سفیانؓ

۱ تاریخ لابن عساکر (قلمی) صفحہ ۷۳ / ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویتہؓ

۲ بیر رومتہ مدینہ شریف میں ایک کنواں تھا جس کو حضرت عثمانؓ نے خرید کر اہل مدینہ پر وقف کر دیا تھا (منہ)

علیہا ابن عباس۔" ؎ ۱

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت سیدنا حسنؓ کی وفات کو افسوس ناک خبرہی قرار دیا اور حسب دستور شرعی حضرت حسنؓ کے قریبی رشتہ دار حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہاشمی کی خدمت میں خود بھی تعزیت کی۔ اور اپنے فرزند یزید کو بھی تعزیت و اظہار افسوس کے لئے روانہ کیا۔

یہ اس واقعہ کی ایک شکل ہے

اور اس موقعہ کی دوسری صورت حال وہ ہے جو حضرت مقدامؓ بن معدیکرب والی روایت میں مجروح و مقدوح راوی نے نقل کی ہے (اور طعن کرنے والوں نے اسے بڑا اچھالا ہے)

امید ہے کہ انصاف پسند حضرات ان دونوں صورتوں میں سے اس چیز کو درست قرار دیں گے جو حضرات صحابہ کرامؓ کے شایان شان ہے اور ان کی دیانت و شرافت کے مطابق ہے۔

متن روایت کی نکارۃ

اس کے بعد یہ چیز بھی لائق توجہ ہے کہ حضرت مقدامؓ سے جو روایت (ھذا منی و حسینؓ من علیؓ) منقول ہے اس کے متعلق علماء فرماتے ہیں کہ اس میں لفظاً و معناً نکارۃ پائی جاتی ہے یعنی یہ روایت معروف روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے منکر ہے۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر نے اس پر درج ذیل کلام کیا ہے :۔

وقال بقیۃ عن بحیر بن سعد عن خالد بن معدان عن المقدام بن معدیکرب قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "الحسن منی والحسین من علی فیہ نکارۃ لفظا و معنا۔" ؎ ۲

روایت ہٰذا کے ایک راوی بقیۃ بن الولید کے متعلق سابقاً ذکر کر دیا گیا ہے کہ وہ ضعیف اور مجروح ہے اور استدلال و استناد کے لائق نہیں فلہذا اس بنا پر ابن کثیر نے بھی اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس موقعہ کی عام روایات میں جو حسنین شریفینؓ کے حق میں موجود ہیں ان میں دونوں حضراتؓ کا جناب اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر طاہرہ کی نسب مبارک

۱ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر صفحہ ۳۰۴ / ج ۸ تحت ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

۲ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر صفحہ ۲۲۸ / ج ۸ تحت ترجمہ یزید بن معاویۃؓ

۲ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر صفحہ ۳۶ / ج ۸ تحت سنۃ ۴۹ھ ذکر وفات حسنؓ بن علیؓ

۲ الفتح الربانی ترتیب مسند احمدؒ ج ۲۳ تحت الباب الرابع وفات الامام الحسن بن علیؓ (روایت نمبر ۳۶۵)

سے ہونے کی تصریحات صحیحہ مروی ہیں پھر یہاں یہ فرق کرنا کہ حسنؓ مجھ سے ہیں اور حسینؓ علیؓ سے ہیں یہ امتیاز عجیب معلوم ہوتا ہے اور ان دونوں حضرات کے لئے جو فضائل صحیح روایات میں دستیاب ہوتے ہیں وہ بالکل درست ہیں۔ ان میں یہ تفریق اور یہ امتیاز مفقود ہے اس مقام میں ایک دیگر چیز بھی قابل توجہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یعلی بن مرہ العامری مرفوعاً ذکر کرتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسینؓ کے ساتھ محبت کرتے ہوئے ان کی تقبیل فرمائی اور ارشاد فرمایا:۔

حسین منی و انا من حسین اللھم احب من احب حسینا حسین سبط من الاسباط"۔ ا

مطلب یہ ہے کہ حسینؓ مجھ سے ہیں (میری اولاد سے ہیں) اور میں حسین سے ہوں (میرا اور حسین کا نسبی تعلق ہے میں نانا ہوں)

اے اللہ! جو حسینؓ سے محبت رکھے تو اس کے ساتھ محبت فرما اور حسینؓ نواسوں میں سے نواسے ہیں"

یہ روایت متعدد محدثین نے با سند ذکر کی ہے مثلاً" امام احمد اور امام ترمذی اور ابن حبان وغیرہ

اسی طرح حسنین شریفینؓ کے فضائل میں ایک ذخیرہ روایات دستیاب ہوتا ہے ان میں سے صحیح مواد پر نظر کرنے سے علی العموم زیر بحث روایت مذکورہ (ھذا منی و حسینؓ من علیؓ) کی تائید نہیں پائی جاتی۔

فلہذا ہماری جستجو کی حد تک اس روایت کا دوسرا متابع اور شاہد نہیں پایا گیا تو قواعد کی عبارت میں یہ روایت معروف روایات کے خلاف ہونے کی بنا پر منکر ہوئی (جیسا کہ حافظ ابن کثیر کی تصریح ماقبل میں ذکر کر دی گئی ہے۔ کہ اس میں نکارۃ پائی جاتی ہے۔ اور منکر روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔

اطفاء جمرۃ

روایت ہذا میں ایک شخص الاسدی کا قول حضرت سیدنا حسنؓ کے متعلق ذکر کیا گیا ہے

ا کتاب فضائل الصحابۃ للامام احمدؒ ۲/ ۷۷۲ روایت ۱۳۶۱ تحت فضائل حسنین شریفینؓ۔

ا الاحسان بہ ترتیب الصحیح لابن حبان صفحہ ۵۹ / ج ۱۰ تحت ذکر اثبات محبتہ اللہ لمحبی الحسین بن علیؓ

سہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۷۱ بحوالہ الترمذی (تحت مناقب اہل بیت)

(جمرة اطفاء ھا اللہ) یہ الاسدی کون شخص ہے؟ اللہ اعلم کس مزاج کا آدمی ہے؟ بظاہر یہ ہے کہ یہ شخص حضرت حسنؓ کی ذات گرامی کے خلاف ذہن رکھتا ہے اور اس کے ان کلمات سے اس کی عداوت قلبی ظاہر ہے۔ اگر اس واقعہ کو تھوڑی دیر تسلیم کرلیا جائے تو اس کا یہ قول ناروا اور قبیح ہے۔

اس کے بعد حضرت معاویہؓ پر یہ اعتراض قائم کرنا کہ انہوں نے اسدی کے اس قول پر مواخذہ نہیں کیا۔ یہ محض احتمال کے درجہ میں ہے۔ خدا تعالیٰ جانے اس وقت کیا صورت احوال تھی؟ اور کیا کچھ وہاں پوری گفتگو ہوئی؟ اور کتنا قدر ناقلین نے نقل کی؟ اور کتنا قدر ترک کردی؟

نیز ہر فرد کے شخصی رجحانات الگ الگ ہوتے ہیں اور ہر شخص واقعات میں ایک دوسری رائے رکھتا ہے جس پر دیگر شخصیات کا کوئی کنٹرول نہیں ہوتا۔

ممکن ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اس پر گرفت اور مواخذہ کیا ہو اور ناقلین رواۃ نے اسے ذکر نہیں کیا۔ اور عدم ذکر الشی سے ذکر عدم الشی لازم نہیں آتا۔ اس کے آخر میں اس امر کا ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ حضرت مقدامؓ بن معدیکرب کی اس روایت کو محدثین نے دیگر مقام میں بھی ذکر کیا ہے لیکن وہاں نہ الاسدی مذکور ہے اور نہ یہ کلمہ جمرۃ (اطفاء ھا اللہ) منقول ہے یہاں سے راویوں کے تصرفات کا اندازہ ہو سکتا ہے کسی راوی نے یہ جملہ مذکورہ اعتراض والی روایت میں اضافہ فرما دیا ہو کہ اعتراض کی بحث گرم رہے اور سلسلہ طعن جاری رہے فافہم

ممنوعہ اشیاء کے ارتکاب کا طعن

معترض دوست روایت مذکورہ کے آخری حصہ سے یہ اعتراض تجویز کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں مقدام بن معدیکربؓ پہنچے (اور کچھ دوسرے ساتھی بھی ان کے ساتھ تھے) گفتگو کے دوران مقدامؓ نے حضرت معاویہؓ کے ہاں یہ چیز ذکر کی کہ سونے اور حریر کے پہننے اور جلود سباع کے استعمال سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا یا نہیں؟ تو امیر معاویہؓ نے جواب میں کہا کہ ان چیزوں کے استعمال سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی منع فرمایا ہے اس کے بعد مقدام کہنے لگے کہ

"فواللہ لقد رایت ھذا کلہ فی بیتک یا معاویۃ"

یعنی اللہ کی قسم یہ تمام چیزیں میں نے آپ کے گھر میں دیکھی ہیں۔ تو حضرت معاویہؓ نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ میں تمہارے اعتراض سے نہیں بچ سکوں گا۔

معترض اس روایت سے یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا ہر سہ اشیاء کا استعمال حضرت معاویہؓ کرتے تھے جن کے استعمال سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ گویا شرعی احکام کے خلاف ان کا طرز عمل تھا اور منہیات کے مرتکب تھے اس چیز کے جواب کے لئے معروضات ذیل پیش خدمت ہیں ان کی طرف توجہ فرمادیں

(۱) روایت ہذا کی سند پر سابقا کلام کر دیا ہے کہ یہ مجروح ہے اگر سند پر جرح کرنے سے صرف نظر کر لی جائے تب بھی دوسری یہ بات قابل غور ہے کہ یہی روایت اسی سند کے ساتھ امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب "السنن الکبریٰ میں نقل کی ہے لیکن اس میں وہ تمام الفاظ جو بنائے اعتراض ہیں (**قال فواللہ لقد رایت ھذا کلہ فی بیتک یا معاویۃ فقال معاویۃ قد علمت انی لن انجو منک یا مقدام**) نہیں پائے جاتے۔

یہاں سے رواۃ کی طرف سے روایت میں تصرف پائے جانے کی نشاندھی ہوتی ہے۔ اور راوی کی جانب سے روایت میں اضافہ کا سراغ ملتا ہے

(۲) نیز یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ایک دفعہ حمص کے مقام میں خطبہ دیا اور خطبے میں آپ نے ذکر کیا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اور منع فرمایا ہے میں ان کو تمہارے ہاں پہنچاتا ہوں اور ان کے ارتکاب سے تمہیں منع کرتا ہوں۔ وہ چیزیں یہ ہیں۔ **النوح والشعر والتصاویر والتبرج وجلود السباع والذھب والحریر**۔[۱] مذکورہ ممنوعہ اشیاء کی منع کی روایت حضرت معاویہؓ سے دیگر کئی مقامات میں بھی نقل کی گئی ہے۔

(۳) مثلاً محدث النسائی نے اپنی کتاب سنن النسائی (کتاب اللباس باب تحریم الذھب علی الرجال) میں اپنی سند کے ساتھ ابو شیخ الھنائی کے ذریعے حضرت امیر معاویہؓ کی روایات متعدد ذکر کی ہیں جس میں مذکور ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حجاز (مکہ و مدینہ) میں خطبات دیے ان خطبات میں یہ مسئلہ ذکر کیا کہ:۔

اے مہاجرین و انصار! تمہیں معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حریر اور ریشم کے لباس سے منع فرمایا ہے؟ تو حاضرین نے کہا کہ بے شک اسی طرح ہے پھر امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ:۔

۱ مسند احمدؒ بن حنبلؒ صفحہ ۱۰۱ جلد رابع تحت مسندات حضرت معاویہؓ

۲ مسند احمد بن حنبلؒ صفحہ ۹۲ جلد رابع تحت مسندات حضرت معاویہؓ

۳ السنن الکبریٰ للبیہقی صفحہ ۲۷۷ / ج ۳ باب ماینھی عن المراکب

۴ المصنف لابن ابی شیبۃ صفحہ ۳۰۶ / ج ۸ تحت کتاب العقیقۃ طبع کراچی

کیا سونے کے پہننے سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ بے شک منع فرمایا ہے۔
اور بعض روایات کے اعتبار سے اس کلام کے بعد امیر معاویہؓ نے کہا کہ انا اشهد یعنی میں بھی اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ بات بالکل اسی طرح ہے۔
اخبرنا ابو شیخ الهنائی قال سمعت معاویته و حوله ناس من المهاجرین والانصار و قال لهم اتعلمون ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن لبس الحریر قالوا اللهم نعم قال و نهی عن لبس الذهب الا مقطعا قالوا نعم۔"[۱]
تو یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہؓ ان اشیاء کے ارتکاب کی منع کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نقل کرنے والے ہیں تو پھر وہ ان امور کے کیسے مرتکب ہو سکتے ہیں؟ درآں حالیکہ نصوص قطعی ان کے پیش نظر تھیں (یا ایها الذین امنو الم تقولون مالا تفعلون کبر مقتا عندالله)
اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کو ان اشیاء کے استعمال کی منع تو معلوم تھی لیکن انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا اور ان امور کے مرتکب ہوئے۔
تو یہ چیز بہت مشکل ہے صحابہ کرامؓ کی شان دیانت اور مقام عدالت سے بعید ہے اور ان کے کردار و اخلاق کے خلاف ہے حضرت امیر معاویہؓ شرعی احکام کے پابند تھے اور شریعت پر عمل کرنے والے تھے یہ چیزیں غلط طور پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں مختصر یہ ہے کہ اس نوع کی روایات مقام صحابہؓ کو مجروح نہیں کر سکتیں اور ایسی روایات قابل اعتبار نہیں اور محدثین نے یہاں ایک قاعدہ ذکر کیا ہے اس کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے گا۔
فانا مامورون بحسن الظن بالصحابته و نفی کل رذیلته عنهم و اذا انسدت الطرق (طرق تاویلها) نسبنا الکذب الی الرواۃ۔"[۲]
یعنی امام النواویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ حسن ظن رکھنے اور ہر عیب کی چیز سے نفی کرنے کے ہم مامور ہیں اور جب تاویل و توجیہہ کے طریقے مسدود ہو جائیں تو ہم دروغ کی نسبت راویوں کی طرف کر دیں گے فلہذا ان قواعد کے پیش نظر مذکور قسم کی طعن پیدا کرنے والی روایات ہرگز قبول نہیں ہو سکتیں اور حضرت معاویہؓ کا کردار ان کے پیش نظر مجروح نہیں ہو سکتا اور اسلام کی اس نامور شخصیت کے دامن کو ان چیزوں سے داغدار نہیں کیا جا سکتا۔

۱ سنن النسائی صفحہ ۲۴۲/ ج ۲ باب تحریم الذهب علی الرجال کتاب اللباس طبع دہلی
۲ النوادی شرح مسلم شریف جلد ثانی باب حکم الفی (تحت العجهاد والسیر) بحوالہ المازری

استلحاق زیاد کا مسئلہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی پر جو مطاعن طعن کرنے والوں کی طرف سے وارد کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک مشہور طعن "استلحاق زیاد بن سمیہ" ہے یعنی زیاد بن سمیہ کو حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے ساتھ لاحق کر کے نسبی برادر قرار دیا اور یہ "استلحاق" خاص سیاسی مصالح کے لئے کیا گیا تھا۔ اور یہ امر شرعی قواعد کے برخلاف تھا۔

ازالہ

اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے ہم چند امور بطریق ذیل پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے مسئلہ ہذا کی اصل صورت حال واضح ہو جائے گی۔

۱ زیاد بن ابیہ کے ذاتی کوائف
(نام کنیت خاندان ولادت وفات وغیرہ)

۲ زیاد کی لیاقت و صلاحیت اور اکابرین امت کا اس کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنا۔

۳ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں واقعہ استلحاق اور تصویر مسئلہ کے دو پہلو

(۱)

یہ شخص زیاد ابن ابیہ کے نام سے مشہور ہے جو بعد میں زیاد بن ابی سفیان کے نام سے پکارا گیا۔ اور عبید مولی ثقیف کے فراش پر اس کا تولد ہوا تھا اس لئے اس کو زیاد بن عبید بھی کہا گیا اسے اپنی والدہ کی نسبت سے زیاد بن سمیہ بھی کہہ دیتے تھے

اس کی ماں کے نام کے سلسلہ میں متعدد اقوال مورخین ذکر کرتے ہیں اس کی والدہ کا نام سمیہ بنت ابی بکرۃ بتایا جاتا ہے اور اس کی والدہ کا ایک دوسرا نام اسماء بنت اعور بھی بعض مورخین نے لکھا ہے

زیاد کی کنیت ابو المغیرۃ تھی

عام الفتح میں طائف کے مقام میں اس کی ولادت ذکر کی گئی ہے اور بعض مورخین نے اس کی ولادت عام الھجرۃ بھی بتائی ہے

زیاد کا والدہ کی طرف سے ایک مشہور اخیافی بھائی ابو بکرۃ ہے جس کا نام (نفیع بن مسروح) بتایا جاتا ہے اس کی ماں کا نام سمیہ بنت ابی بکرۃ ہے بیان کرتے ہیں یہ اہل اسلام کے محاصرہ طائف کے دوران مسلمان ہوا

زیاد حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں ۵۳ھ یا عند البعض ۵۴ھ میں فوت ہوا۔۱ اور وہ اس وقت حضرت معاویہؓ کی جانب سے بصرہ و کوفہ پر امیر تھا۔ اہل تراجم نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ زیاد بن سمیہ صحابی نہیں ہے۔ (حوالہ جات کے لئے درج ذیل کتب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے)۔ ۲

(۲)

اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ زیاد کے لئے صحبت نبوی صلعم حاصل نہیں اور نہ ہی اس سے کوئی مرفوع روایت مروی ہے لیکن یہ شخص فطری طور پر نہایت قابل با صلاحیت اور فصیح اللسان تھا۔ تدبیر سیاست میں بہترین رائے رکھتا تھا اور عمدہ انتظامی صلاحیتوں کا حامل تھا۔

چنانچہ عہد علوی میں ایک موقعہ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کی اہلیت کے پیش نظر حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں یہ رائے پیش کی تھی کہ زیاد پختہ رائے رکھتا ہے اور سیاسی امور میں ماہر ہے اس بنا پر اس کو فلاں فلاں علاقے کا والی بنایا جائے۔

فاستشار علی الناس فیمن یولیہ علیہم فاشار ابن عباس و جاریۃ بن قدامۃ ان یولی علیہم زیاد بن ابیہ فانہ صلیب الرای' عالم بالسیاسۃ فقال علیؓ ہولہا فولاہ فارس و کرمان وجہزہ الیہما فی اربعۃ الاف فارس۔" ۱

مطلب یہ ہے کہ فارس اور کرمان کے علاقہ جات میں بعض شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور خلیفہ وقت کی مخالفت میں رجحانات پیدا ہو گئے اور وہ لوگ خراج کی ادائیگی اور دیگر حقوق میں کوتاہی کرنے لگے۔ ان حالات میں حضرت علی المرتضیٰؓ کو ان علاقوں میں کسی مدبر حاکم اور والی کی ضرورت تھی آپ نے مشورہ طلب کیا تو حضرت ابن عباسؓ اور جاریہ بن قدامہ نے یہ مشورہ دیا کہ زیاد صلیب الرائے ہے اور امور سیاست میں مہارت رکھتا ہے لہٰذا اس کو وہاں کا والی بنا دیا جائے چنانچہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ مشورہ قبول فرما کر فارس

۱ تاریخ یعقوبی شیعی ۲۳۵ جلد ثانی تحت وفات حسن بن علیؓ

۲ (۱) طبقات ابن سعد صفحہ ۱/۷۰ ج ۷ تحت زیاد بن ابی سفیان

(۲) المعارف لابن قتیبہ صفحہ ۱۵۱ / ج اول تحت اسماء الخلفاء

(۳) تہذیب الاسماء للنواوی صفحہ ۱۹۸، ۱۹۹ / ج اول تحت زیاد بن سمیہ

(۴) الاصابہ لابن حجر صفحہ ۵۶۳ / ج اول تحت زیادہ بن ابیہ

۱ البدایہ لابن کثیرؒ صفحہ ۳۲۰ / ج ۷ تحت سنہ ۳۹ھ

۲ التاریخ لابن جریر الطبری صفحہ ۲۲۴ / ج ۵ تحت سنہ ۳۹ھ

اور کرمان کے علاقہ میں زیاد بن ابیہ کو والی اور حاکم بنا کر اسپ سواروں کا ایک دستہ دے کر روانہ کیا چنانچہ زیاد نے مذکورہ علاقوں میں پہنچ کر شورشیں ختم کر دیں حالات خلیفہ کے حق میں ساز گار بنا دیئے اور خراج و دیگر حقوق کی ادائیگی کے معاملات کو درست کر کے واپس ہوا۔ بقول مورخین ۳۹ھ میں یہ واقعہ پیش آیا تھا نیز شیعہ مورخین نے بھی ذکر کیا ہے حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنے عہد ولایت میں زیاد کو فارس کا حاکم اور والی بنایا تھا اور جناب حضرت علی المرتضیٰؓ کے عہد خلافت میں زیاد کا حکومت کے اہم مناصب پر فائز کیا جانا مسلمات میں سے ہے مورخین کے نزدیک عہد علوی میں اس کے کارنامے ناقابل انکار حقیقت کے درجہ میں ہیں ہم نے قبل ازیں زیاد کے متعلقات سیرت سیدنا علیؓ میں "بعض انتظامی امور" کے عنوان کے تحت مختصراً بیان کر دیئے ہیں۔ ۱

زیاد کی صلاحیتوں کو حافظ ابن حجر نے بالفاظ ذیل تحریر کیا ہے۔

وکان یضرب بہ المثل فی حسن السیاستہ ووفور العقل و حسن الضبط لما یتولاہ ۲

یعنی زیاد حسن سیاست، کمال عقل اور عمدہ نظم و ضبط کی صلاحیتوں میں ایک ضرب المثل فرد تھا۔

زیاد بن ابیہ کی ایک اور صلاحیت و اعتماد کا ذکر کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ وہ متعدد صحابہ کرامؓ کی خدمت میں انشاء اور کاتب کے منصب پر فائز رہا ہے

مثلاً حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ۔ مغیرہ بن شعبہؓ۔ عبداللہ بن عامرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کے ہاں اس نے یہ خدمات سرانجام دی ہیں۔ ۳ اور صحابہ کرامؓ نے کئی مواقع میں زیاد کو اس کی اہلیت اور اعتماد کی بنا پر اپنا نائب بھی بنایا۔ یہ چند چیزیں علمائے تراجم نے متعدد مقامات میں ذکر کی ہیں

مختصر یہ ہے کہ زیاد کی توثیق کے بارے میں کبار علماء نے جو کچھ تحریر کیا ہے اس میں مندرجہ ذیل جملے بھی پائے جاتے ہیں

۱ اخبار الطوال للدینوری الشیعی صفحہ ۲۱۹ تحت زیاد بن ابیہ" (طبع مصر)

۲ الاصابہ لابن حجر صفحہ ۵۶۳/ ج اول تحت زیاد بن ابیہ"

۳ (۱) تہذیب الاسماء للنواوی صفحہ ۱۹۸، ۱۹۹/ ج اول تحت زیاد بن سمیہ

(۲) المعارف لابن قتیبہ صفحہ ۱۵۱ تحت اسماء الخلفاء

(۳) الاصابہ لابن حجر صفحہ ۵۶۳/ ج اول تحت زیاد بن ابیہ

(۴) المحبر لابی جعفر بغدادی صفحہ ۳۷۸ تحت اسماء اشراف الکتاب

قال العجلی تابعی ولم یکن یتہم بالکذب"۔ ۱

یعنی زیاد (صحابی نہیں) تابعی ہے (لیکن دیانت دار ہے) درو غگوئی نہیں کرتا۔
اگر اس کے یہ اوصاف اس کے نسب پر اثر انداز نہ ہوئے اور حضرت علیؓ نے اس کے ان کمالات سے پورا فائدہ اٹھایا اور اسے اعلیٰ ذمہ داریاں بخشیں تو اگر حضرت معاویہؓ نے اس کی ان صلاحیتوں کی قدر کرتے ہوئے حقیقت حال کا سراغ لگالیا اور اس بات کی توثیق کی کہ ان کے والد کا سمیہ سے جاہلیت کے دور کا کوئی نکاح ہوا تھا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟

(۳)

حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کے فرزند حضرت سیدنا حسنؓ کے ادوار خلافت گزر جانے کے بعد جب حضرت امیر معاویہؓ کا دور خلافت آیا تو اس وقت آپؓ کو زیاد بن ابیہ کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کا موقعہ ملا۔ چنانچہ آپؓ نے اس کی ذاتی اہلیت و فطرتی صلاحیت کی بنا پر اسے حکومت کے بعض مناصب پر فائز کیا

استلحاق زیاد کا واقعہ ۴۴ھ میں

مورخین اور دیگر اس فن کے علماء نے اپنی تفصیلات کے ساتھ نقل کیا ہے اور اسے بہت طول دے دیا ہے لیکن اصل واقعہ مختصراً" اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے والد ابو سفیانؓ اسلام سے قبل دور جاہلیت میں طائف میں بعض دفعہ اپنی ضرورت کے لئے گئے وہاں سمیہ نامی ایک عورت کے ساتھ اس دور کے رسم و رواج کے مطابق نکاح کیا۔ اس عورت کے بطن سے زیاد بن سمیہ متولد ہوا تو سمیہ نے زیاد کے تولد کی نسبت ابو سفیانؓ سے کی اور ابو سفیان نے بھی اس کا اقرار کیا۔ مگر یہ انتساب عام لوگوں میں مشہور نہیں ہوا بلکہ مخفی رہا۔ جیسا کہ مشہور مورخ عبدالرحمٰن بن خلدون نے بعبارت ذیل نقل کیا ہے

کانت سمیۃ ام زیاد مولاۃ للحارث بن کلدۃ الطبیب' وولدت عندہ ابا بکرۃ' ثم زوجھا بمولی لہ وولدت زیادا" وکان ابو سفیان قد ذھب الی الطائف فی بعض حاجاتہ فاصا بھا بنوع من انکحتہ الجاھلیۃ وولدت زیادا ھذا و نسبتہ الی ابی سفیان واقرلھا بہ الا انہ کان یخفیتہ"۔ ۲

---

۱ الاصابہ لابن حجر صفحہ ۵۶۳ جلد اول تحت زیاد بن ابیہ

۲ تاریخ العلامۃ ابن خلدون صفحہ ۱۴/ ج ۳ تحت استخلاف زیاد" (طبع بیروت)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق زیاد کا ابو سفیان کی طرف انتساب ہوا اور ابو سفیان بھی اقرار کر چکے تھے مگر یہ نسبت عام لوگوں میں مشہور نہ تھی

حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں بقول بعض مورخین زیاد بن سمیہ نے حضرت معاویہؓ کی طرف نسبی استلحاق کی خواہش ظاہر کی۔ دیگر مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے زیاد بن سمیہ کو حضرت ابو سفیانؓ کے ساتھ لاحق کرنے کا ارادہ کیا۔ اور پھر اس معاملہ کے متعلق شواھد طلب کئے۔

چونکہ اسلام میں جاہلیت کے نکاحوں کی اولاد کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے اور اولاد کی اپنے آباء سے نفی نہیں کی گئی۔ اس بنا پر حضرت معاویہؓ نے زیاد کی ابو سفیان سے نسبت کو برحال رکھتے ہوئے اپنے ساتھ نسبی استلحاق کا معاملہ کیا۔

اس سلسلہ میں ابن حجر العسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے استلحاق زیاد کا واقعہ ۴۴ھ میں پیش آیا تھا۔ اور اس معاملہ (زیاد بن سمیہ کے ابو سفیان کے ساتھ نسبی انتساب) پر شواہد طلب کئے اور درج ذیل شاہدوں زیاد بن اسماء حرمازی۔ مالک بن ربیعہ سلولی۔ منذر بن زبیر۔ جویریہ بنت ابی سفیان۔ مسور بن قدامہ باھلی۔ ابن ابی نصر ثقفی۔ زید بن نفیل ازدی شعبہ بن علقم مازنی۔ عمرو بن شیبان کے قبیلہ کے ایک شخص اور بنی مصطلق قبیلہ کے ایک شخص۔ نے شہادت دی کہ ابو سفیان نے زیاد بن سمیہ کے حق میں اپنے فرزند ہونے کا اقرار کیا تھا۔ خصوصی طور پر ان میں سے منذر بن زبیر نے اس بات کی بھی گواہی دی کہ انہوں نے یہ بات حضرت علی المرتضیٰؓ سے سنی تھی کہ حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے تھے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابو سفیانؓ نے اس بات کا اقرار کیا تھا۔

مختصر یہ ہے کہ ایام جاھلیت کے اس واقعہ پر مذکورہ بالا تمام شاہدوں نے اثبات میں گواہی دی۔

وکان استلحاق معاویتہ لہ فی سنتہ اربع واربعین و شھد بذالک زیاد بن اسماء الحرمازی و مالک بن ربیعتہ السلولی والمنذر بن الزبیر فیما ذکر المدائنی باسانیہ وزاد فی الشھود جویریتہ بنت ابی سفیان والمسور بن قدامتہ الباھلی وابن ابی نصر الثقفی وزید بن نفیل الازدی و شعبہ بن العلقم المازنی ورجل من بنی عمرو بن شیبان ورجل من بنی المصطلق شھدوا کلھم علی ابی سفیان ان زیادا ابنہ الا المنذر فشھد انہ سمع علیا یقول اشھد ان ابا سفیان قال ذالک۔" [1]

[1] الاصابہ لابن حجر العسقلانی صفحہ ۵۶۳ / ج اول تحت زیاد بن ابیہ"

اور ابن خلدون کے الفاظ میں یہ معاملہ اسی طرح ذکر کیا گیا ہے

ورای معاویۃ ان یستمیلہ باستلحاقہ فالتمس الشہادۃ بذالک ممن علم لحوق نسبہ بابی سفیان۔ فشہد لہ رجال من اھل البصرۃ و الحقہ" ۱

یعنی حضرت معاویہؓ کی یہ رائے ٹھہری کہ زیاد کا اپنے ساتھ استلحاق کر لیا جائے۔ اس کے بعد آپ نے اس بات پر شہادت تلاش کی اور جو لوگ ابی سفیان کے ساتھ زیاد کے نسب کے لحوق کو جانتے تھے ان سے شہادت حاصل کی چنانچہ اہل بصرہ میں سے متعدد افراد نے اس بات پر گواہی دی۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے زیاد کو اپنے ساتھ لاحق کر لیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ان شواھد کی بنا پر حضرت معاویہؓ نے یہ استلحاق کیا تھا اور ساتھ ہی یہ بات بھی حضرت معاویہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ کو اپنی رائے میں حق سمجھ کر حق کی حمایت کی تھی اور کسی قلت کو کثرت میں بدلنے یا کسی ذلت سے عزت حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا۔ علامہ ابن خلدون نے اس مسئلہ کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے اور تاریخ طبری میں بھی اسی طرح ہے

وقال (معاویہؓ) انی لا اتکثر بزیاد من قلتہ ولا اتعزز بہ من ذلتہ ولکن عرفت حق اللہ فوضعتہ موضعہ ۲ اہل تراجم لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد زیاد نے اس معاملہ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے یوں کہا کہ :۔ اس معاملہ کے بارے میں گواہوں نے جو گواہی دی ہے اگر وہ برحق ہے تو الحمد للہ

اور اگر یہ بات واقعہ میں درست نہیں ہے تو میں ان گواہوں کو اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان ذمہ دار ٹھہراتا ہوں۔

علامہ ابن حجر العسقلانی نے اس واقعہ کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے۔

فخطب معاویۃ فاستلحقہ فتکلم زیاد فقال ان کان ما شھد الشھود بہ حقا فالحمد للہ وان یکن باطلا فقد جعلتھم بینی و بین اللہ" ۳

۱ تاریخ العلامہ ابن خلدون صفحہ ۱۵ / ج ۳ تحت استخلاف زیاد

۲ التاریخ العلامہ ابن خلدون صفحہ ۱۶ / ج ۳ تحت استخلاف زیاد

۱ التاریخ لابن جریر الطبری صفحہ ۱۲۳ / ج ۶ تحت سنتہ ۴۴ھ ذکر الخبر عن سبب عزلہ"

۳ الاصابہ لابن حجر العسقلانی صفحہ ۵۶۳ / ج اول تحت زیاد بن ابیہ"

"مسئلہ ھذا کا دوسرا رخ"

مسئلہ ہذا کے متعلق یہ ایک رخ تھا جو ان تفصیلات کے ساتھ بقدر ضرورت لکھا گیا ہے اب اس واقعہ کا دوسرا رخ تحریر کرنا مناسب سمجھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ "استلحاق زیاد" کے واقعہ کو اس دور کے بعض دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم درست نہیں سمجھتے تھے اور وہ حضرات اس معاملہ میں بایں طور معترض تھے کہ شرعی قاعدہ (الولد للفراش و للعاهر حجر) یعنی صاحب فراش کی اولاد شمار کی جاتی ہے بغیر نکاح والے کے لئے پتھر کی سزا ہے صحیح ہے اور اس کا خلاف کرنا ناجائز ہے

اور علماء کرام نے حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے یہ ایک گونہ توجیہ ذکر کی ہے کہ روایت الولد للفراش وللعاهر الحجر کا قاعدہ صحیح ہے لیکن اس کا محمل اس وقت درست ہے جب صاحب فراش کی طرف سے اولاد کے حق میں دعویٰ پایا جائے۔

اور اگر صاحب فراش کی طرف سے دعویٰ نہیں پایا گیا لیکن اس کے مقابلے میں دوسرے شخص نے اولاد کا اقرار کر رکھا ہے تو حضرت معاویہؓ اس اقرار (اور عدم دعویٰ صاحب فراش) کی بنا پر اس الحاق کو جائز سمجھتے تھے خصوصاً" اس حالت میں کہ یہ اقرار دور جاہلیت میں کیا گیا تھا۔

بل الظاهر انه حمل قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "الولد للفراش و للعاهر الحجر" علی ما اذا ادعا صاحب الفراش کما ادعا عبد بن زمعته ابن ولیدة ابیه فی مورد الحدیث' واما اذالم یدعه و اقر اخر بانه ابنه فکان عند معاویته الحاقه بالمقر لا سیما اذا ثبت انه اقربه فی الجاهلیته قبل الاسلام" ؎۱

ان حالات میں اس مسئلہ میں رائے کا اختلاف موجود تھا۔ لیکن بعد میں حضرت امیر معاویہؓ کو اپنی رائے کے خطا ہونے پر تنبہ ہوا اور آپؓ نے سابق موقف کو ترک کر دیا۔

وہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں اسی نوعیت کا فریقین کی طرف سے ایک تنازع پیش ہوا۔

ایک شخص نصر بن حجاج بن علاط السلمی نے خالد بن ولید کے فرزند عبدالرحمان کے ایک غلام عبداللہ بن رباح کے متعلق دعویٰ دائر کیا کہ یہ میرا بھائی ہے اور میرے بھائی نے مجھے اس کے متعلق وصیت کی تھی۔

۱ اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی صفحہ ۴۸۷-۴۸۸ / ج ۱۵ کتاب الاقرار - طبع

اس مسئلہ میں دوسرا فریق خالد بن ولید کا فرزند عبدالرحمان تھا اس نے بیان دیا کہ :۔ یہ میرا غلام ہے اور میرے غلام کے فراش پر پیدا ہوا ہے۔
دونوں فریق کے اس تنازع نے طول پکڑا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مقدمہ کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ "آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ :۔ **الولد للفراش و للعاهر الحجر** (مطلب یہ ہے کہ یہ شخص صاحب فراش کی اولاد ہے دوسرے کا حق نہیں)
حضرت معاویہؓ کے اس فیصلہ پر نصر بن حجاج نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اے امیر معاویہ!
" زیاد کے حق میں آپ نے کیسے فیصلہ کیا تھا؟
(وہ فیصلہ تو اس کے برخلاف تھا)
تو جناب معاویہؓ نے فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معاویہ کے فیصلہ سے بہتر اور برحق ہے"
یہ دوسرا کیس اپنی جگہ واضح تھا جب کہ زیاد والے کیس میں عبد بن زمعہ کی طرح کوئی مدعی ہی نہیں تھا تو اگر ایسے الجھے ہوئے معاملہ میں ظاہر حدیث منطبق نہیں کی گئی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالکل کھلے معاملہ میں بھی اس کا خلاف کیا جائے۔
فلہذا اس مقدمہ کے فیصلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت مومنانہ شان سے فرمایا کہ "آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معاویہ کے فیصلہ سے بہرحال بہتر اور اولیٰ ہے
حضرت معاویہؓ کا یہ معاملہ التزامی طور پر حدیث رسول صلعم کے اولیٰ بالعمل ہونے کی دعوت ہے۔
پہلے کیس میں امیر معاویہؓ بطور ایک مجتہد کے ایک رائے رکھتے تھے اور کئی صحابہ کرامؓ نے ان کے اس فیصلے کو صحیح سمجھا لیکن اس دوسرے کیس میں اجتہاد کو راہ نہ تھی اس میں آپؓ نے جو فرمایا اس کا حاصل یہ تھا کہ حدیث نبوی صلعم کے مقابلے میں معاویہؓ کے اجتہاد کی یہاں کوئی گنجائش ہی نہیں۔
چنانچہ محدث ابو یعلی الموصلی نے اپنے مسندات میں اس مسئلہ کو بعبارت ذیل ذکر کیا ہے
فطالت خصومتهم فد خلوا معه على معاوية و نهر تحت راسه فادعها فقال معاوية سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول "الولد للفراش وللعاهر الحجر" قال نصر فائن قضائوك هذا؟ يا معاوية في زياد فقال معاوية قضاء رسول الله صلى

اللہ علیہ وسلم خیر من قضاء معاویتہ۔" ۱؎

اور فتح الباری میں یہی مضمون بعبارت ذیل درج ہے۔

وفی حدیث معاویتہ قصتہ اخری لہ مع نصر بن حجاج و عبدالرحمان بن خالد بن الولید فقال لہ نصر فاین قضائوک فی زیاد فقال قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر من قضاء معاویتہ۔ ۲ مسئلہ ہذا کا دوسرا رخ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت امیر معاویہؓ کی دیانت داری اور حق پسندی کا پہلو نمایاں طور پر پایا جاتا ہے اور حق بات کو قبول کرنے میں انہیں کوئی تامل نہیں ہوتا تھا اور اتباع نبوی کو ہر صورت میں مقدم رکھتے تھے اور فرمان رسالت کو اپنی رائے پر فوقیت دیتے تھے۔

"حقیقت حال"

استلحاق زیاد کے واقعہ کے سابق ولاحق دونوں پہلو ناظرین کے سامنے آ گئے۔

رائے سابق کے مالہ و ماعلیہ اور اس کے اسباب و دواعی کو بھی سامنے لایا گیا۔

اور پھر حضرت معاویہؓ نے اس معاملہ میں جو رجوع کیا ہے اگرچہ وہ علی سبیل الالزام کے ہے وہ بالکل واضح اور برملا ہے اور اکابر محدثین نے بیان کیا ہے اور اس واقعہ کی عبارات بھی اہل علم کی تسلی کے لئے اوپر لکھ دی گئی ہیں

اور کسی مسئلہ میں اپنی سابق رائے سے رجوع کر لینا نہ اخلاقاً" قبیح ہے نہ شرعاً" غلط ہے نہ واقعتہ" برا ہے

اہل علم کو معلوم ہے کہ کئی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک عرصہ کے بعد اپنے بعض مسائل میں رجوع کیا۔ مثلاً

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے متعہ کے مسئلہ سے رجوع کر لیا۔ پہلے اس کے جواز کا قول کرتے تھے لیکن بعد میں اس کے عدم جواز کا فیصلہ کر لیا۔ اصول سرخسی جلد اول میں ہے

مسند ابی یعلی ص ۴۴۷ / ج ۶ تحت مسندات معاویہ بن ابی سفیانؓ

مجمع الزوائد للھیثمی صفحہ ۱۴ / ج ۵ تحت باب الولد للفراش

فتح الباری شرح بخاری صفحہ ۳۲ / ج ۱۲ تحت آخر باب الولا للفراش حرۃ کانت او امتہ

(۲) اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی صفحہ ۴۸۸ / ج ۱۵ کتاب الاقرار طبع کراچی

ابن عباس کان یقول با باحتہ المتعتہ ثم رجع الی قول الصحابتہ ۱ ابن عباسؓ کے رجوع کر لینے کا یہ مسئلہ بے شمار محدثین و فقہا نے نقل کیا ہے لیکن ہم نے یہاں صرف ایک حوالہ درج کرنا کافی خیال کیا ہے۔

اس چیز پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حق میں کوئی نقد و طعن نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح اس مسئلہ میں بھی حضرت معاویہؓ طعن و ملامت کے مستحق نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی حق پسندی پر یہ واقعہ قوی دلیل ہے۔ لیکن مشہور ہے کہ :-

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است

طعن کرنے والوں کی نظروں میں یہ عیب و نقص ہی معلوم ہو گا۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کا موقف سے رجوع کر لینا بھی ثابت ہے اور اکابر محدثین نے اسے نقل کر دیا ہے ان حالات میں حضرت موصوف پر طعن قائم رکھنا اور قبیح تنقید کی شکل میں اسے عوام میں بیان کرنا بڑا ظلم ہے اور قابل نفرت تعبیرات سے اسے ادا کرنا اور مذموم عبارات کی شکل میں لکھنا نہایت ناروا طریق اور برا انداز تحریر ہے یہ ایک مقتدر صحابی کے حق میں بد ظنی نشر کرنے کا معاندانہ رویہ ہے جو قابل مذمت ہے

قول قبیح تنقید ------- استلحاق زیاد کے واقعہ کے متعلق حضرت امیر معاویہؓ پر طعن کرنے والے بعبارت ذیل تنقید ذکر کرتے ہیں مثلاً

(۱) حضرت معاویہؓ نے شریعت کے مسلمہ قاعدہ کی خلاف ورزی کر دی تھی حالانکہ ایسا نہیں۔ یہاں ایک فارق موجود تھا جس کی تفصیل اوپر ہم نے ذکر کر دی ہے۔

(۲) حضرت معاویہؓ نے اپنے والد کی زنا کاری پر شہادتیں قائم کیں (کیا یہ دور جاہلیت کی بات نہیں؟)

(۳) اور اس معاملہ میں حلال و حرام کی تمیز بھی روا نہیں رکھی ...... وغیرہ وغیرہ

لطیفہ -- یہی زیاد حضرت علیؓ کے ہاں کارکن تھا تو ثقہ، معتمد، بہترین صالح شخص تھا مگر وہی شخص امیر معاویہؓ کے ہاں پہنچ گیا تو وہ بڑا قبیح بدکار ظالم ولد الحرام ولد الزنا حرامی بن گیا ہے یا للعجب!! (منہ)

۱ اصول سرخسی لابی بکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی صفحہ ۳۲۱ / ج اول طبع اول دکن

مسئلہ استخلاف یزید

معترض دوست استخلاف یزید کے مسئلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بہت کچھ اعتراضات قائم کرتے ہیں

کہ حضرت معاویہؓ کا اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ منتخب کرنا درست نہیں تھا اس طریقہ سے سابقہ خلفاء کا انہوں نے خلاف کیا اور مخالفین اسلام قیصرو کسریٰ کے طریقہ کو مروج کیا۔ اس کی وجہ سے امت میں بڑے مفاسد کھڑے ہوئے آپ نے قوم کو غلط راہ پر ڈال دیا۔

یہ کام انہوں نے ذاتی مفاد اور حفاظت اقتدار کی خاطر سرانجام دیا تھا جو امر مذموم تھا

اس مسئلہ کو صاف کرنے کے لئے چند امور ذکر کئے جاتے ہیں ان پر توجہ فرماویں امید ہے قابل اطمینان ہوں گے۔

(۱)

مسئلہ استخلاف یزید میں پہلے یہ چیز معلوم کرنی چاہئے کہ شرعی طور پر فرزند کو اپنے والد کی جگہ پر والی و حاکم منتخب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق یہ چیز واضح ہے کہ نصوص قرآنی اور احادیث صحیحہ کے اعتبار سے یہ صورت منع نہیں بلکہ جائز ہے شیعہ حضرات اس مسئلہ پر اپنی کتابوں سے بھی کوئی سند نہیں لا سکے کہ بیٹے کو جانشین بنانا ناجائز ٹھہرے اگر شرعی قوانین اور آئین اسلامی کی رو سے بیٹے کو باپ کی جگہ پر والی منتخب کرنا ناجائز ہوتا تو حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اس دور کے اکابر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قائم مقام کیسے منتخب کر لیا؟ انہیں کیوں یہ خیال نہ آیا کہ اس طرح امت ایک غلط راہ پر چل پڑے گی۔

بلکہ روایات میں اس طرح موجود ہے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دفن سے فراغت کے بعد خود حضرت حسنؓ نے لوگوں کو اپنی بیعت کی طرف دعوت دی اور بلایا اس پر لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

ثم انصرف الحسن بن علی من دفنه فدعا الناس الی بیعته فبایعوه

یہاں سے واضح ہو گیا کہ والد کی جگہ اس کے فرزند کو والی اور حاکم بنانا درست ہے یہ کوئی قابل اعتراض چیز نہیں اور نہ ہی یہ قیصرو کسریٰ کے طریق کی اتباع ہے اور جو لوگ دن رات " وورث سلیمان داؤد " پڑھتے ہوں وہ اس قسم کی غلط بات کیسے کہہ سکتے ہیں

البتہ انتخاب میں اس کی اہلیت شرط ہوتی ہے اور اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے جیسا کہ ہم آئندہ سطور میں ذکر کر رہے ہیں۔

مسئلہ استخلاف کے متعلق امت کے اکابر علماء نے شروط اور قیود ذکر کی ہیں جن کو ذیل میں ذکر کرنا ہم مناسب خیال کرتے ہیں۔
چوتھی اور پانچویں صدی کے حنابلہ و شوافع کے کبار علماء کے یہ بیانات ہیں ان کو پہلے درج کیا جاتا ہے اس کے بعد دیگر مورخین و محدثین کے فرمودات اور مزید چیزیں ذکر کی جائیں گی جو اس مسئلہ کے سمجھنے میں مفید و معین ہیں۔

شروط و قیود

چنانچہ علامہ الماوردی نے کتاب الاحکام السلطانیہ میں اس چیز کو بعبارت ذیل واضح کیا ہے:

وقال الاکثر من الفقهاء والمتکلمین تجوز امامته و صحت بیعته ولا یکون وجود الافضل مانعا من امامة المفضول اذا لم یکن مقصرا عن شروط الامامة کما یجوز فی ولایة القضاء تقلید المفضول مع وجود الافضل۔" ۱

یعنی مسئلہ ہذا میں علماء کا اختلاف ذکر کرتے ہوئے علامہ الماوردی بیان کرتے ہیں کہ اکثر فقہا اور متکلمین کا قول یہ ہے کہ مفضول کی امامت افضل کے ہوتے ہوئے جائز ہے اور اس کی بیعت صحیح ہے اور افضل کا وجود اس بات سے مانع نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ مفضول میں امامت کے شروط میں کوتاہی نہ پائی جائے۔ جیسا کہ قضاء کے معاملہ میں افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو قاضی بنانا جائز ہے۔ اور قاضی ابی یعلی محمد بن الحسین الفراء اپنی تصنیف الاحکام السلطانیہ میں اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ

ویجوز ان یعهد الی من ینتسب الیه بابوة اور بنوة اذا کان المعهود له علی صفات الائمة لان الامامة لا تنعقد للمعهود الیه بنفس العهد وانما تنعقد بعهد المسلمین والتهمة تنتفی عنه۔" ۲

مطلب یہ ہے کہ اگر منصب یافتہ شخص صفات امامت کا حامل ہو تو عہدہ دینا جائز ہے اگرچہ وہ باپ ہو یا بیٹا ہو۔ کیونکہ کسی کو محض عہدہ عطا کر دینے سے وہ عہدیدار نہیں بن

۱۔ کتاب الاحکام السلطانیة لابی الحسن علی بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی المتوفی سنہ ۴۵۰ھ

۲۔ الاحکام السلطانیہ لابی یعلی محمد بن الحسین الفراء صفحہ ۹ تحت فصول فی الامامة طبع مصر (المتوفی سنہ ۴۵۸ھ)

جاتا بلکہ وہ شخص اسی وقت عہدیدار کہلانے کا حق دار ہوتا ہے جب مسلمان اسے اس عہدہ کے لئے قبول کریں۔ اور اسی صورت میں عہدہ دینے کی تہمت سے بچا جا سکتا ہے۔

چنانچہ ان شروط و قواعد کی روشنی میں یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ اس منصب کے لئے اہلیت و صلاحیت کا پایا جانا لازم ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یزید کے انتخاب میں ان چیزوں کا لحاظ رکھا گیا جیسا کہ آگے اس کا ذکر آ رہا ہے۔

(۳)

استخلاف یزید کے متعلق اکابر فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔ صحابہ کرامؓ اور اکابر تابعینؒ اس مسئلہ میں مختلف آراء رکھتے تھے۔

بعض صحابہ کرامؓ کی رائے یہ تھی کہ اس انتخاب اور نامزدگی کا یہ طریق کار درست نہیں۔ لیکن دیگر صحابہ اور اکابرین امت کی رائے یہ تھی کہ موجودہ حالات کے مطابق یہ انتخاب اور نامزدگی درست ہے

حضرت معاویہؓ کی اپنی رائے بھی یہی تھی کہ اگرچہ یزید سے افضل حضرات موجود ہیں تاہم حالات حاضرہ کے پیش نظر مفضول کی نامزدگی درست ہے۔

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر و کسریٰ کی اتباع میں ایسا نہیں کیا تھا بلکہ اس وقت کی سیاسی و ملکی ضرورت کے تحت انہوں نے ایسا کیا تھا یہ ان کا اجتہاد فکر تھا۔

استخلاف یزید کے مسئلہ میں تاریخوں کے اعتبار سے بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے تاہم بعض روایات کے پیش نظر یہ واقعہ ۵۶ھ میں پیش آیا تھا۔

چنانچہ اس مسئلہ کے متعلق کبار علماء فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے ہم نوا دیگر حضرات یہ رائے رکھتے تھے کہ:

اگر فاضل افراد (جو دین و اسلام اور عبادت میں سبقت رکھنے والے ہیں) موجود ہیں ان کو چھوڑ کر ایک مفضول جو رائے اور معرفت (یعنی ملک رانی اور تدبیر مملکت) میں قوی ہو کو مقدم کر دیا جائے تو درست ہے۔

شرح بخاری میں ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں کہ:۔

(۱) وکان رای معاویۃ فی الخلافۃ تقدیم الفاضل فی القوۃ والرای والمعرفۃ علی الفاضل فی السبق الی الاسلام والدین والعبادۃ۔ فلهذا اطلق انه احق

اور قاضی ابوبکر ابن العربی کی رائے یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے استخلاف کے معاملہ

۱ فتح الباری شرح بخاری شریف صفحہ ۳۲۴ / ج ۷ تحت الحدیث ابن عمرؓ (ابن عمرؓ کا حضرت حفصہؓ کے ہاں جانا)

میں درست اقدام کیا تاہم انہوں نے یہ چیز تسلیم کی ہے کہ :۔

(۲) **الا انا نقول ان معاویتہ ترک الفضل فی ان یجعلھا شوری والد یخص بھا احدا من قرابتہ فکیف ولدا۔"**[۱]

یعنی ہم کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کو اس مسئلہ کے متعلق شوریٰ قائم کرنا افضل تھا اور قرابت داری میں سے اگرچہ بیٹا ہو اس کو خاص نہیں کرنا چاہیئے تھے۔ انہوں نے افضل اور بہتر چیز کو اس معاملہ میں ترک کر دیا۔

لیکن اس میں حضرت معاویہؓ کی ایک مجبوری بھی تھی آپ کے حلقہ سیاست کے لوگ جو سالہا سال سے آپ کے وفادار چلے آ رہے تھے اور بڑی بڑی حوصلہ آزما جنگوں میں وہ آپ کے فدا کار ساتھی رہے تھے انہیں چھوڑنا حضرت امیر معاویہؓ کے بس میں نہ تھا۔ شامی لوگ اموی شخص کے بغیر کسی اور ولی عہد پر راضی نہ ہو سکتے تھے اور حضرت امیر معاویہؓ کو اندیشہ تھا کہ ان کی رائے کے خلاف چلنے سے جمعیت اسلام پھر کہیں منتشر نہ ہو جائے اور دو تین سلطنتیں قائم نہ ہو جائیں آپ نے ان کی رائے کا احترام کیا اور نظم سلطنت میں وہ تدبیر اختیار کی کہ آئندہ انتشار سلطنت کا کوئی عنوان قائم نہ ہو سکے۔ عراق کے لوگ اگر حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھی رہے تھے لیکن ان کا عدم استقلال اور غیر مستقل مزاجی حضرت امیر معاویہؓ سے مخفی نہ تھی۔ آپ کا سیاسی تدبر اس کے سوا اور کوئی راہ نہ پا سکا کہ جانشین شام والوں میں سے چنیں اور یہ کہ اموی ہو۔ ان کے مشیروں کی رائے میں اس پہلو سے یزید کے سوا کوئی اور امیدوار ان شرطوں پر پورا نہ اترتا تھا۔

اور ابن خلدون نے اس مضمون کو بعبارت ذیل بیان کیا ہے۔

وعدل عن الفاضل الی المفضول حرصا علی الاتفاق واجتماع الاھوا الذی عند الشارع وان کان لایظن بمعاویتہ غیر ھذا۔ لعدالتہ و صحبتہ مانعتہ من سوی ذالک۔"[۲]

یعنی حضرت معاویہؓ نے فاضل کو چھوڑ کر مفضول کی طرف عدول کیا۔ وہ قوم کے اتفاق اور اجتماع کی رعایت اور لوگوں کی خواہشات کا لحاظ کئے ہوئے تھے اور ہم حضرت معاویہؓ سے اس معاملہ میں بہتر گمان رکھتے ہیں کیونکہ اس کے سوا کوئی دیگر چیز ان کی عدالت اور صحابیت کی شان کے خلاف ہے۔

نیز ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اس مسئلہ کو دیگر عبارات کی شکل میں بھی

۱ العواصم من القواصم لابن العربی صفحہ ۲۲۲ تحت بحث ہذا

۲ مقدمہ ابن خلدون ۲۱۱ تحت الفصل لثلاثون فی ولایتہ العہد طبع مصر (۳۷۲ / ۳۷۳ طبع بیروت

پیش کیا ہے ایک جگہ میں فرماتے ہیں۔

والذی دعا معاویتہ لایثار ابنہ یزید بالعہد دون من سواہ انما ھو مراعاۃ المصلحتہ فی اجتماع الناس و اتفاق اھوائھم باتفاق اھل الحل والعقد علیہ حینئذ من بنی امیہ اذ بنو امیتہ یومئذ لا یرضون سواھم و ھم عصابتہ قریش واھل الملتہ اجمع و اھل الغلب منھم اثرہ بذالک دون غیرہ ممن یظن انہ اولی بھا۔" ۱

یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی دوسرے شخص کو منصب خلافت نہیں دیا بلکہ اپنے فرزند یزید کو دیا یہ اس بنا پر تھا کہ اس وقت کے لوگوں کے اجتماع قائم رکھنے کی مصلحت سامنے تھی اور بنو امیہ کے اہل حل و عقد کے اتفاق کی رعایت ملحوظ خاطر تھی۔ اس دور میں قریش، کی بنو امیہ بڑی جماعت تھی اور ان کا غلبہ تھا وہ کسی دوسرے شخص پر رضامند ہونے کے لئے آمادہ نہ تھے۔

ان حالات کے پیش نظر یزید کو منتخب کیا اور اس منصب کے لئے بہتر سمجھا

مسئلہ ھذا میں مصلحت اور حسن ظن

اور مقدمہ میں ابن خلدون نے اس چیز کو بعبارت ذیل بھی پیش کیا ہے

وکذالک عھد معاویتہؓ الی یزید خوفا من افتراق الکلمتہ بما کانت بنو امیتہ لم یرضوا تسلیم الامر الی من سواھم فلوقد عھد الی غیرہ اختلفوا علیہ مع ان ظنھم کان بہ صالحا ولا یرتاب احد فی ذالک ولا یظن بمعاویتہ غیرہ فلم یکن لیعھد الیہ وھو یعتقد ما کان علیہ من الفسق حاشا للہ لمعاویتہ من ذالک"۔ ۲

مطلب یہ ہے کہ اپنے فرزند یزید کو حضرت معاویہؓ نے جو منصب سپرد کیا تھا وہ کلمہ اہل اسلام میں افتراق و انتشار سے بچانے کی بنا پر تھا اس سبب سے کہ قبیلہ بنو امیہ امر خلافت کو اپنے سوا کسی دوسرے کی طرف سپرد کر دینے پر آمادہ نہیں تھے۔ اگر یہ معاملہ ان کے غیر کی طرف سپرد کر دیا جاتا تو یہ لوگ حضرت معاویہؓ کے ساتھ اختلاف کر دیتے۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ یزید کے متعلق ان کا بہتر گمان تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ (بظاہر کوئی چیز اس کے خلاف نہ پائے جانے پر) ان کا یہ ظن بنفسہ درست تھا یزید میں فسق و فجور ظاہری طور

۱ مقدمتہ لابن خلدون الفصل الثلاثون فی ولایتہ العھد صفحہ ۲۱۱ مطبع مصر صفحہ ۳۷۲، ۳۷۳ / طبع بیروت

۲ المقدمتہ لابن خلدون صفحہ / ۳۶۵ ج اول (تحت انقلاب الخلافتہ الی الملک (طبع بیروت)

پر اور برملا پایا جائے اور پھر حضرت معاویہؓ یہ ذمہ داری اس کے سپرد کر دیں حاشا و کلا حضرت معاویہؓ سے یہ چیز بعید ہے۔

(حاشیہ) قولہ مع ان ظنھم کان بہ صالحا

یزید بن معاویہ کے قبائح اور معائب کے متعلق لوگوں کے بہت کچھ اقوال پائے جاتے ہیں۔ لیکن بین الافراط و التفریط یہ چیز معلوم ہوتی ہے کہ جس دور میں یزید کا انتخاب اور نامزدگی کی گئی اس دور میں اس کے مفاسد اور قبائح علانیہ طور پر موجود نہیں تھے۔

چنانچہ اس پر قرائن دستیاب ہوتے ہیں

○ مورخین نے لکھا ہے کہ جب بلاد روم میں غزوات ہوئے اور غزوہ قسطنطنیہ پیش آیا تو اسلام کی طرف سے جو لشکر اس غزوہ کے لئے پہنچا اس کا امیر الجیش یزید بن معاویہ تھا اور متعدد اکابر صحابہ کرامؓ یزید کے زیر کمان اسلامی جہاد میں شریک تھے مثلاً" عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن الزبیرؓ اور ابو ایوب الانصاریؓ وغیرھم

اور ایک دیگر مقام میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ حضرت سیدنا حسین ابن علیؓ بھی اس جیش میں شریک و شامل تھے۔

وفیھا (سنتہ ۴۹ ھ) غزا یزید بن معاویہ بلاد الروم حتی بلغ قسطنطنیتہ و معہ جماعتہ من سادات الصحابتہ منھم ابن عمرو ابن عباس وابن الزبیر و ابو ایوب الانصاری۔" [1]

وقد کان (الحسین بن علیؓ) فی الجیش الذین غزوا القسطنطنیتہ مع ابن معاویتہ یزید فی سنتہ احدی و خمسین۔" [2]

○ نیز مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ غزوہ قسطنطنیہ کے دوران جب حضرت ابو ایوب الانصاری بیمار ہو گئے تو یزید نے آپؓ کی بیمار پرسی کی اور آپؓ نے یزید کو بعض وصایا فرمائے جن پر اس نے عمل کیا۔ اور جب آپؓ فوت ہو گئے تو یزید نے آپؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

چنانچہ البدایہ والنہایتہ میں ہے کہ :۔

وکان (ابو ایوب الانصاری) فی جیش یزید بن معاویتہ والیہ اوصی و ھوالذی صلی علیہ" [1]

۱۔ البدایہ والنھایتہ لابن کثیرؒ صفحہ ۳۲ / ج ۸ تحت سنتہ ۴۹ھ

۲۔ البدایہ والنھایتہ لابن کثیرؒ صفحہ ۱۵۱ جلد ثامن تحت قصتہ الحسین و سبب خروجہ باھلہ سنہ ۵۱ھ

۱۔ البدایہ والنھایہ لابن کثیرؒ صفحہ ۵۸ / ج ۸ تحت تذکرہ حضرت ابو ایوب الانصاری سنہ ۵۲ھ

مندرجات بالا سے معلوم ہوا کہ متعدد اکابر صحابہ کرامؓ نے اس دور میں یزید کی سربراہی میں جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا۔ یزید نے صحابہ کرامؓ کی عیادت کی اور ان کے وصایا پر عمل کیا اور اس نے حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کی نماز جنازہ پڑھائی

فلہذا یہ چیزیں اس بات کا قرینہ ہیں کہ اس دور میں یزید کے قبائح اور معائب ظاہر نہیں تھے۔ اور اس کا کردار درست تھا۔ اکابر صحابہ کرامؓ اس کے ساتھ کارہائے خیر میں شریک رہتے تھے اور جہاد جیسے اہم امور کو یزید کی معیت میں سرانجام دیتے تھے۔

اگر یزید کا کردار اس زمانہ میں خراب تھا اور عادات قبیحہ کا مرتکب تھا تو پھر ان اکابر صحابہ کرامؓ نے اس کے ساتھ تعاون کیسے روا رکھا؟ اور ان امور خیر میں کیسے شامل رہے؟ آیات و احادیث کیا ان کے پیش نظر نہیں تھیں؟ (و تعاونوا علی البر و التقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار

اس پر ایک دیگر قرینہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کے ساتھ جب اس دور کے لوگوں کا یزید کے متعلق کلام ہوا تو اس وقت انہوں نے یزید کے معائب ذکر کیے تو ان کے جواب میں محمد بن حنفیہؒ نے فرمایا:۔

ما رایت منہ ما تذکرون وقد حضرتہ واقمت عندہ فرایتہ مواظبا علی الصلاۃ متحریا للخیر یسائل عن الفقہ ملازما للسنتہ قالوا فان ذالک کان منہ تصنعا لک۔" ۔[۱]

یعنی محمد بن حنفیہؒ نے جواباً" فرمایا معائب کی جو چیزیں تم ذکر کرتے ہو وہ میں نے اس میں نہیں دیکھیں میں نے اس کے پاس اقامت کی ہے اس کو میں نے نماز کا پابند پایا۔ امر خیر کا تلاش کرنے والا اور دینی مسائل کو دریافت کرنے والا اور سنت کو لازم پکڑنے والا پایا۔ تو وہ کہنے لگے کہ یہ چیزیں اس سے بطور تصنع کے صادر ہوئی ہیں محمد بن حنفیہ نے فرمایا کہ اس کو مجھ سے کیا خوف اور کیا امید تھی؟ کہ اس نے ایسی چیزوں کا اظہار کیا؟

مسئلہ ہذا کی تائید

اسی طرح حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "اثبات شہادت حسینؓ" میں اس مسئلہ کو بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:۔

وقتیکہ امیر معاویہؓ یزید را ولی عہد خود کردند فاسق معلن بنود اگر چیزے کردہ باشد در پردہ باشد کہ حضرت امیر معاویہؓ را ازاں خبر نہ بود۔ علاوہ بریں حسن تدبیر در جہاد آنچہ کہ ازو مشہود شد مشہور است۔" ۔[۲]

۱ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ صفحہ ۲۳۳ / ج ۸ تحت حالات یزید

۱ تحقیق و اثبات شہادت حسینؓ از مولانا محمد قسم نانوتویؒ صفحہ ۷۶ مترجم انوار الحسن بشیرکوٹی

یعنی حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کو جب اپنا ولی عہد بنایا تو اس وقت وہ علی الاعلان فاسق نہیں تھا اگر اس میں کوئی خامی اور تقصیر تھی تو وہ درپردہ تھی حضرت امیر معاویہؓ کو اس کی خبر نہیں تھی۔ علاوہ ازیں جہاد میں اس کی صلاحیت اور حسن تدبیر مشہور ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ یزید پہلے فاسق نہیں تھا بلکہ بعد میں ہوا۔

چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کی اس صلاحیت کی بنا پر اس کو اپنا ولی عہد منتخب کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

نیز یہ چیز بھی مسلمات میں سے ہے کہ متعدد صحابہ کرامؓ نے شیرازہ امت کو منتشر ہونے سے بچانے کے لئے یزید کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا یہ بیعت اس لئے نہ تھی کہ وہ یزید کو ہر طرح سے حق دار خلافت سمجھتے تھے بلکہ اس لئے کہ امت مسلمہ میں خونریزی نہ ہو اور جس طرح بھی بن پڑے مسلمان ایک جھنڈے کے نیچے مجتمع رہیں۔ یزید کی حکومت کو تسلیم کرنا اس شرط کے ساتھ تھا کہ ان کی اللہ اور رسول اللہ سے بیعت برقرار رہے گی اور وہ حکومت کی کسی ایسی بات کو ہرگز نہیں مانیں گے جو اللہ اور اس کے رسول صلعم کے خلاف ہو بایعنا هذا الرجل علی بیعۃ اللہ و رسولہ (بخاری)

مذکورہ بالا اشیاء اس چیز کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اس دور میں یزید کے ظاہری اعمال و احوال عموماً اس درجہ کے نہ تھے کہ اس کی مخالفت ضروری ہو۔ اور اسلام کے خلاف اس کا کردار نہیں تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے جس دور میں اس کا انتخاب کیا یا اس کی نامزدگی کی تو اس میں اہلیت سمجھ کر ہی ایسا کیا گیا تھا۔ آئندہ کے لئے کسی کو کیا معلوم ہوتا ہے کہ کیا حالات پیش آئیں گے؟ (والغیب عند اللہ تعالیٰ)

حضرت امیر معاویہؓ کی زندگی کے بعد جو یزید کے کارنامے مثلاً واقعہ کربلا واقعہ حرہ اور مکہ شریف پر چڑھائی وغیرہ جو کتابوں میں پائے جاتے ہیں ان کا ذمہ دار خود یزید ہے نہ جناب معاویہؓ ان کی وجہ سے حضرت امیر معاویہؓ کو مطعون کرنا بڑی زیادتی ہے اور آنجنابؓ اس کے ذمہ دار نہیں۔ (منہ)

مولانا نانوتویؒ کی طرف سے تائید

مکتوبات قاسمی میں مولانا مرحوم نے اسی مسئلہ کو اس طرح نقل کیا ہے۔ دائیں طرف مذہب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ درباره خلافت آن بود کہ ہر کرا سلیقہ انتظام مملکت زائد از دیگراں باشد گو افضل ازو باشند افضل است از دیگراں۔ نظر بریں اورا افضل از

دیگراں دانستند و اگر افضل ندانستند پس بیش ازیں نیست کہ ترک افضل کردند۔ چنانچہ در مقدمات سابقہ واضح شدہ کہ استخلاف افضل، افضل است نہ واجب۔ لیکن ایں قدر را گناہ نتواں گفت۔ کہ سب و شتم امیر معاویہؓ پیش آئیم ایں طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را از اجلہ صحابہ نمی شماریم کہ بنسبت ترک افضل وا ولی ہم دریں چنیں امور معذرت نمائیم۔"[1]

یعنی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ خلافت کے بارہ میں حضرت امیر معاویہؓ کا مسلک یہ تھا کہ جس شخص کو انتظام مملکت کا سلیقہ دوسروں کے اعتبار سے زیادہ ہو (اگرچہ وہ دیگر امور میں اس سے افضل ہوں) تو وہ دوسروں کی بہ نسبت خلافت کے لئے افضل ہے۔

اس بنا پر وہ (یزید کو اس معاملہ میں) دوسروں سے افضل جانتے تھے اور اگر افضل نہیں جانتے تھے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ انہوں نے ترک افضل کیا ترک واجب نہیں کیا۔

چنانچہ مقدمات سابقہ سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ افضل کو خلیفہ بنانا افضل ہے واجب نہیں

لیکن ترک افضل و ترک اولیٰ کو ایسا گناہ نہیں کہا جا سکتا کہ امیر معاویہؓ کو اس پر سب و شتم کرنے لگیں اور ان کو اکابر صحابہؓ میں سے شمار نہ کریں۔

مندرجات بالا کے فوائد و ثمرات آئندہ عنوان (بحث کا اختصار) کے تحت ملاحظہ فرماویں

"بحث کا اختصار"

حاصل کلام یہ ہے کہ استخلاف کے مسئلہ میں چند اشیاء پیش کی گئی ہیں جن میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یزید کے انتخاب میں کسی شرعی قاعدہ اور اسلامی ضابطہ کا برخلاف نہیں کیا۔

(۲) اور حضرت معاویہؓ نے اس دور کے حالات کے پیش نظر یہ انتخاب کیا تھا (اگرچہ بعض حضرات صحابہؓ اس انتخاب کے خلاف رائے رکھتے تھے) تاہم متعدد صحابہ کرامؓ اور اکابرین امت اس مسئلہ میں حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف نہ تھے بلکہ ہمنوا تھے

(۳) حضرت معاویہؓ کے سامنے اس دور میں امت مسلمہ کے خیر مقاصد اور اجتماعی مصالح تھے اور قریش کے بڑے اہم قبیلہ بنو امیہ کے اتفاق و اتحاد کو افتراق سے بچانا مقصود خاطر تھا تاکہ اہل اسلام کی مرکزی قوت میں انتشار واقع نہ ہو اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی قائم رہے پارہ پارہ نہ ہو جائے

[1] مکتوبات قاسمیؒ معہ ترجمہ اردو ص ۳۸، ۳۹ بہ عنوان مذہب امیر معاویہؓ دربارہ خلافت

(۴) نیز حضرت امیر معاویہؓ کا یزید کے متعلق حسن ظن تھا کہ اس میں انتظام مملکت کی اہلیت اور صلاحیت پائی جاتی ہے اور ظاہر طور پر اس میں خلاف اسلام کوئی بات موجود نہیں تھی۔ اور غیب کی کسی بات پر اطلاع بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے کسی کو نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے آنموصوف اس مسئلہ میں معذور ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی نے اس مقام میں فرمایا ہے کہ

..... معاویۃ معذور فیما وقع منہ لیزید لانہ لم یثبت عندہ نقص فیہ۔" ۲۷؎

لہذا حضرت امیر معاویہؓ کو اس میں مورد الزام بنانا کسی طرح درست نہیں۔

(۵) حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے فرزند یزید کو خلیفہ نامزد کر کے تقویٰ کے اعلیٰ درجہ کے خلاف جواز کے درجہ کو اختیار کیا۔ کسی امر واجب کا خلاف نہیں کیا۔

حضرات شیخین سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور سیدنا فاروق اعظمؓ نے جو طریق استخلاف اختیار فرمایا وہ تورع اور تقویٰ کا اعلیٰ مقام تھا اور حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے دور کے حالات اور مصالح کے پیش نظر انتخاب کے مسئلہ میں جو صورت اختیار کی وہ درجہ جواز میں تھی۔ اور غایت سے غایت یہی کچھ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں ترک افضل کیا۔

لیکن اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت امیر معاویہؓ کا قبیلہ بنو امیہ اور ان کے حلیف قبائل ایک بہت بڑی طاقت تھے انہیں نظر انداز کر کے حضرت امیر معاویہؓ کسی کو نامزد نہ کر سکتے تھے۔

فلہذا ان کا یہ طریق کار شرع کے برخلاف نہیں اور نہ نفرین و تقبیح کے لائق ہے اس وجہ سے ان پر نہ تو سب و شتم روا ہے اور نہ طعن و تشنیع درست ہے۔ اور نہ ملامت جائز ہے۔

بدعنوانیاں

استخلاف یزید کے سلسلہ میں معترض احباب کئی روایات کا سہارا لے کر حضرت معاویہؓ پر طعن قائم کرتے ہیں کہ انہوں نے بیعت یزید کے معاملہ میں کئی بدعنوانیاں کیں اب اس کے جواب کے لئے چند عنوانات قائم کر کے کلام کیا جاتا ہے ان پر غور فرمالیں۔

طمع و تحریص

معترض دوست حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں اعتراض قائم کرتے ہیں کہ آپؓ نے لوگوں کو طمع و لالچ دلا کر اپنے فرزند کی خلافت کے لئے بیعت پر آمادہ کیا اور اس سلسلہ میں زر کثیر صرف کیا اس طرح کئی لوگوں نے طمع و لالچ میں آ کر بیعت یزید قبول کر لی۔

اس سلسلہ میں معلوم ہونا چاہئے کہ اس اعتراض کی بنیاد عموماً تاریخی روایات پر ہے اور وہ اس درجہ کی قابل اعتماد نہیں کہ ان کو صحابہ کرامؓ کے خلاف مطاعن کی بنیاد بنایا جائے۔

حضرت معاویہؓ کا طرز و طریق لوگوں سے حسن سلوک کا تھا اور وہ لوگوں کے ساتھ روا داری کا برتاؤ کرتے تھے لوگوں کو اموال کا عطا کرنا ان کا شیوہ تھا اور وہ اکابر کو عطایا ھدایا اور وظائف دیا کرتے تھے۔

لیکن ان واقعات کو معترض احباب نے بیعت یزید کے سلسلہ میں اعتراض قائم کرنے کا ایک زینہ بنا لیا ہے اور اپنے فاسد اغراض کی خاطر واقعات کا رخ دوسری طرف کر دیا ہے اور اس طرح حضرت معاویہؓ کے ایک پسندیدہ فعل کو بغض و عداوت کی نظر سے دیکھتے ہوئے طمع و لالچ دلانے اور رشوت کا نام دے کر ایک معیوب چیز اور قابل طعن چیز بنا دیا ہے۔ سچ ہے کہ :-

؎ ہنر بچشم عداوت بزرگ ترعیب است

نیز اس سلسلہ میں جو روایت رشوت دینے دلانے کی بنیاد قرار دیتے ہیں یعنی امیر معاویہؓ نے رشوت دی اور عبداللہ بن عمرؓ نے رشوت لی اس روایت کے رواۃ میں سے بعض راویوں کا حال ذیل میں ناظرین کرام ملاحظہ فرما دیں۔

و وقع عند الاسماعیلی من طریق مومل بن اسماعیل عن حماد بن زید

مومل بن اسماعیل کے متعلق اگرچہ توثیق بھی پائی جاتی ہے لیکن تاہم نقد و جرح بھی مذکور ہے چنانچہ یعقوب بن سفیان البسوی ذکر کرتے ہیں کہ **وقد یجب علی اھل العلم ان یقفوا عن حدیثہ و یتخففوا من الروایۃ عنہ فانہ منکر یروی المناکیر عن ثقات شیوخنا۔**" ۱

۱ المعرفۃ والتاریخ للبسوی صفحہ ۵۲ / ج ۳ طبع بیروت

اور حافظ ذھبی کہتے ہیں کہ وقال البخاری منکر الحدیث وقال ابو زرعتہ فی حدیثہ خطا کثیر [۱] اور ابن حجر العسقلانی نے ذکر کیا ہے کہ وقال محمد بن نصر المروزی المومل اذا انفرد بحدیث وجب ان یتوقف و یثبت فیہ لانہ کان سیئی الحفظ کثیر الغلط [۲] اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس فن کے علماء فرماتے ہیں کہ اہل علم پر لازم ہے کہ مومل کی حدیث سے رک جائیں اور اس سے روایت لینا کم کر دیں

یہ منکر الحدیث ہے ثقہ شیوخ سے منکر روایات نقل کرتا ہے (جو معروف روایات کے خلاف ہوتی ہے)

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ مومل منکرالحدیث ہے اور ابوزرعتہ کہتے ہیں کہ مومل کی حدیث میں بہت خطا ہوتی ہے

محمد بن نصر المروزی کہتے ہیں کہ مومل جب حدیث کے نقل کرنے میں منفرد ہو تو اس کی روایت سے توقف کرنا لازم ہے اس لئے کہ اس کا حافظہ خراب تھا کثیر الغلط تھا

مطلب یہ ہے کہ اس نوع کی روایات پر رشوت دینے دلانے کے طعن کی بنیاد قائم کرنا درست نہیں۔ ایسے مجروح راویوں کی روایت کے ذریعے اکابر صحابہ کرامؓ کی دیانت اور ثقاہت کو داغدار نہیں کیا جا سکتا۔

فلہذا یہ روایات قابل اعتناء نہیں

(۲)

فریب کاری وحیلہ سازی

نیز یہ چیز بھی مخالفین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے استخلاف یزید کے معاملہ میں بڑی حیلہ سازی کی تھی اور مکر و فریب سے کام لیا تھا۔

اس طعن کی مدار طبری کی ایک روایت ہے جس میں بیعت یزید کے سلسلہ میں حضرت معاویہؓ کا زیاد کی طرف مشورے کے طور پر خط تحریر کرنا اور پھر زیاد کا عبید بن کعب کی طرف قاصد بھیجنا مذکور ہے۔ اس روایت کی سند اس طرح مذکور ہے کہ :۔

حدثنی الحارث قال حدثنا علی عن مسلمتہ قال لما اراد معاویتہ ان یبایع لیزید کتب الی زیاد....الخ

اس روایت کی سند کا مختصر سا حال ملاحظہ فرمائیے جو بنائے طعن ہے کہ یہاں طبری کا شیخ الحارث ہے لیکن معلوم نہیں کہ یہ شخص کون بزرگ ہیں۔ کیونکہ طبری کے شیوخ میں کئی

۱ میزان الاعتدال للذھبی صفحہ ۲۲۸ / ج ۴ تحت مومل بن اسماعیل (طبع بیروت)

۲ تہذیب التہذیب صفحہ ۳۸۱ / ج ۱۰ تحت مومل بن اسماعیل

الحارث مذکور ہیں مثلاً" الحارث بن محمد' الحارث بن کعب اور الحارث بن حصیر وغیرہم اور ان حوارث میں بعض شیعہ بزرگ بھی ہیں۔

سند میں دوسرا راوی "علی" ہے اور علی سے مراد کون علی ہیں؟ بظاہر علی سے مراد علی بن محمد المدائنی ہے جو ایک مورخ اور اخباری آدمی ہے۔

سلسلہ سند میں تیسرے راوی مسلمۃ ہیں جن کے متعلق حسب سابق معلوم نہیں کہ کون مسلمۃ ہیں بظاہر یہ ہے کہ مسلمہ بن محارب الکوفی ہے جو اس دور کا آدمی نہیں ہے جس دور میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ طبری کی بعض روایات میں یہ سلسلہ سند اس طرح مذکور ہے کہ **حدثنی عمرو بن شبہ قال حدثنی ابو الحسن المدائنی (علی بن محمد) قال اخبرنا مسلمۃ بن محارب عن داؤد بن ابی ھند عن شعبی.....الخ**۲۷۵

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمہ بن محارب بعد کے دور کا آدمی ہے اور جس دور میں مذکورہ بالا مسئلہ پیش آیا تھا اس دور میں یہ شخص موجود نہیں تھا۔

فلہذا بنائے طعن کی روایت کے اسناد پر نظر کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ روایت مرسل ہے۔ راوی اور واقعہ کے درمیان انقطاع زمانہ پایا جاتا ہے۔

چنانچہ ایسی روایت کی بنا پر ایک مقتدر صحابیؓ پر الزام تراشی اور فریب کاری وغیرہ کا طعن قائم کرنا ہرگز صحیح نہیں مخالفین کی طرف سے اس نوع کی روایات صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع کے لئے لوگوں میں پھیلائی جاتی ہیں جو لائق اعتبار اور قابل اعتناء نہیں۔

(۳)

جبرو اکراہ

اور دیگر یہ چیز اس مقام میں بطور طعن ذکر کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نے لوگوں پر مسئلہ بیعت کی خاطر بہت کچھ دباؤ ڈالا اور لوگوں کو بیعت یزید پر مجبور کر دیا اور انہیں اس کے بغیر چارہ کار نہ رہا چنانچہ لوگوں نے اضطراری حالت میں بیعت یزید قبول کر لی

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہئے کہ جس طرح امیر معاویہؓ کے محاسن کو نظر انداز کرتے ہوئے معائب اور مطاعن کے متعلق بہت کچھ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے یہ طعن اور اعتراض بھی اسی درجہ میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیعت یزید کا مسئلہ ایک مجتہد فیہ مسئلہ کے درجہ میں تھا جو حضرت معاویہؓ کی طرف سے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا اور اس میں (جیسا کہ انہ

۱ تاریخ طبری صفحہ ۱۵۶ / ج ۵ سنہ ۳۵ھ (تحت احوال قتل عثمانؓ)

جگہ پر ذکر کیا جاتا ہے) رائے کا اختلاف ہوا تھا بعض اس کے خلاف تھے اور بعض دیگر اس رائے کے حق میں تھے اور حضرت معاویہؓ بھی اس دور کے حالات اور سیاسی و ملی مصالح کے پیش نظر اسے صحیح سمجھتے تھے۔

لوگوں پر اس معاملہ میں کوئی جبرو اکراہ نہیں کیا گیا حتی کہ جو یعقوبی شیعی مورخ حضرت معاویہؓ کے سخت مخالف ہیں انہوں نے بھی برملا طور پر اپنی شیعی تواریخ میں لکھ دیا ہے کہ

وحج معاویتہ تلک السنتہ فتالف القوم ولم یکر ھھم علی البیعتہ" ۱

یعنی حضرت معاویہؓ نے اس سال حج کیا اور قوم کے ساتھ الفت سے پیش آئے اور انہیں بیعت (یزید) پر ہرگز مجبور نہیں کیا۔

یہ تصدیق اعداء معاویہؓ کی طرف سے اس طعن کا صحیح جواب ہے کہ اس مئلہ میں حضرت معاویہؓ نے قوم پر بیعت یزید کے سلسلہ میں کوئی جبرو اکراہ نہیں کیا۔

(۴)

تہدید قتل

اس مقام میں بیشتر تاریخی روایات اس نوع کی ہیں جو مجروح اور مقدوح رواۃ سے مروی ہیں اور اس وجہ سے درجہ صحت تک نہیں پہنچ سکتیں۔ چنانچہ ان کا اجمالی محاسبہ ذکر کیا جاتا ہے

سند پر کلام

ایسی تاریخی روایات جن میں بیعت نہ کرنے والوں کے حق میں قتل کی سزا کی تہدید مذکور ہے ان روایات کی سند میں بعض جگہ راوی کہتا ہے کہ "میں نہ یہ روایت اشیاخ مدینہ سے سنی ہے

قال سمعت اشیاخ المدینتہ یحدثون

یہ اہل مدینہ کے اشیاخ خدا جانے کون حضرات ہیں؟ کس ذہنیت کے مالک ہیں؟ اور ان کا دینی معیار کیسا ہے؟

ایسے مجہول الذات رواۃ کی روایت کے پیش نظر صحابہ کرامؓ کی دیانت اور دینی وقار کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔

۱ تاریخ یعقوبی (احمد بن ابی یعقوب الکاتب العباسی المعروف بالیعقوبی (الشیعی) صفحہ ۲۲۹ / ج ۲ تحت واقعات وفات امام حسنؓ (۴۹ھ) طبع بیروت

بعض دیگر روایات جن میں بیعت نہ کرنے والوں کے لئے وعید اور تہدید کی گئی ہے اور قتل کی سزا کا خوف دلایا گیا ہے ان روایات کی سند میں مذکور ہے کہ قال حدثنی رجل بنخلتہ یعنی مجھے ایک شخص نے نخلہ کے مقام میں بیان کیا

یہ رجل مجہول الذات والصفات ہے خدا جانے وہ کیسا شخص ہے؟ کس ذہنیت کا مالک ہے؟ اور کیسے نظریات کا حامل ہے؟

اس قسم کے مجہول رواۃ کی روایات کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کے مقام کو گرانا اور ان پر طعن و تشنیع کرنا ہرگز صحیح نہیں۔

اور اس مسئلہ کی متعلقہ بعض روایات ؁ ۲۷ جو حدیث کی کتابوں میں دستیاب ہوتی ہیں ان میں حضرت معاویہؓ کی طرف سے اس مسئلہ میں اپنے خلاف رائے رکھنے والے حضرات کے ساتھ گفتگو پائی جاتی ہے۔ وہاں دونوں فریق کے درمیان خلاف رائے کے درجہ تک تکلم اور کلام پایا جاتا ہے اور بعض اوقات اس معاملہ میں شدت بھی مذکور ہے جیسا کہ مختلف فیہ مسئلہ پر فریقین کے کلام میں شدت آ جایا کرتی ہے اور سخت کلامی تک نوبت پہنچتی ہے لیکن اس سے زیادہ چیز وہاں مذکور نہیں

کسی مسئلہ میں اختلاف رائے کا پایا جانا معاشرے کا ایک لازمہ ہے جس سے اجتناب ایک مشکل امر ہے۔

اور بعض اوقات صحابہ کرامؓ کے دور میں کئی مسائل میں اختلاف رائے ہوتا رہا ہے مثلاً صدیقیؓ دور خلافت میں مالک بن نویرہ وغیرہ کے خالد بن ولید کے ہاتھوں قتل کی سزا و جزا کے معاملہ میں اختلاف رائے ہوا۔ بعض صحابہؓ فرماتے تھے کہ خالد بن ولید کو سزا ملنی چاہئے لیکن صدیق اکبرؓ کی رائے تھی کہ یہ واقعہ ایک غلط فہمی کی بنا پر سرزد ہوا ہے فلہذا مالک بن نویرہ وغیرہ کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی اور خالد بن ولید سزا کے مستحق نہیں۔ چنانچہ جناب صدیقؓ کی رائے پر عمل درآمد ہوا۔ اور انہوں نے مالک بن نویرہ کی دیت ادا کی اور ان کے قیدیوں کو واپس کر دیا اور ان کا مال و اسباب لوٹا دیا۔ ؁ ۱

۲ ابو لولو مجوسی جو حضرت عمر فاروقؓ کا قاتل تھا حضرت فاروقؓ کی شہادت کے فوراً بعد اس کے رشتہ داروں اور ساتھیوں کو عبید اللہ بن عمرؓ نے بے قابو اور مغلوب الغضب ہو کر قتل کر دیا۔ تو اس وقت ان کے قتل کے بدلہ اور عوضانہ کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کی رائے میں

۱ تاریخ خلیفہ ابن خیاط صفحہ ۷۰ / ج اول تحت واقعہ ہذا در عہد صدیق اکبرؓ

اختلاف واقع ہوا بعض حضرات کی رائے تھی کہ ابو لولو کے رشتہ داروں کے قتل کے عوض میں عبیداللہ بن عمر سے قتل کا بدلہ لیا جانا چاہئے۔ مگر حضرت عثمان غنیؓ جو اس وقت خلیفہ بن ہو چکے تھے انہوں نے ان حضرات کی رائے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے ان مقتولین کا معاوضہ اپنی طرف سے ادا کر کے تنازعہ کو ختم کر دیا۔

اس نوع کے کئی معاملات صحابہ کرامؓ کے دور میں ملتے ہیں جن میں صحابہ کرامؓ کی رائے میں اختلاف کا واقع ہونا پایا جاتا ہے۔

اسی طرح استخلاف یزید کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف رائے ہوا۔ بعض صحابہؓ اس کے جواز کے حق میں تھے اور بعض اس معاملہ میں خلاف رائے رکھتے تھے (مثلاً عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن الزبیرؓ۔ حضرت حسین بن علیؓ۔ عبدالرحمان بن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ) ان حضرات میں سے عبداللہ بن عمر نے پہلے خلاف کیا تھا لیکن بعد میں انہوں نے اس معاملہ میں موافقت اختیار کر لی تھی اور امت کو مزید خون ریزی سے بچا لیا۔

حضرت امیر معاویہؓ نے استخلاف کے مسئلہ میں نہ کسی کو زدوکوب کیا ہے نہ کسی کو قید میں ڈالا نہ کسی کو قتل کیا ہے اور نہ کسی کو سزا دی ہے۔

مورخین کی روایات پر نظر کر کے معترضین نے یہ تمام مطاعن مرتب کئے ہیں اور ایسی دلکش عبارات میں عوام کے سامنے ان کو پیش کیا ہے کہ اسے پڑھ کر ناواقف شخص حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔

حالانکہ یہ سب چالاکی ہے فریب دہی ہے صحابہ کرامؓ سے بدظنی پیدا کرنے کی تدبیر ہے اور صحابہ کے ساتھ اپنے بغض و عداوت کا اظہار ہے جس کو یہ لوگ اپنے سینوں میں مستور کئے ہوئے ہیں۔

اس مسئلہ کی حقیقت اسی قدر ہے جو ہم نے مندرجات بالا میں ذکر کر دی ہے۔ جس سے ایک منصف مزاج آدمی اصل معاملہ کو صحیح طور پر معلوم کر سکتا ہے۔

"خود غرضی و مفاد پرستی سے برات"

حضرت معاویہؓ کے متعلق معترض لوگ استخلاف یزید کے معاملہ کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے قبیلہ کے مفاد کی خاطر یہ خود غرضی اور مفاد پرستی کا معاملہ کیا تھا۔ وہ اس معاملہ میں مخلص نہیں تھے اور انہوں نے اپنے اقتدار کو محفوظ کرنے کی تدبیر تیار کی تھی۔

یہ چیز واقعات کے برخلاف ہے اور خود حضرت معاویہؓ کے بیانات اس کے خلاف پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ان کے خطبے کا ایک حصہ ناظرین کی خدمت میں ذکر کیا جاتا ہے جو حافظ ذہبی اور ابن کثیر نے اپنے اپنے مقام پر ذکر کیا ہے۔

وقال ابو بکر بن ابی مریم عن عطیۃ بن قیس قال خطب معاویۃ فقال اللھم ان کنت انما عھدت لیزید لما رائیت من فضلہ فبلغہ ما املت واعنہ وان کنت انما حملنی حب الوالد لولدہ وانہ لیس باھل فاقبضہ قبل ان یبلغ ذالک۔" ۱

یعنی حضرت امیر معاویہؓ نے دعا کرتے ہوئے خطبہ میں فرمایا اے اللہ! میں نے یزید کو اس کی اہلیت کی بنا پر ولی عہد بنایا ہے۔ اس کے متعلق مجھے جو امید ہے اس پر اسے پہنچا دے اور اس کی اعانت فرما۔ اور اگر میں نے محبت پدری کی بنا پر (ولی عہد) بنایا ہے اور وہ اس کا اہل نہیں تو اس کو اس مقصد پر پہنچنے سے پہلے مقبوض فرما لے۔ (اور ولی عہدی کو پورا نہ کر)

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہؓ نے کسی خود غرضی اور مفاد پرستی کی بنا پر یہ اقدام نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنی رائے میں مخلص اور دیانت دار تھے۔ اس بنا پر وہ مجمع عام میں اس قسم کی دعا کر رہے ہیں۔ اس نوع کے بیانات کے بعد بھی حضرت معاویہؓ اور ان کے ہمنوا صحابہ و تابعین حضرات کے حق میں مفاد پرستی اور فاسد اغراض کی طعنہ زنی کرنا نہایت ناروا فعل ہے بلکہ ان کی نیت پر حملہ اور ان کے ساتھ سوء ظنی کا مظاہرہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ان چیزوں سے اسلام نے ہمیں منع فرمایا ہے۔ (**اللہ اللہ فی اصحابی۔ لا تتخذوا ھم من بعدی غرضا**")

یعنی ارشاد نبویؐ ہے کہ لوگو! میرے اصحاب کے معاملہ میں اللہ سے خوف کرو۔" میرے بعد میرے صحابہ کو اعتراضات کا نشانہ نہ بنا لینا" جس نے ان سے محبت کی وہ ان کے علم و عمل کے باعث نہیں بلکہ میری محبت کی اساس پر ہے اور جس نے ان سے بغض رکھا وہ ان کے کسی عمل کی بناء پر نہ ہو گا ان کا حقیقت میں مجھ سے بغض ہو گا جس کے باعث وہ ان سے بغض کرنے لگیں گے۔

۱ تاریخ الاسلام للذھبی صفحہ ۲۶۷ / ج ۲ تحت بیعت یزید

۱ البدایہ والنہایۃ لابن کثیرؒ صفحہ ۸۰ / ج ۸ تحت سنۃ ست و خمسین (۵۶ھ) طبع اول مصر

شرب خمر کا شبہ پھر اس کا ازالہ

بعض حلقوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر شرب خمر کا طعن وارد کیا جاتا ہے۔
اس اعتراض کی بنیاد مندرجہ ذیل قسم کی روایات پر ہے

حدثنا زید بن الحباب حدثنی حسین حدثنا عبداللہ بن بریدۃ قال دخلت انا وابی علی معاویۃ فاجلسنا علی الفراش ثم اتینا بالطعام فاکلنا ثم اتینا بالشراب فشرب معاویۃ ثم ناول ابی ثم قال ما شربتہ منذ حرمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال معاویۃ کنت اجمل شباب قریش و اجودہ ثغرا و ما شیٔ کنت اجد لہ لذۃ کما کنت اجدہ وانا شاب غیر اللبن او انسان حسن الحدیث یحدثنی

اس کا مفہوم یہ ہے کہ عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں کہ میرا باپ اور میں حضرت امیر معاویہؓ کے پاس داخل ہوئے۔ انہوں نے ہمیں فرش یا فراش پر بٹھایا پھر ہمارے لئے طعام لایا گیا پس ہم نے کھایا پھر مشروب لایا گیا حضرت معاویہؓ نے نوش کیا پھر انہوں نے میرے باپ کو پکڑایا پھر انہوں نے کہا جب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام کیا ہے میں نے اسے نہیں پیا۔ پھر امیر معاویہؓ نے کہا کہ میں قریش کے جوانوں میں اجمل تھا اور میرے سامنے دانت عمدہ تھے یعنی میں خوبرو تھا۔ میں جوانی کے دور میں اس سے زیادہ لذت والی چیز نہیں پاتا تھا ایک تو دودھ اور دوسرا ایسا انسان جو مجھے عمدہ گفتگو بیان کرے۔ (یہ دونوں چیزیں میرے لئے پسندیدہ تھیں)
اس روایت کے "فشرب معاویہ" کے لفظ سے مخالفین امیر معاویہؓ نے شراب خوری کا طعن تجویز کیا ہے

الجواب

یہ واضح بات ہے کہ معترض لوگ اصل چیز سے چشم پوشی کر کے اپنے زعم کے مطابق اعتراض پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔
یہاں بھی حضرت امیر معاویہؓ کے معاندین مخالفین نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے
اب اس مقام میں اعتراض ہذا رفع کرنے کے لئے چند چیزیں ہم ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں بنظر انصاف اگر توجہ فرمائیں گے تو مسئلہ صاف ہو جائے گا اور۔ اعتراض مندفع ہو گا۔

سند کے اعتبار سے بحث (۱)

پہلی بات یہ ہے کہ روایت ہذا کے اسناد میں ایک راوی "حسین بن واقد المروزی" ہے اس کے متعلق علماء نے ثقاہت ذکر کی ہے مگر ساتھ ہی یہ چیز بھی لکھی ہے کہ امام احمدؒ کے پاس حسین بن واقد کی مرویات کا ذکر ہوا تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ اس کی مرویات کیا چیز ہیں کچھ بھی نہیں اور اس کی مرویات کی بے وزنی بیان کرتے ہوئے ہاتھ کو جھاڑ دیا۔

۱۔ فاضل العقیلی نے امام احمدؒ کا قول ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ **ذکر ابو عبداللہ حسین بن واقد فقال و احادیث حسین ما اری ای شیئی ھی؟ و نفض یدہ**"[۱]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ

۲۔ **وربما اخطاء فی الروایات قال احمد فی احادیثہ زیادۃ ما ادری ای شیئی ھی؟ و نفض یدہ**

قال احمد احادیثہ ما ادری ایش ھی۔"[۲]

۳۔ **ثقہ لہ اوھام**"[۳]

۴۔ اور علامہ الذھبیؒ نے میزان الاعتدال اور المغنی میں وثاقت ذکر کرنے کے بعد یہ الفاظ نقل کئے ہیں

واستنکر احمدؒ بعض حدیثہ....الخ[۴]

راوی پر اس طرح نقد پائے جانے کے بعد روایت کا وزن جس درجہ کا رہ جاتا ہے وہ اہل علم و اہل فن پر واضح ہے۔

(۲)

بالفرض اس سند میں نقد کا اعتبار نہ کیا جائے اور اس سے صرف نظر کر لی جائے۔ تو بھی اس روایت کے متن کے متعلق اتنا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ اس کی عبارت کا

۱ الضعفاء الکبیر للعقیلی صفحہ ۲۵۱ / ج ۱ تحت حسین بن واقد المروزی

۲ تہذیب التہذیب صفحہ ۳۷۴ / ج ۲ تحت الحسین بن واقد المروزی

۳ تقریب التہذیب صفحہ ۱۱۴ تحت الحسین بن واقد (طبع لکھنؤ)

۴ میزان الاعتدال صفحہ ۵۴۹ / ج ۱ تحت الحسین بن واقد طبع بیروت (۲) المغنی للذھبی صفحہ ۱۷۶ / ج ۱ تحت حسین بن واقد (طبع حلب)

مفہوم واضح نہیں اور معنی کے اعتبار سے مفہوم میں تدافع پایا جاتا ہے۔
وجہ یہ ہے کہ لفظ "ثم ناول ابی" کے بعد "ثم قال" مذکور ہے اس "قال کا فاعل اگر لفظ "ابی" کو بنایا جائے تو "ثم قال" کی بجائے نحوی لحاظ سے "فقال" ہونا چاہیے۔
اور اگر "ثم قال" کا فاعل امیر معاویہؓ کو بنایا جائے تو روایت کا مفہوم باہم متعارض بن جاتا ہے اس وجہ سے کہ ماقبل میں شرب معاویہؓ موجود ہے پھر یہ کہنا کہ **ماشربتہ منذ حرم رسول اللہ صلعم** اس سے متعارض مفہوم تیار ہوتا ہے۔
نیز اہل علم کی توجہ کے لئے یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ روایت ہذا "المصنف ابن ابی شیبتہ" میں بعض دیگر الفاظ کے ساتھ اس طرح مذکور ہے اور واقعہ ایک ہی ہے۔

حدثنا عبداللہ بن بریدہ قال دخلت انا وابی علی معاویتہ فاجلس ابی علی السریر و اوتی بالطعام واطعمنا و اوتی بشراب فشرب فقال معاویتہ ماشئی کنت استلذہ وانا شاب فاخذہ الیوم الا اللبن فانی اخذہ کما اخذہ قبل الیوم والحدیث الحسن۔ ۱

مذکورہ روایت کے متن اور ابن ابی شیبتہ و دیگر محدثین کے متن روایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ :۔

ثم قال ما شربتہ منذ حرمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات رواۃ کی طرف سے مدرج اور الحاقی ہیں۔ ان کلمات کو عبارت سے الگ کر لیا جائے تو متن روایت میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اور مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔
مختصر یہ ہے کہ قابل اعتراض روایت کی تعبیر اپنے معنی کے لحاظ سے غیر واضح ہے اور ناقلین کے تصرف سے خالی نہیں۔ اسی بنا پر فاضل الہیثمی نے مجمع الزوائد میں یہ روایت ذکر کرتے وقت قابل اشکال کلمات کو حذف کر دیا اور آخر میں لکھا کہ...... **وفی کلام معاویتہؓ شیئی ترکتہ** (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۴۶ کتاب الاطعمہ)

۱ المصنف لابن ابی شیبتہ ۹۴، ۹۵ / ۱۱ تحت ما ذکر من حدیث الامراء والدخول علیہم (طبع کراچی)

(۴)

"درایت کے اعتبار سے"

اس کے بعد ہم دوسرے طریقہ سے اس مسئلہ پر کلام چلانا چاہتے ہیں۔

(ا) ایک بات تو یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرامؓ کتاب اللہ کے حامل اور عامل تھے اور سنت نبوی صلعم کو قائم کرنے والے اور فرمان نبوی صلعم پر عمل کرنے والے تھے کتاب اللہ اور احادیث اس مضمون پر دال ہیں

بنا بریں صریح حکم شرعی کی خلاف ورزی کو کوئی صحابیؓ بھی نہیں کرتا تھا۔ امیر معاویہؓ تو مشاہیر صحابہؓ میں سے ہیں اور خلیفۃ المسلمین کے منصب پر فائض ہیں وہ حرام فعل کے کیسے مرتکب ہوئے؟ اور انہوں نے شرعی مسئلہ کا کیسے خلاف کر دیا؟ حالانکہ خود حضرت معاویہؓ سے حرمت خمر پر کئی روایات اور احادیث منقول ہیں۔

مثلاً

۱ **عن یعلی بن شداد بن اوس سمعت معاویۃ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل مسکر حرام علی کل مومن۔**" ۱

۲۔ **عن معاویۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من شرب الخمر فاضربوہ وان عاد فاضربوہ وان عاد فاضربوہ فان عاد فاقتلوہ**"۔ ۲

ان روایت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ ذکر کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کیا آپؐ نے فرمایا کہ ہر نشہ دینے والی چیز ہر مومن پر حرام اور ناجائز ہے اور حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شراب خوری کرے اس کو (حد) لگاؤ اگر پھر یہ فعل کرے تو اس کو (حد) لگاؤ اور گر پھر یہ فعل کرے تو اس کو (حد) مارو (اور پھر چوتھی مرتبہ وعیداً" اور تہدیداً" فرمایا) کہ اگر پھر یہ فعل کرے تو اس کو مار ڈالو"

۱ السنن لابن ماجہؒ ۲۵۱ ابواب الاشربۃ باب کل مسکر حرامؒ (طبع دہلی)

۲ المسند لامام احمدؒ ۹۷ / ج ۴ تحت مسندات معاویۃ

۳ موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان لنور الدین الہیثمی صفحہ ۳۳۶ باب ماجاء فی شارب الخمر

۴ السنن الکبری للبیہقی صفحہ ۳۱۳ / ج ۸ کتاب الاشربہ والحد فیھا

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرمت خمر کی روایات خود نقل کرنے والے ہیں اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب خوری کی وعیدیں خود سماعت کر چکے تھے۔ اور کاتب نبوی اور منشی رہ چکے ہیں فلہذا یہ مسئلہ ان پر مخفی نہیں تھا اور انہوں نے ارشاد نبوی کے خلاف ہرگز عمل درآمد نہیں کیا یہ تو ان کے مقام دیانت کے خلاف ہے۔

(۲) فقہی قواعد

قابل اعتراض روایت مذکورہ بالا کا جواب علماء کرام اس قاعدے کے اعتبار سے بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر وہ روایت جو مورد اعتراض ہے درست تسلیم کرلی جائے تو وہ فعلی ہے اور یہ ابن ماجہ و مسند احمد وغیرہ کی روایات قولی ہیں فلہذا قولی اور فعلی کے تعارض کی صورت میں قولی روایت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

۲۔ نیز یہ روایات جواب ذکر کی گئی ہیں محرم ہیں اور قابل اعتراض روایت مبیح ہے محرم اور مبیح روایات کے تقابل کی صورت میں محرم کو ترجیح دی جاتی ہے۔

(رفع اشتباہ) اگر کوئی ناواقف شخص یہ اعتراض کرے کہ روای کا عمل جب اپنی مروی روایت کے خلاف پایا جائے تو وہ قواعد کے اعتبار سے قابل اعتراض اور لائق طعن ہے تو اس کے متعلق جواب یہ ہے کہ علماء اصول حدیث و فقہ نے قاعدہ ذکر کیا ہے کہ

۱۔ **وان کان قبل الروایۃ اولم یعرف تاریخہ لم یکن جرحا۔**"[۱]

۲۔ **قال فی التوضیح وان عمل بخلافہ قبلہا اولم یعلم التاریخ لا یجرح۔**"[۲]

مطلب یہ ہے کہ اگر روایت کنندہ کا عمل روایت کرنے سے قبل اپنی مروی کے خلاف پایا گیا یا اس کے عمل کا قبل الروایۃ ہونا یا بعد الروایۃ ہونا متعین نہیں ہو سکا تو اس صورت میں یہ چیز راوی کے حق میں قابل طعن نہیں ہے۔

(۳) نیز یہ چیز قابل توجہ ہے کہ اکابر صحابہ کرامؓ اور اکابر ہاشمی حضرات مثلاً حسنین شریفینؓ عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ وغیرھم حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اور ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے تھے اور ان کے ھدایا اور وظائف قبول اور وصول کرتے تھے۔ اور اس دور کی جہاد کی مساعی میں شامل رہتے تھے۔[۳]

۱ نور الانوار (تحت بیان طعن یلحق الحدیث)

۲ بذل المجہود شرح ابی داود صفحہ ۸ / ج ۲ بحث رفع الیدین

۳ مسئلہ اقربانوازی صفحہ ۱۹۵ تا ۲۰۹ (از مؤلف کتاب ہذا)

اگر حضرت امیر معاویہؓ شراب خوری کے مرتکب تھے تو ان حضرات نے کیوں منع نہیں کیا؟

اور ان کے ساتھ دینی و دنیاوی تعلقات کیوں استوار رکھے؟

کیا یہ حضرات ایک گناہ اور ظلم پر تعاون کرتے رہے؟ اور رکون الی الظلم کے مرتکب ہوئے؟ کیا یہ آیات ان کے پیش نظر نہیں تھیں

۱۔ **و تعاونوا علی البرو التقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (الایۃ)**

۲۔ **ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار (الایۃ)**

(۴) نیز حضرت امیر معاویۃؓ کے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں ۔ آنجناب صلعم نے ان کو "ھادیا و مھدیا" کے الفاظ کے ساتھ دعا دے کر مشرف فرمایا ہے اور آنجناب صلعم کی دعائیں یقیناً منظور ہوئیں

اگر حضرت امیر معاویہؓ پر شراب خوری کا اعتراض درست ہے تو وہ قوم کے لئے "ھادی" اور اپنے مقام میں "مھدی" کس طرح ہوئے؟ کیونکہ شراب خور آدمی ھادی اور مھدی نہیں ہوتا۔

(۵) بالفرض اگر قابل اعتراض روایت مذکورہ کو کسی درجہ میں تسلیم کرلیا جائے تو اس کا محمل اور مفہوم یہ ہوگا کہ وہ چیز جو ان حضرات نے نوش فرمائی وہ خمر نہیں تھا جو شرعاً حرام اور ناجائز ہے بلکہ وہ اس دور میں ایک قسم کا مشروب تیار کیا جاتا تھا اور وہ مسکر نہیں ہوتا تھا اور بطور مقوی غذا کے بعض اوقات اس کو استعمال میں لاتے تھے اور راوی کی تعبیر نے اس چیز کو ایسے الفاظ میں نقل کیا کہ جس سے اس کے حرام ہونے کا شبہہ پیدا کرلیا گیا۔

نبیذ کا استعمال اکابرین امت کی نظر میں

مذکورہ مقوی غذا جو ہم نے ذکر کی ہے وہ نبیذ تھی اور اس دور میں نبیذ ثمر سے تیار کی جاتی تھی اور بعض اوقات منقی اور شہد سے بھی بنائی جاتی تھی۔ اور "نبیذ" شرعاً حلال تھی اس دور میں اکابر حضرات اس کی حلت کی بنا پر ہی استعمال فرماتے تھے۔

قولہ -- النبیذ۔ التمر ینبذفی جرۃ الماء او غیرھا ای یلقی فیھا حتی یغلی۔ و قد یکون من الزبیب والعسل۔ (المغرب للمطرزی ص ۱۹۶ ج ۲ تحت النبذ)

فقہاء کرامؒ نے شرب نبیذ کے واقعات میں حضرت عمرؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ وغیرہ کے اسماء ذکر کئے ہیں مقام ذیل ملاحظہ فرمائیں۔ ۱

نیز اس مقام میں خصوصی طور پر حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کی اولاد شریف اور حسن بصریؒ کے متعلق علماء نے ذکر کیا ہے۔

(۱) ایک شخص موسیٰ بن طریف اپنے والد سے نقل کرتا ہے (طریف حضرت علیؓ کے بیت المال کا منیجر تھا) وہ کہتا ہے کہ حضرت علیؓ نے نبیذ نوش فرمایا جو سبز رنگ کے مٹکے سے لیا گیا تھا۔

۱۔ عن موسی بن طریف عن ابیہ قال وکان علی بیت مال علی بن ابی طالب ان علیا شرب نبیذ جرۃ خضراء۔ ۲

۲۔ اور علماء نے حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن حنیفہؒ کے متعلق شرب نبیذ کا ذکر کیا ہے کہ وہ مٹکے سے نبیذ نوش فرمایا کرتے تھے

۱۔ عن منذر الثوری عن ابن الحنفیۃ انہ کان یشرب نبیذ الدن۔" ۳

(۲) اسی طرح حضرت حسن بصریؒ کے متعلق مذکور ہے کہ خالد بن بسیط کہتے ہیں کہ ایک دعوت طعام کا اہتمام کیا گیا اس میں حضرت حسن بصریؒ بھی مدعو تھے پس ہم سب لوگوں نے طعام کھایا اور اس کے بعد پینے کے لئے نبیذ لایا گیا تو حضرت حسن بصریؒ نے نوش کیا اور ہم نے بھی پیا۔

حدثنا ابو العریان خالد بن بسیط قال دعینا الی دعوۃ فیھا الحسن البصری فاکلنا فاتی بنبیذ فشرب الحسن و شربنا۔" ۴

(۳) نیز قدیم مورخ و محدث یحی بن معین نے اپنی تاریخ میں مندرجہ ذیل کلام ذکر کیا ہے یہ بھی اس مسئلہ کی وضاحت کیلئے بڑا بین ثبوت ہے۔

(۲۶۸) سمعت یحی (بن معین) یقول: سمعت یعقوب بن ابراھیم بن سعد عن ابیہ قال اخبرنی من رای بریدۃ بن سفیان یشرب الخمر فی طریق الری۔ قال یحی و قد روی

۱ المبسوط لشمس الائمہ السرخسی صفحہ ۷ تا ۱۳ / ج ۲۴ کتاب الاشربہ (طبع مصر)

۲ طبقات لابن سعد صفحہ ۱۷۱ / ج ۶ تحت طریف طبع لیڈن

۳ طبقات ابن سعد صفحہ ۸۵ / ج ۵ تحت محمد بن حنفیتہ طبع لیڈن

۴ کتاب الکنی للدولابی صفحہ ۳۰ / ج ۲ تحت کنیتہ ابوالعریان طبع حیدر آباد۔ دکن

محمد بن اسحق عن بریدۃ بن سفیان ھذا۔ قال ابو الفضل۔ اھل المدینۃ و مکۃ یسمون النبیذ خمرا والذی عندنا انہ رای بریدۃ یشرب نبیذا فی طریق الری فقال رایتہ یشرب خمرا۔" ۲

یعنی یحیی بن معین کہتے ہیں کہ میں نے یعقوب بن ابراہیم بن سعد سے سنا۔ وہ اپنے والد سے ذکر کرتے تھے کہ مجھے اس شخص نے خبر دی ہے جس نے بریدۃ بن سفیان کو طریق الری میں خمر پیتے ہوئے دیکھا۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق نے بریدۃ بن سفیان سے اس چیز کو روایت کیا۔

اور ابوالفضل کہتے ہیں کہ اہل مدینہ اور اہل مکہ نبیذ پر خمر کا اطلاق کرتے تھے اور نبیذ کو خمر کہہ دیتے تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ بریدہ کو جو طریق الری میں نبیذ پیتے دیکھا گیا ہے اسی کو دیکھنے والے نے خمر کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس دور میں نبیذ پر خمر کا اطلاق ہوتا تھا)

مختصر یہ ہے کہ واقعات مذکورہ بالا کے ذریعہ یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ طعام کے بعد بعض اوقات بعض مقوی مشروب استعمال کئے جاتے تھے جن میں سے ایک نبیذ ہے جو شرعاً" حلال اور جائز ہے اور حضرت معاویہؓ سے متعلق جو واقعہ معترضین پیش کرتے ہیں اس میں بھی مشروب اسی نوعیت کا تھا جو شرعاً" جائز تھا

خمر نوشی صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بھی نہیں کرتا تھا اور حضرت معاویہؓ کو اس طعن کا مورد صرف عناد کی بنا پر قرار دیا گیا ہے۔

۱ التاریخ یحیی بن معین صفحہ ۷۰ / ج ۴ المتوفی ۲۳۳ھ) طبع ام القری مکۃ مکرمۃ

۲ التاریخ یحیی بن معین صفحہ ۳۹۶ / ج ۳ تحت روایت نمبر ۱۹۲۳ طبع ام القری مکۃ مکرمۃ

اسم معاویۃؓ پر طعن پھر اس کا جواب

بعض حلقوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہؓ کے نام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ "معاویہ" کا معنی "آواز کرنے والی سگ مادہ" ہے اس کے جواب کے لئے ذیل میں چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں جن کے ملاحظہ کر لینے سے شبہ بالا رفع ہو جاتا ہے۔

(ا) سب سے پہلے اس کے لغوی معنی اور مادہ کے اعتبار سے بعض چیزیں پیش کی جاتی ہیں اس کے بعد دیگر امور پیش خدمت ہوں گے۔

اھل لغت نے لکھا ہے کہ "معاویۃ" اگر معرف بلام ہو تو اس کا معنی "سگ مادہ آواز کنندہ" کے ہیں اور بغیر الف لام کے لوگوں کے علم کے طور پر مستعمل ہے جیسے معاویۃ بن ابی سفیانؓ اور اس کو اصطلاح لغت میں "اسم منقول عنہ" کہتے ہیں۔" ۱ صاحب قاموس مجد الدین فیروز آبادی نے اسی مقام میں اسی مادہ (عوی) سے ایک محاورہ **دعاواھم ای صایحھم** (یعنی اس شخص نے لوگوں کو آواز دی) بھی ذکر کیا ہے۔ (القاموس ص ۸۹۶ طبع قدیم تحت عوی) اس محاورہ کے اعتبار سے "معاویۃ" کا معنی "لوگوں کو آواز دینے والا" بھی درست ہے۔

یاد رہے کہ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیدا کرے کہ اسم "معاویۃ" میں "ۃ" تانیث ہے تو مذکورہ بالا محاورہ اس میں کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

تو اس شبہ کو رفع کرنے کے لئے یہ پیش کر دینا کافی ہے کہ رجال کے اسماء اور اعلام میں بعض دفعہ "ۃ" تانیث کے لئے نہیں ہوتی جیسے "یا ساریۃ الجبل" میں اسم "ساریۃ" ایک معروف شخص کا مشہور نام ہے۔ اسی طرح طلحہ، عکرمۃ وغیرہ بھی اعلام و اسماء الرجال مذکر ہیں۔ اور ان میں "ۃ" پائی جاتی ہے جو کسی طرح بھی تانیث پر دلالت نہیں کرتی۔ اسی طرح اسم "معاویۃ" میں "ۃ" تانیث کے لئے نہیں ہے۔

۱۔ القاموس ص ۸۹۶ طبع قدیم تحت مادہ عوی

تاج العروس ص ۲۵۹۔۲۶۰ / ج ۱۰ طبع بیروت تحت مادہ عوی

نیز اہل لغت کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ اسماء اور اعلام میں ان اسماء کے اصل مادہ کا لغوی معنی مراد نہیں لیا جاتا اور علم بن جانے کی صورت میں لغوی معنی اور اس کا اصل مفہوم متروک ہو جاتا ہے مثلاً "عباس" اور "جعفر" جب کہ علم ہوں تو ان کے لغوی معانی اور مفہوم مراد نہیں لئے جاتے۔ کیونکہ "عبوسیت" کا لغوی معنی "برا منہ بنانا" اور تیوری چڑھانا ہے اور اسی طرح "جعفر" کا لغوی معنی "شتر" بھی ہے جب کہ عباس اور جعفر اکابر بنی ہاشم حضرات کے اسماء ہیں اور ان کا لغوی معنی و مفہوم کبھی مراد نہیں لیا جاتا۔ نیز حضرت علیؓ کی نسب شریف میں یعنی ساتویں پشت میں ایک نام کلاب ہے جو مرہ کا بیٹا ہے وہاں بھی لغوی معنی مراد نہیں بلکہ وہ مفہوم متروک ہے ٹھیک اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کے نام میں لغوی معنی و مفہوم مراد نہیں لیا جاتا

اعلام میں طریقہ کار نبویؐ

مزید گزارش یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ قبیح اسماء کو تبدیل فرما دیا کرتے تھے چنانچہ وہ اسماء جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے متغیر فرمائے ان میں سے چند ایک بطور نمونہ ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) ایک لڑکی یعنی (بنت عمر بن خطاب) کا نام "عاصیہ" تھا اس کا نام آنجنابؐ نے تبدیل کرتے ہوئے فرمایا "**انت جمیلہ**"

(۲) ایک لڑکی کا نام "برہ" تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کا نام "زینب" رکھو "**سموھا زینب**"

(۳) ایک شخص سے جناب نے نام دریافت فرمایا تو اس نے کہا "حزن" تو آپؐ نے فرمایا "**انت سھل**"

(۴) محدثین نے ذکر کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "العاص" کا نام تبدیل فرما دیا تھا اسی طرح عتلہ، شیطان اور غراب وغیرھم جیسے متعدد اسماء متغیر فرمائے۔

(۵) ایک شخص عبد شر جنابؐ کی خدمت میں حاضر ہوا جناب نے ارشاد فرمایا تیرا نام عبد خیر ہے۔[۱] مطلب یہ ہے اگر معاویہ کا نام قبیح تھا تو آنجناب حسب دستور اس کو تبدیل فرما

۱ ابو داؤد شریف ص ۳۲۹ ج ۲ طبع دہلی
تحت کتاب الادب باب فی تغییر الاسم القبیح

دیئے لیکن اسے تبدیل نہیں فرمایا تو یہ چیز اس کے صحیح ہونے کی تائید ہے اور اس کو محدثین کی اصطلاح میں تقریر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

"معاویۃ" کا نام صحابہ کرامؓ میں

نیز نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں متعدد صحابہ کرامؓ کا نام "معاویہ" تھا اور آنجنابؐ نے اپنی زبان مبارک پر اسی اسم کو استعمال فرمایا اور اسے تبدیل نہیں فرمایا۔ لہٰذا آنجنابؐ کا ان اصحاب کے نام "معاویہ" کو تبدیل نہ فرمانا صحت اسم کی قوی دلیل ہے۔
ذیل میں بطور مثال چند ایک صحابہ کرامؓ کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے اسماء گرامی "معاویہ" تھے۔

۱۔ معاویۃؓ بن ثور بن عبادہ بن البکاء العامری البکائی۔
۲۔ معاویۃؓ بن الحارث بن المطلب بن عبد مناف۔"۱

ابن حجر العسقلانیؒ نے الاصابہ میں بہت سے صحابہ کرامؓ "معاویۃ" کے نام سے ذکر کئے ہیں۔

اسی طرح حافظ شمس الدین الذھبیؒ نے تجرید اسماء صحابۃ میں بہت سی جماعت صحابہ کرامؓ کی "معاویۃ" کے نام سے ذکر کی ہے۔۲

صاحب "تاج العروس" نے لکھا ہے کہ "معاویۃ" نام کے سترہ صحابہ کرام حضرت امیر معاویۃؓ کے علاوہ پائے جاتے تھے۔

والمسمی بمعاویۃ سواہ من الصحابۃ سبعۃ عشر رجلا۔۳

بصورت الزام شیعہ حضرات کی کتب میں "معاویۃ" بطور اسماء الرجال

۱۔ معاویۃ۔ صحابی رسول

معاویۃ بن الحکم السلمی عدہ الشیخ فی رجالہ من اصحاب رسول اللہ

۱ الاصابہ لابن حجر ص ۴۱۰ ج ۳ تحت اسمہ معاویۃ

۲ تجرید اسماء الصحابۃ ص ۸۹۔۹۰ / ج ۲ تحت اسماء معاویۃ

۳ تاج العروس الزبیدی ص ۲۵۹۔۲۶۰ ج ۱۰ تحت مادہ عوی

۲۔ معاویہ۔ شاگرد امیر المومنین حضرت علیؓ

معاویہ ابن صعصعہ ابن اخی الاخنف عدہ الشیخ فی رجالہ من اصحاب امیر المومنینؑ

۳۔ معاویہ۔ ہاشمی حضرات میں

معاویہ بن عبداللہ بن جعفر الطیار ذاک ولد بعد وفات امیر المومنینؑ ۔ ۱

۴۔ معاویہ۔ حضرت جعفر صادقؒ کے شاگردوں میں

۱۔ معاویہ بن سعید الکندی الکوفی عدہ الشیخ فی رجالہ تارۃ مثل ما فی العنوان فی اصحاب الصادقؑ

۲۔ معاویہ بن سلمۃ النضری عدہ الشیخ من رجال الصادقؑ ۔ ۲

مندرجہ بالا مقامات میں معاویہ کا نام مستعمل ہے اور اس پر کسی قسم کا طعن معترضین نہیں کیا کرتے تو امیر معاویہ بن ابی سفیان کو کیوں مطعون کیا جاتا ہے۔ اس حکمت عملی کی وجہ کیا ہے؟

ایک لطیفہ

ناظرین کرام نے مذکورہ بالا اسماء کو شیعہ کتب سے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ عبداللہ بن جعفر الطیارؓ کے ایک فرزند کا نام معاویہ تھا۔

یہاں ہم ناظرین کرام کی ضیافت طبع کے لئے ایک لطیفہ پیش کرتے ہیں۔ جو شیعہ کے اکابر علماء نے اس مقام میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ کتاب عمدۃ الطالب میں جمال الدین ابن عنبہ الشیعی ذکر کرتے ہیں کہ :۔

(فولد) عبداللہ عشرین ذکرا وقیل اربعۃ و عشرین منہم معاویۃ بن عبداللہ کان وصی ابیہ وانما سمی معاویۃ لان معاویۃ بن ابی سفیان طلب منہ ذالک۔ فبذل لہ

۱ عمدۃ الطالب ص ۳۸ تحت عقب جعفر طیار

۲ تنقیح المقال للمامقانی ص ۲۲۲ ج ۳ تحت باب معاویہ

۳ تنقیح المقال للمامقانی ص ۲۲۳۔ ۲۲۴ ج ۳ تحت باب معاویہ

مائتہ الف درھم و قیل الف الف۔ ۱

یعنی عبداللہ کے بیس یا چوبیس لڑکے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک کا نام معاویہ بن عبداللہ تھا اور وہ اپنے باپ کا "وصی" تھا اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ امیر معاویہ بن ابی سفیان نے عبداللہ بن جعفر کو ایک لاکھ درہم اور بقول بعض دس لاکھ درہم دیئے تاکہ وہ اپنے بیٹے کا نام معاویۃ رکھے۔

فلہذا عبداللہ بن جعفر الطیار نے اس وجہ سے اپنے بیٹے کا نام معاویۃ رکھا۔

مندرجہ بالا روایت کی روشنی میں اکابر شیعہ کے نزدیک آل ابی طالب حضرات کی یہی کچھ حیثیت ہے کہ وہ چند دراہم لے کر اپنی اولاد کے اسماء اپنے دشمنوں کے نام کے مطابق رکھ دیتے تھے (سبحان اللہ)

یہ چیز واضح طور پر ہاشمی حضرات کی کردار کشی ہے جو شیعہ کے اکابر علماء نے بڑے عجیب طریقے سے درج کر دی ہے مگر یہ چیز ہمارے نزدیک ہرگز صحیح نہیں۔

علمائے انساب کے نزدیک

علمائے انساب نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی صاحبزادی رملۃ کا نکاح اور شادی مروان بن الحکم کے لڑکے معاویۃ کے ساتھ ذکر کی ہے۔ عبارات ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

۱ **و تزوج (معاویۃ بن مروان بن الحکم) رملۃ بن علی بن ابی طالب بعد ابی الھیاج عبداللہ بن ابی سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب۔"** ۲

۲ رملۃ بنت علی المرتضیٰؓ ابو الھیاج کے نکاح میں تھیں اس کے بعد

ثم خلف علیھا معاویۃ بن مروان بن الحکم بن ابی العاصی۔ ۳

مذکورہ بالا ہر دو حوالہ جات سے حضرت علی المرتضیٰؓ کی صاحبزادی رملۃ کا معاویۃ بن مروان کے نکاح میں ہونا بین طور پر ثابت ہے۔ فلہذا معاویۃ کا نام قابل طعن و تشنیع نہیں۔

۱ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب صفحہ ۳۸ تحت عقب جعفر الطیار۔ طبع ثانی۔ نجف

۲ جمھرۃ انساب العرب لابن حزم صفحہ ۸۷ تحت اولاد الحکم بن ابی العاص"

۳ نسب قریش لمصعب الزبیری صفحہ ۴۵ تحت ولد علی بن ابی طالب

مختصر یہ ہے کہ ائمہ کرام کی اولاد' رشتہ داروں' تلامیذ اور خدام وغیرہ میں معاویہ کا نام مروج و مستعمل اور متداول ہے ان حقائق کے بعد حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے نام پر اعتراض و طعن قائم کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ انصاف درکار ہے۔

عدم فضیلت کا شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن تجویز کرنے والے دوستوں کی طرف سے یہ چیز بڑے آب و تاب سے پیش کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کی فضیلت میں کوئی روایت صحیح دستیاب نہیں ہوتی۔

اس بنا پر حضرت امیر معاویہؓ کے مقام کو اسلام میں کوئی اہمیت نہیں اور نہ ہی ان کے حق میں زبان نبوت سے کوئی شرف منقول ہے۔

ازالہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب، شرف و مدائح، کردار و اخلاق اور اسلامی خدمات وغیرہ کے متعلق ان شاء اللہ تعالیٰ ایک مستقل تصنیف زیر تالیف ہے اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو وہاں حتی المقدور ان مسائل کو بیان کرنے کا قصد ہے اب سردست اس مقام میں چند ایک فضائل و مناقب اختصاراً و اجمالاً پیش خدمت ہیں جو بطور نمونہ ذکر کئے جاتے ہیں۔ ان سے مندرجہ بالا عدم صحت فضیلت کے شبہ کا ازالہ ہو سکے گا۔ اور ان پر توجہ فرما لینے سے مسئلہ ہذا واضح ہو جائے گا۔ اور مزید اشیاء بھی جو اس مقام کے متعلق ہیں وہ بھی پیش کی جاتی ہیں ان کو بغور ملاحظہ فرماویں۔

(۱)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اثبات فضیلت کے لئے پہلے یہ چیز پیش کی جاتی ہے کہ:۔

حضرت امیر معاویہؓ قبل از فتح مکہ اور بقول بعض فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام لائے۔ اور ان کا اسلام لانا سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں قبول ہوا۔ حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ اظہرت اسلامی فجئتہ فرحب لی۔[۱] یعنی میں اسلام لایا پس آنجنابؐ کی خدمت میں حاضری دی تو نبی کریم صلعم نے میرے حق میں ''مرحبا'' کا کلمہ ارشاد فرمایا''

۱ البدایہ صفحہ ۱۱۷/ ج ۸ تحت ترجمتہ معاویتہؓ

نیز حضرت معاویہؓ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مقدس میں بہت سے اہم امور میں شریک رہے اور متعدد مناصب اور اعزازات کے شرف سے مشرف ہوئے مثلاً
۱۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں حضرت امیر معاویہؓ کو جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کے مواقع نصیب ہوئے۔ یہ ان کے قبول اسلام کی بہت بڑی علامت ہے اور نشر اسلام کے لئے واضح مساعی ہیں۔ اس کی تفصیلات اپنے مقام میں پائی جاتی ہیں مثلاً غزوہ حنین و طائف میں شمولیت و شرکت کرنا ان کے اعادہ کا یہ موقعہ نہیں ہے کیونکہ یہ چیز مسلمات میں سے ہے۔
۲۔ دوسری چیز یہ ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو "کاتبین نبوی" میں شامل کیا گیا اور عہدہ کتابت وحی وغیر وحی کی اہم ذمہ داری دربار نبوت سے ان کو نصیب ہوئی۔ جیسا کہ علماء کرام نے اس مسئلہ کو اپنی جگہ پر وضاحت سے درج کیا ہے۔ ۱
اور ہم نے اس مسئلہ کی تفصیل بقدر ضرورت اپنی کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" کے ۱۳۶۔۳۷ پر ذکر کر دی ہے رجوع فرما کر تسلی کی جا سکتی ہے۔
۳۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب معاویہؓ کو بعض انتظامی امور پر بھی مامور فرما کر روانہ فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً" وائل بن حجر کو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ یمن کے ایک مقام حضر موت میں اراضی کا ایک قطعہ عنایت فرمانے کا قصد فرمایا تو اس اہم کام کے لئے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کو روانہ فرمایا تاکہ آپؓ وہاں پہنچ کر وائل بن حجر کو اراضی کا مناسب قطعہ سپرد کریں۔
یہ خصوصی اعتماد اور وثوق کی علامت ہے اور حضرت معاویہؓ کی انتظامی امور میں طبعی صلاحیت کا واضح ثبوت ہے۔ اور ان کے حق میں بڑی فضیلت کی چیز ہے۔
امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ وائل بن حجر نے کہا کہ

۱ تاریخ خلیفہ ابن خیاط صفحہ ۶۴ / ج ۱ تحت تسمیتہ من کتب لہ

(۲) مجمع الزوائد للہیثمی صفحہ ۳۵۷ / ج ۹ باب معاویتہؓ

(۳) زاد المعاد لابن قیم صفحہ ۳۰ / ج اول فصل فی کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم (طبع قدیم)

(۴) تاریخ یعقوبی الشیعی صفحہ ۸۰ جلد ثانی تحت کتاب النبی ۳

فبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معی معاویۃ بن ابی سفیان قال وامرہ ان یعطینی ارضا" فیدفعہا الی۔"[۱]

۴۔ نسبی روابط

حضرت امیر معاویہؓ کے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک خاندان کے ساتھ نسبی روابط ہیں جو مسلمات میں سے ہیں۔ مثلاً" (الف)۔ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ "ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جن کا اسم گرامی رملۃ ہے) حضرت امیر معاویہؓ کی خواہر اور ہمشیرہ ہیں۔
اس اعتبار سے حضرت معاویہؓ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برادر نسبتی ہونے کا شرف حاصل ہے۔[۲]
(ب) علماء انساب نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے "ہم زلف" (سانڈھو) بھی ہیں۔ کیونکہ جناب ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ جن کا نام "قریبۃ الصغریٰ" ہے وہ حضرت امیر معاویہؓ کے نکاح میں تھیں مگر ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔[۳]
ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہئے کہ مزید رشتہ داریاں بھی ہیں جن کو ہم نے کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" کے صفحہ ۱۲۶۔۱۲۷ کے تحت درج کر دیا ہے اور کتب انساب سے حوالہ جات ساتھ ذکر کر دیئے ہیں۔
مذکورہ بالا چند ایک امور فضیلت نمونہ کے طور پر ذکر کر دیئے ہیں۔ تمام فضائل کا احاطہ کرنا یہاں مقصود نہیں۔

۱ تاریخ کبیر للبخاری صفحہ ۱۷۵ / ج ۱۷۶ جلد رابع قسم ثانی تحت وائل بن حجر
(۲) الصحیح لابن حبان صفحہ ۱۶۶، ۱۶۷ / ج ۹، ۱۰ تحت وائل بن حجر
(۳) کتاب الثقات لابن حبان صفحہ ۴۲۵ / ج ۳ باب الواؤ تحت وائل بن حجر
(۴) مشکوۃ شریف صفحہ ۲۵۹ الفصل الثانی باب احیاء الموات الشرب (بحوالہ ترمذی ودارمی)
(۵) مزید حوالہ جات مسئلہ اقربا نوازی" صفحہ ۶۲ پر ملاحظہ فرمائیں

۲ مسئلہ اقربا نوازی صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷ / پر حوالہ جات ملاحظہ ہوں

۳ مسئلہ اقربا نوازی صفحہ ۱۲۷ بحوالہ کتاب المحبر صفحہ ۱۰۲ طبع دکن

(۲)

"فضیلت کی صحیح روایت کے فقدان کا جواب"

بعض اہل علم کی طرف سے کتابوں میں یہ قول دستیاب ہوتا ہے کہ **لم یصح فی فضائل معاویۃ شیئ** اور عدم فضیلت کے طعن کا مدار اس نوع کے اقوال پر ہے۔ یہ قول بعض اہل علم کا ہے نہ فرمان نبویؐ ہے نہ صحابہ کا فرمان ہے نہ تابعی کا نہ جمہور علمائے امت کا یہ بیان ہے بلکہ یہ اس عالم کا اپنا ذاتی خیال ہے۔

اس وضاحت کے بعد اب اس مسئلہ کے متعلق علماء کرام نے جو چیزیں ذکر کی ہیں ذیل میں ایک ترتیب سے ذکر کی جاتی ہیں۔

ناظرین باتمکین کی خدمت میں گزارش ہے کہ مندرجہ بالا چند اشیاء جو ہم نے بطور نمونہ پیش کی ہیں ان میں سے ہر ایک مستقل فضیلت کا باب ہے۔ اگر بالفرض فضیلت کی کوئی دیگر روایت صحیح دستیاب نہ بھی ہو تب بھی مذکورہ اشیاء حضرت امیر معاویہؓ کے شرف کے اثبات میں اور ان کے اعزاز یافتہ ہونے میں کسی طرح کم نہیں۔ تاہم مندرجہ بالا قول عدم صحت فضیلت کے جواب میں علماء کرام نے لکھا ہے کہ قائل کی "عدم صحت روایت" سے کیا مراد ہے؟

اگر عدم صحت روایت سے مراد یہ ہے کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں تو یہ قول درست نہیں کیونکہ متعدد روایات جو درجہ حسن میں ہیں وہ حضرت امیر معاویہؓ کی فضیلت میں موجود اور ثابت ہیں اگرچہ ان کا اسناد اصطلاحی صحت کے درجہ سے کم ہے اور جو روایات درجہ حسن میں ہوں وہ محدثین کے نزدیک مقبول ہیں اور ان سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں۔ یہ قاعدہ عند العلماء تسلیم شدہ ہے۔

فلہذا حسان روایات کا حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں پایا جانا عدم صحت روایت کے قول کے جواب میں کفتی ہے

چنانچہ مولانا عبدالعزیز پرہاروی فرماتے ہیں کہ

فان ارید بعدم الصحۃ عدم الثبوت فھو مردود لما مرین لمحدثین فلا ضیر فان فسحتھا ضیقۃ و عامۃ الاحکام و الفضائل انما تثبت بالا حادیث الحسان لعزۃ الصحاح ولا ینحط سا فی المسند والسنن عن مرتبۃ الحسن۔"[1]

[1] الناہیۃ عن ذم معاویۃؓ صفحہ ۳۴ فصل فی الاجوبۃ عن مطاعنہ لعبد العزیز پرہارویؒ طبع ملتان

اور کبار علماء نے متعدد روایات حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں درج کی ہیں جن کو درجہ حسن میں شمار کیا جاتا ہے۔ مثلاً

۱۔ **یقول (عرباض بن ساریۃ السلمی) سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اللھم علم معاویۃ الکتاب والحساب وقہ العذاب** یعنی عرباض بن ساریہؓ صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم معاویہؓ بن ابی سفیان کے حق میں فرماتے تھے کہ :۔ اللہ! اس کو حساب و کتاب کا علم عنایت فرما اور عذاب سے محفوظ فرما۔ ۱

۲۔ **عبدالرحمن بن عمیرہ المزنی یقول سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی معاویۃ بن ابی سفیان اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھدہ و اھدبہ (قال الترمذی حدیث حسن غریب)** ۔ ۲

یعنی عبدالرحمٰن بن عمیرہ المزنیؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاویہ بن ابی سفیانؓ کے حق میں ارشاد فرماتے سنا۔ اے اللہ! معاویہؓ کو ھادی اور ہدایت یافتہ فرما۔ ان کو ھدایت دے اور ان کے ذریعے دوسروں کو ہدایت فرما۔

۱ فضائل الصحابہ لامام احمدؒ صفحہ ۹۱۳، ۹۱۴ / ج ۲ تحت فضائل معاویہؓ

(۲) المسند الامام احمدؒ صفحہ ۱۲۷ / ج ۴ جلد رابع تحت مسندات العرباض بن ساریہؓ السلمی

(۳) الصحیح لابن حبان صفحہ ۱۶۹، ۷۰ / ج ۹ تحت ذکر معاویہؓ بن ابی سفیانؓ

(۴) موارد الظمان لنور الدین الھیثمی ۵۶۶ باب فی معاویۃ بن ابی سفیانؓ

(۵) کتاب المعرفۃ والتاریخ للبسوی صفحہ ۳۴۵ / ج ۲

(۶) مجمع الزوائد لھیثمی صفحہ ۳۵۶ / ج ۹ باب ماجاء فی معاویۃ بن ابی سفیانؓ

۲ التاریخ الکبیر للبخاریؒ صفحہ ۳۲۷ / ج ۴ القسم الاول تحت معاویہ بن ابی سفیانؓ

(۲) کتاب فضائل الصحابہ لامام احمدؒ صفحہ ۹۱۳، ۹۱۴ / ج ۲ تحت فضائل معاویہؓ

(۳) موارد الظمان لنور الدین الھیثمی صفحہ ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیانؓ

(۴) مشکوۃ شریف صفحہ ۵۷۹ بحوالہ ترمذی شریف باب جامع المناقب الفصل الثانی

(۵) ترمذی شریف صفحہ ۵۴۷ ابواب المناقب، تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیانؓ طبع لکھنؤ (قال الترمذی ھذا حد حسن غریب)

۳۔ عن ابی ادریس الخولانی عن عمیر بن سعد قال لا تذکروا معاویۃ الا بخیر فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم اھدہ۔" ۱

یعنی عمیر بن سعد الخولانیؒ کہتے ہیں کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ کا تذکرہ خیر خوبی کے بغیر مت کرو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے حق میں فرمایا۔ اے اللہ! انہیں ہدایت عطا فرما۔

یہ چند ایک روایات ہم نے پیش کی ہیں جو علماء کے نزدیک درجہ حسن سے کم نہیں اور علماء کرام اس طرح بھی فرماتے ہیں کہ یہ روایات حسن لغیرہ کے درجہ کی ہیں۔

امام ترمذیؒ نے عبدالرحمٰن بن عمیرہ سے مروی روایت کو حسن غریب سے تعبیر کیا ہے۔

یہ قاعدہ عند العلماء تسلیم ہے کہ "درجہ حسن" کی روایات کو قبول کیا جاتا ہے اور اس سے احکام شرعی ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے۔ فلہذا مذکورہ بالا روایات کی موجودگی میں حضرت معاویہؓ کی فضیلت کے متعلق صحت روایت کے فقدان کا قول کرنا درست نہیں۔

(۴)

تائیدات

حافظ ابن عساکرؒ نے تاریخ بلدۃ دمشق میں تحت ترجمہ معاویہؓ بن ابی سفیانؓ روایت فضیلت کی عدم صحت کا جواب ذکر کرتے ہوئے درج ذیل قول کیا ہے:۔

۱ - واصح ماروی فی فضل معاویۃ حدیث ابی حمزۃ عن ابن عباس انہ کان کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقد اخرجہ مسلم فی صحیحہ و بعدہ حدیث العرباض "اللھم علمہ الکتاب والحساب و بعدہ حدیث ابن ابی عمیرۃ اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا۔" ۲

۱ التاریخ الکبیر للبخاریؒ صفحہ ۳۲۸ / ج ۴ القسم الاول تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیانؓ طبع حیدر آباد دکن

(۲) جامع الترمذیؒ صفحہ ۵۴۷ ابواب المناقب تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیانؓ

(۳) تاریخ بلدۃ دمشق صفحہ ۶۸۷ / ج ۱۶ تحت ترجمتہ معاویہ بن ابی سفیانؓ (عکسی قلمی)

۲ تاریخ بلدۃ دمشق لابن عساکر جلد سادس عشر مخطوطہ عکس شدہ صفحہ ۶۹۷ / ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیانؓ

اور علامہ السیوطیؒ نے بھی مندرجہ بالا قول نقل کیا ہے جو حافظ ابن عساکرؒ کے قول کی من و عن تائید ہے

(۲) و قال السیوطی الشافعی اصح ماورد فی فضل معاویتہ حدیث ابن عباس انہ کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقد اخرجہ مسلم فی صحیحہ و بعدہ حدیث العرباض رضی اللہ عنہ اللھم علمہ الکتابتہ و بعدہ حدیث ابن ابی عمیرۃ اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا۔" ۱

مندرجہ بالا تائیدات کی روشنی میں یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے کاتب نبوی صلعم ہونے کی فضیلت کو جو امام مسلمؒ نے ذکر کی ہے علماء کرام "اصح" چیز فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ علماء کے نزدیک فضیلت کتابت نبوی صلعم حضرت معاویہؓ کے حق میں صحیح تر فضیلت ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے فلہذا ان کی فضیلت کی عدم صحت کا قول کرنا اپنی جگہ پر درست نہیں۔

اور جو روایات اس سے کم درجہ کی ہیں ان کے حق میں اکابر علماء "حسن" ہونے کا حکم درجہ بدرجہ لگا رہے ہیں فلہذا یہ بھی اپنے مقام میں مقبول اور لائق اعتماد ہیں اور قابل حجت ہیں۔ اور مردود نہیں۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ حسن روایات سے شرعی مسائل اور فقہی احکام ثابت ہوتے ہیں فلہذا ان سے حضرت امیر معاویہؓ کی فضیلت کا اثبات بلاشبہ درست ہے۔

مزید تائید

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے متعلق جہاں دیگر چیزیں دستیاب ہیں وہاں ایک اور بہترین فضیلت صحیح روایات میں پائی جاتی ہے۔

وہ اس طرح ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بحر میں پہلے غزا کرنے والے جیش کے متعلق جنت کی خوشخبری ذکر فرمائی اور اس جیش کے امیر اور سپہ سالار خود حضرت امیر معاویہؓ تھے۔

چنانچہ اس پیش گوئی کا مختصر واقعہ بخاری میں اس طرح ہے

۱ تنزیہ الشریعتہ لابن عراق الکنانی صفحہ ۸ / ج ۲ تحت باب فی طائفتہ من الصحابتہ الفصل الاول

(۲) ذیل اللآلی للسیوطیؒ صفحہ ۷۵ (کتاب المناقب) مطبع علوی لکھنو طبع قدیم

ان عمیر بن اسود العنسی حدثہ انہ اتی عبادۃ بن الصامت وھو نازل فی ساحل حمص وھو فی بناء لہ ومعہ ام حرام قال عمیر فحدثتنا ام حرام انہا سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا قالت ام حرام قلت یا رسول اللہ انا فیھم قال انت فیھم قالت ثم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینۃ القیصر مغفور لھم فقلت انا فیھم یا رسول اللہ قال لا۔" [1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ عمیر بن اسود العنسی کہتے ہیں کہ حمص کے ساحل پر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر فروکش تھے اور آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ ام حرامؓ بنت ملحان بھی رفیق سفر تھیں اس موقعہ پر جناب ام حرامؓ نے واقعہ بیان کیا (نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں میرے مکان پر تشریف فرما تھے خواب سے بیدار ہوئے) تو ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے پہلا جیش جو بحر میں جہاد اور غزا کرے گا اس نے اپنے لئے جنت واجب کر لی ہے (یعنی انہوں نے ایسا عمل کیا ہے جس سے ان کو جنت ملے گی)

ام حرامؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرماویں کہ میں ان لوگوں میں شامل ہوں تو جنابؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم ان میں داخل ہو

پھر دوسری بار جناب نے ارشاد فرمایا کہ میری امت سے اول جیش جو مدینہ قیصر پر غزا اور جہاد کرے گا ان کے لئے مغفرت ہے" تو پھر میں نے دوبارہ عرض کیا یا رسول اللہ میں ان میں داخل ہوں؟ فرمایا کہ نہیں (بلکہ تم پہلے جیش میں ہو)

محدثین کے نزدیک یہ ایک مسلم امر ہے کہ پہلی بار غزوہ بحر جو ۲۷ھ میں پیش آیا تھا اور جس کو غزوہ قبرص کہتے ہیں اس میں حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ ام حرامؓ شامل تھیں۔ اس بحری غزوہ کے امیر جیش حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی زوجہ محترمہ فاختہ بنت قرظہ نامی ان کے ہمراہ تھیں۔ اس جیش کے حق میں زبان نبوت سے مژدہ جنت ثابت ہے۔

فلہذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے اور اس عالم فانی میں جنت کی خوشخبری اور وہ زبان نبوت سے یہ ایک نہایت سعادت مندی ہے پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں عدم فضیلت کا قول کسی طرح درست نہیں۔

[1] بخاری شریف جلد اول صفحہ ۴۰۹، ۴۱۰ / کتاب الجہاد تحت باب ما قیل فی قتال الروم

مذکورہ بالا فضیلت کی صحت میں کوئی اشتباہ نہیں محدثین کے نزدیک یہ بالکل صحیح ہے۔ اور کوئی شخص اگر تعصب کی بنا پر اس کی صحت کا انکار کر دے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ تحاسد اور تعاند کرنا آخرت میں نقصان دہ ثابت ہو گا۔ ارشاد نبوت ہے کہ

لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباداللہ اخوانا (الحدیث)

یعنی اے ایماندارو! آپس میں حسد مت رکھو! باہم بغض مت کرو! ایک دوسرے سے روگردانی مت کرو! اے اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو کر رہو

(۴)

بصورت دیگر

اکابر علماء کرام نے محدثین کی "مصطلحات" کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کو محدثین کا قول **"لا یصح' ولا یثبت ھذا الحدیث"**
کے مفہوم سمجھنے میں غلط فہمی ہو جاتی ہے۔

حالانکہ اس قول کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ روایت "موضوع" ہے
یا "ضعیف" ہے۔

ان لوگوں سے یہ قول محدثین کی مصطلحات سے ناواقفی اور لاعلمی کی بنا پر صادر ہوا ہے مولانا عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ

کثیرا مایقولون لا یصح' ولا یثبت ھذا الحدیث۔ ویظن منہ من لا علم لہ انہ موضوع او ضعیف وھو مبنی علی جھلہ بمصطلحاتھم وعدم وقوفہ علی مصرحاتھم۔" [۱]

چنانچہ اس کی چند ایک تمثیلات اہل علم کے لئے یہاں ذکر کی جاتی ہیں تاکہ اس مسئلہ میں اطمینان خاطر کا باعث ہو سکیں

لے وقال الحافظ ابن حجر فی تخریج احادیث الاذکار المسمی "بنتائج الافکار" ثبت عن احمد بن حنبل انہ قال لا اعلم فی التسمیۃ۔ ای فی الوضو۔ حدیثا ثابتا۔ قلت: لا یلزم من نفی العلم ثبوت العدم' وعلی التنزل: لا یلزم من نفی الثبوت ثبوت

[۱] کتاب الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل مولانا محمد عبدالحی لکھنویؒ (متوفی ۱۳۰۴ھ) صفحہ ۸۶ طبع حلب (تحت ایقاظ نمبر۶ ششم)

الضعف' لاحتمال ان یراد بالثبوت الصحته' فلا ینتفی الحسن۔"۔ ۱

۲۔ اور ابن عراق نے تنزیہ الشریعتہ میں لکھا ہے کہ :۔

وقول الامام احمد "لا یصح" لا یلزم منہ ان یکون باطلا کما فھمہ ابن القیم فقد یکون الحدیث غیر صحیح وھو صالح للا حتجاج بہ بان یکون حسنا واللہ تعالی اعلم۔"۔ ۲

۳۔ وقال نورالدین السمھودی فی "جواھر العقدین فی فضل الشرفین" قلت لا یلزم من قول احمدؒ فی حدیث التوسعتہ علی العیال یوم عاشورا لا یصح ان یکون باطلا فقد یکون غیر صحیح وھو صالح للا حتجاج بہ اذا الحسن رتبتہ بین الصحیح والضعیف انتھی۔"۔ ۳

مطلب یہ ہے کہ قولا یصح کے مفہوم کو کبار علمائے حدیث حافظ ابن حجر ابن العراق الہیثمی مولانا نور الدین مولانا عبدالحق لکھنوی" وغیرھم نے واضح کر دیا ہے جس میں اشتباہ باقی نہیں رہا۔

یعنی اگر بعض لوگوں کی جانب سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کی روایت کے متعلق "عدم صحت" کا قول پایا گیا ہے تو وہ کوئی مضر نہیں اس سے واقع میں مقبول روایت کی نفی نہیں ہو سکتی۔ یعنی عدم صحت کا قول صحت عدم کو مستلزم نہیں ہے

بلکہ اثبات فضیلت ہذا میں درجہ حسن کی روایات موجود ہیں اور قابل احتجاج ہیں ان سے حضرت معاویہؓ کا شرف اور فضیلت بہتر طریق سے ثابت ہے اور جمہور علمائے امت اس کو صحیح قرار دیتے اور درست تسلیم کرتے ہیں۔

۱ کتاب الرفع والتکمیل مولانا محمد عبدالحیی لکھنوی" صفحہ ۸۶ تحت ایقاظ نمبر۶ طبع حلب

۲ تنزیہ الشریعتہ المرفوعۃ لابی الحسن علی بن محمد بن معراق الکتانی صفحہ ۱۵۸ / ج ۲ فصل الثانی حدیث عاشورہ

(۲) الموضوعات الکبیر للملا علی القاری الھروی حنفی صفحہ ۱۰۵ تحت فصل و منھا الا کتحال یوم عاشورہ (طبع دہلی)

۳ کتاب الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل مولانا محمد عبدالحیی لکھنوی" صفحہ ۸۷ طبع حلب تحت ایقاظ نمبر۶

(۲) الاثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعہ مولانا محمد عبدالحیی لکھنوی" صفحہ ۹۴' ۹۵ / ج طبع لاہور تحت حدیث فضل یوم عاشورہ

بالفرض

اگر ہم تسلیم کرلیں کہ حضرت معاویہؓ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں تو بھی یہ چیز پیش کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے فضائل و مناقب میں مرویات بقول معترض ضعیف ہیں تو عندالمحدثین ایک قاعدہ جاری ہے اس کے پیش نظر "ضعیف چیز اگر متعدد طریقہ سے مروی ہو تو وہ بھی ایک دوسرے کی موید ہو کر تقویت کا فائدہ بخشتی ہے

چنانچہ علامہ البیہقی نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے جس کو بعد والے علماء اپنی اپنی عبارت میں ذکر کیا کرتے ہیں فی الحال یہاں اس کے لئے صرف دو حوالہ جات علامہ سخاوی و الکنانی کی عبارت میں پیش کئے جاتے ہیں

۱۔ **قال (البیہقی) ان اسانیدہ کلہا ضعیفتہ ولکن اذا ضم بعضہا الی بعض افاد قوۃ۔"** ۔ ۱

۲۔ **وقال (البیہقی) فیہما وفی حدیث ابی ہریرۃ و ابن مسعود اسانیدہا ضعیفتہ ولکنہا اذا ضم بعضہا الی بعض اخذت قوۃ انتہی۔"** ۔ ۲

قاعدہ ہذا کی رو سے یہ چیز واضح ہو گئی کہ حضرت معاویہؓ کے حق میں فضائل کی مرویات میں اگر ضعف بھی پایا جائے تو بھی تعدد مرویات کی وجہ سے قابل قبول ہیں اور ان کے اثبات شرف میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

جن لوگوں نے حضرت معاویہؓ کے فضائل میں صحت مرویات کی نفی کرنے پر زور دیا ہے ان کی وہ چیز تحقیق کے برخلاف ہے اور مرجوح ہے۔

غایت سے غایت اگر نفی فضیلت کے قول کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر اس سے حقیقی طور پر نفی مراد نہیں بلکہ اضافی طور پر یہ نفی مراد ہے یعنی بہ نسبت اکابر صحابہ کرامؓ خلفاء راشدین وغیرہم کے فضائل کثیرہ کے ان کے فضائل کم پائے جاتے ہیں۔

۱ المقاصد الحسنتہ لشمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمان السخاوی (۹۰۲ھ) صفحہ ۴۳۱ (تحت حدیث من وسع علی عیالہ فی یوم عاشورہ)

۲ تنزیہ الشریعتہ لمحمد بن عراق الکنانی (۹۶۳ھ) صفحہ ۱۵۷ / ج ۲ تحت حدیث من وسع علی عیالہ .... الخ

ایک تنبیہہ

بعض لوگ حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں تنقیص و عیب کے طور پر یہ چیز ذکر کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے بخاری شریف کے کتاب المناقب میں حضرت معاویہؓ کے متعلق مرویات کو "باب ذکر معاویۃؓ" کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔ باب مناقب معاویۃؓ کا عنوان تجویز نہیں کیا۔

فلہذا امام بخاریؒ کے نزدیک حضرت امیر معاویہؓ کی منقبت اور فضیلت کی کوئی اہمیت نہیں۔

اس شبہ کا جواب عند العلماء وہ چیز ہے جو مولانا عبدالعزیز پرھاروی نے اپنے مختصر رسالہ "الناھیۃ عن طعن معاویۃ" میں ذکر کی ہے۔

واما الجواب عما فعلہ البخاری فانہ تفنن فی الکلام فانہ فعل کذا فی اسامۃ بن زید و عبداللہ بن سلام و جبیر بن مطعم بن عبداللہ فذکر لھم فضائل جلیلۃ معنونۃ بالذکر۔" ۔۳۲۲ یعنی جو طریقہ امام بخاریؒ نے اختیار کیا ہے وہ تفنن فی الکلام کے درجہ میں ہے۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے اسامہ بن زیدؓ عبداللہ بن سلامؓ اور جبیر بن مطعمؓ میں یہی طریقہ اختیار کرتے ہوئے ان کے فضائل جلیلہ ذکر کئے ہیں اور عنوان باب ذکر فلاں (اسامہ بن زید وغیرہ) قائم کیا ہے۔

اسی طرح امام بخاریؒ نے اپنی کتاب بخاری شریف کے کتاب المناقب میں باب ذکر عباس بن عبدالمطلبؓ اور باب ذکر عبداللہ بن عباسؓ اور باب ذکر حذیفۃ الیمانؓ کے عنوان سے تحریر کئے ہیں۔

حالانکہ ان حضرات کے عمدہ فضائل موجود ہیں۔

ان تمام حضراتؓ کے حق میں امام بخاری کا یہ طریق تحریر تفنن فی الکلام کے طور پر ہا ہے اور ان صحابہ کرامؓ کے فضائل کی کمی کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ کے حق میں امام بخاریؒ نے "باب ذکر معاویہؓ" کے عنوان سے جو ذکر کیا ہے وہ عدم فضیلت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ وہ محض تفنن عبارت کے طور پر ہے جو بلغاء کے کلام میں پایا جاتا ہے۔

۱ الناھیہ عن طعن معاویۃ از مولانا عبدالعزیز پرھارویؒ صفحہ ۳۴ تحت فصل فی الاجوبہ عن مطاعنہ طبع ملتان

ازالہ شبہات
شاہ عبدالعزیزؒ کی بعض عبارات کا جواب

حضرت امیر معاویہؓ کے مقام و مرتبہ کو جمہور علماء اہل سنت متقدمین اور متاخرین مثلاً حضرت شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ ابن عربیؒ امام ربانیؒ ملا علی القاریؒ اور ابن حجر مکیؒ وغیرہ حضرات نے اپنے اپنے دور میں جس طرح بیان کیا ہے اور حضرت معاویہؓ کے منصب کو پیش کیا ہے وہ طریق صحیح اور درست ہے۔ اور ان کے مقابلے میں اگر کسی بزرگ کی بعض مشتبہ اور موہم عبارات پائی جائیں جن سے تنقیص شان کا پہلو نکلتا ہو تو وہ متروک اور مرجوح قرار دی جائیں گی۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ کا مقام و منصب بعد والے حضرات کے مرتبہ سے بدرجہا اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور کم درجہ والے شخص کو اپنے سے فائق شخصیت پر کلام کرنا مناسب نہیں۔

اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی کی بعض عبارات ایسی پائی جاتی ہیں جن سے معترض لوگ کئی قسم کے اعتراضات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور حضرت امیر معاویہؓ کی تنقیص شان کرنے اور ان کی خلافت و امارت کو ناحق قرار دینے کے لئے پیش کرتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ ایک مقام میں لکھا ہے کہ **ولیس ھذا باول قارورۃ کسرت فی الاسلام** ۔ ایک دیگر مقام میں مذکور ہے کہ :۔

بعضے جانب داران معاویہؓ بن ابی سفیان ایں لفظ را تاویل میکنند و گویند مرادش ایں بود کہ چرا با حضرت علیؓ مرتضیٰ درشتی در کلام نمے کنی و نمے فہمانی کہ دست از حمایت قاتلان عثمان بردارد

۲۔ ایک اور مقام میں درج ہے کہ :۔

ایں حرکات او خالی از شائبہ نفسانی نبود
وخالی از تہمت تعصب امویہ و قریشیہ کہ بجناب ذی النورینؓ داشت نبودہ است

نیز ایک اور مقام میں مذکور ہے کہ :۔

محققین اہل سنت از اطلاق لفظ "خلیفہ" ہم تحاشی میکردند چنانکہ در حدیث صحیح (الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ)

وبالجملہ نزد اہل سنت از مقررات است کہ امامت حقہ بلا شبہ تاسی سال امتداد یافت و بصلح حضرت امام حسنؓ کہ پانزدہم ماہ جمادی الاولی در سنۃ چہل ویک بوقوع آمد انقطاع پذیر

رفت

۵۔ ایک دوسرے مقام میں محاربین حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق میں بعض کلمات یوں ذکر کئے ہیں کہ :۔

و محاربت با ایشان از راہ شامت نفس وحب جاہ از راہ تاویل باطل و شبہ فاسد فسق عملی یا فسق اعتقادی است نہ کفر..... الخ

مذکورہ بالا قابل اعتراض اور موہم عبارات کے جواب کے سلسلہ میں ذیل میں بعض امور ذکر کئے جاتے ہیں ان پر نظر غائر کر لینے سے اس چیز سے متعلقہ شبہات رفع ہو جائیں گے۔

(ا)

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے والد گرامی حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حضرت امیر معاویہؓ کے منصب اور مقام کے متعلق اپنی مشہور تصنیف "ازالتہ الخفا" (مقصد اول کی تمہید تنبیہہ سوم) میں تحریر کیا ہے کہ :۔

باید دانست کہ معاویتہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یکے از اصحاب آنحضرت بود صلی اللہ علیہ وسلم و صاحب فضیلت جلیلہ در زمرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم زنہار درحق او سوء ظن نکنی ودر ورطہ سب او نہ افتی تا مرتکب حرام نشوی

اخرج ابو داؤد و عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو انفق احد کم مثل احد ذھبا مابلغ مد احد ھم ولا نصیفہ

و اخرج ابو داؤد عن ابی بکرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی ان ابنی ھذا سید وانی ارجو ان یصلح اللہ بہ بین فیئتین من امتی و فی روایتہ لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین عظیمتین

واخرج الترمذی من حدیث عبدالرحمن بن عمیرہ و کان من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لمعاویتہ اللھم اجعلہ ھادیا و مھدیا و اھد بہ

واخرج بن سعد و ابن عساکر عن سمعتہ بن مخلد قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لمعاویتہ اللھم علمہ الکتاب ومکن لہ فی البلاد وقہ العذاب

واخرج الترمذی من حدیث عمیر بن سعید سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم اھدبہ

وعقل نیز براں دلالت میکند زیرا کہ از طرق کثیرہ معلوم شد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معلوم فرمودند کہ وی فی وقت من الاوقات خلیفہ خواہد شد۔ ۱

یہ تمام "تنبیہ" بڑی عمدہ ہے۔ اور جمہور اہل سنت کے مطابق ہے اس مقام میں حضرت معاویہؓ کے مرتبہ اور فضیلت کو خوب بیان کیا ہے ان چیزوں کے پیش نظر نا کردہ تعبیرات متروک ہوں گی اور ناقابل التفات قرار پائیں گی۔

اور حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی کی یہ تحقیق کوئی منفردانہ چیز نہیں ہے بلکہ ہر دور کے اہل سنت والجماعت کے اکابر علماء حضرت معاویہؓ کے مرتبہ اور مقام کو اسی طرح بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ حضرت معاویہؓ کی مطاعن سے برات اور ان کی صفائی ان حضرات نے اپنی اپنی تصنیفات میں پیش کی ہے۔

پس یہی مسلک اور طریق صحیح اور درست ہے۔ اور اس کے مقابلے میں اگر کوئی مشتبہ اور موہم عبارات پائی جائیں تو وہ متروک اور ناقابل التفات ہوں گی۔

(۲)

نیز حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی تالیفات و تصنیفات کی بعض عبارات میں حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں تعریضات پائے جانے کی شکایت بعض لوگوں نے خود آنحضرتؒ کو تحریر کی تھی اور بطور اعتراض اس چیز کو پیش کیا تھا تو اس شکایت نامہ کے جواب میں خود شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بذریعہ خط جواب ارسال کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔ وہ جواب آنجنابؒ کے مطبوعہ خطوط میں مذکور ہے۔ ذیل میں ملاحظہ فرماویں

"و تعریضات در باب معاویہؓ رضی اللہ عنہ ازیں فقیر واقع نہ شدہ اگر در نسخہ از تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کسے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی و کید و مکر کہ بنائے مذہب ایشاں یعنی گروہ رافضہ از قدیم برہمیں امور است ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند۔ واللہ خیر حافظاً"

واین تعریضات در نسخ معتبرہ البتہ یافتہ نخواہد شد۔" ۲

۱ ازالۃ الخفاء کامل فارسی ۱۴۶، ۱۴۷ تحت تنبیہ سوم (طبع قدیم بریلی)

۲ مکتوبات شاہ عبدالعزیز نمبر سوم صفحہ ۲۶۵، ۲۶۶ مع مقدمہ محمد ایوب قادریؒ (مطبوعہ پاک اکیڈمی ۱۴۱/ اوحید آباد۔ کراچی نمبر ۱۸

حضرت شاہ صاحبؒ موصوف کی اس تحریر کے ذریعے مندرجہ بالا قابل اعتراض اور تمام موہم عبارات کا مسئلہ حل ہو گیا کہ آنجنابؒ نے اپنی تصنیفات میں حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں تنقیص شان کی کوئی چیز تحریر نہیں فرمائی اور نہ ہی وہ اس چیز کو صحیح اور جائز قرار دیتے تھے۔ یہ بعض ناعاقبت اندیش لوگوں کی طرف سے تصرفات ہیں جن کو شاہ صاحبؒ کی جانب منسوب کر دیا گیا۔

(۳)

حقیقت یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ اپنے دور کے ایک وسیع النظر بزرگ اور متبحر عالم دین تھے ان کی دیانت اور وفور علم سے یہ چیز بعید ہے کہ وہ کسی ذی قدر اور مشہور صحابی کی تنقیص کریں اور اس کو اپنے مقام سے گرا کر بیان کریں۔

اس بنا پر ان کے بعد میں آنے والے متعدد علماء نے ان کی قابل اعتراض اور موہم عبارات کو الحاقی قرار دیا ہے اور ان میں لوگوں کے عبارتی تصرفات کو واضح کر دیا ہے جیسا کہ خود شاہ صاحب موصوفؒ نے اس چیز کو تسلیم کر کے اس کا رد کیا ہے اس سلسلہ میں ذیل اکابر اہل علم کی اس نشاندھی کو ہم ایک ترتیب سے ذکر کرتے ہیں

۱۔ امداد الفتاوی میں مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے فتاوی شاہ عبدالعزیزؒ کی ایک عبارت کا جواب دیتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ اول تو اس میں کلام ہے کہ وہ فتاوی شاہ عبدالعزیز کا ہے بھی؟ مجھ کو تو قوی شک ہے۔ ۱

۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (کراچی والے) اپنی کتاب "مقام صحابہ" میں لکھتے ہیں کہ :۔

اسی طرح کا ایک مضمون شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی طرف ان کے فتاوی کے حوالہ سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ مضمون کی وجہ سے ایسا ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ اور فتاوی عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے نہ خود اس کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ معلوم نہیں وفات کے کتنا عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو خطوط و فتاوی دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ

۱ امداد الفتاوی صفحہ ۳۰۷ / ج ۵ کتاب البدعات طبع مجتبائی دہلی

مجموعہ شائع ہوا ہے اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی تدسیس اس میں کی ہو اور کوئی غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لئے فتاویٰ کے مجموعے میں شامل کر دی ہو اور اگر بالفرض یہ واقعی شاہ عبدالعزیز کا قول ہے تو وہ بمقابلے جمہور علماء و فقہاء کے متروک ہے۔ا

(۴)

اس کے بعد ان بعض عبارات کے متعلق اشتباہ کا ازالہ کیا جاتا ہے جو ابتداء" ذکر کی گئی ہیں

خلافت اور امامت کی متعلقہ بحث تحت عنوان "ملوکیت" کا شبہ اور اس کا ازالہ" مفصل ذکر کر دی گئی ہے اس کے تحت ان عبارات کا جواب آچکا ہے۔

لیکن تاہم اختصاراً مندرجہ ذیل کلام ذکر کیا جاتا ہے کہ حدیث سفینہؓ جس میں ثلاثون سنہ کی میعاد منقول ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے اور اس میں خلافت کاملہ راشدہ کی میعاد ذکر کی گئی ہے لیکن اس کے مقابلے میں دیگر متعدد صحیح روایات مروی ہیں جن میں اثنا عشر خلیفہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اور اس سے زائد بھی خلفاء اور خلافت کا مذکور ہونا روایات میں موجود ہے۔ ان روایات میں مطلق خلافت کا ذکر کیا گیا ہے جس کو امارت اور ملوکیت بھی کہا جا سکتا ہے اس بنا پر امارت و ملوکیت اور خلافت میں باہم تضاد نہیں آیات اور روایات میں امیر اور ملک ہونا مومنین اور صالحین کے حق میں بطور نعمت ذکر کیا گیا ہے ان معروضات کی روشنی میں خلفائے راشدین کے ماسوا لوگوں پر خلیفہ کے اطلاق کرنے سے تحاشی اور اجتناب کرنے کا کچھ مطلب نہیں نیز ان لوگوں کو بدترین ملوک کہنا بھی درست نہیں اور "خلافت راشدہ" کے بعد "امامت حقہ" جاری ہے اگرچہ خلافت راشدہ سے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے کم ہے فلہذا تیس سال کے بعد امامت اور خلافت حقہ کے انقطاع کا قول کرنا درست نہیں۔

نمبر۵ والی عبارت (و محاربت با ایشان ازارہ شامت نفس) میں جو فسق اعتقادی کا مسئلہ ذکر کیا ہے اس کی وضاحت اور تشریح کے لئے اسی مقدمہ کے اوائل میں مصنف نے خود مندرجہ ذیل عبارت ذکر کی ہے وہ جواب کے لئے کافی ہے۔ شاہ صاحب رحمتہ اللہ فرماتے

۱۔ مقام صحابہ صفحہ ۷۴، ۷۵ از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (کراچی)

ہیں کہ اول آنکہ انکار معنی نص و مدلول آں بنابر تاویل فاسد کفر نیست بلکہ نوعی است از فسق اعتقادی کہ آنرا در عرف اہل سنت "خطائے اجتہادی" نامند ۔۔ ۱ مطلب یہ ہے کہ اس مقام میں جو فسق اعتقادی کا ذکر ہے اسی کو عرف اہلسنت میں "خطائے اجتہادی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ فلہذا محاربین علوی کے حق میں جہاں فسق عملی یا فسق اعتقادی کا ذکر پایا جاتا ہے وہ خطائے اجتہادی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں

تاہم اس عبارت میں معبر کی طرف سے "تعبیری تصرف" کا احتمال مزید بر آں ہے اور اہل علم کو معلوم ہے کہ راوی و ناقل کی تعبیرات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ اور اصل مفہوم کا رنگ ہی بدل دیتی ہے۔

۱ تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۳۸۹ فارسی ابتدا مقدمہ ششم باب نمبر ۱۲ تولا و تبرا

"حق گوئی کا مسلوب ہونا یعنی آزادی رائے کا خاتمہ پھر اس کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے احباب نے اس چیز کو بڑے عجیب انداز سے بیان کیا ہے کہ ان کے دور میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کرلی گئی تھی اور حق بات کہنا جرم تھا اور زبانیں حق کہنے سے بند کردی گئی تھیں۔

قاعدہ یہ تھا کہ منہ کھولو تو تعریف کے لئے ورنہ چپ رہو۔ حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے ہو تو قتل، قید و بند اور کوڑے کھانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ زبانوں پر قفل چڑھا دیئے گئے تھے اور آزادی رائے کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ اور حق گوئی سلب کرلی گئی تھی۔

معترضین دوستوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے حق میں نقشہ بالا مرتب کیا ہے۔

لیکن اب ہم اس کے متعلق چند ایک واقعات کتب حدیث اور اسلامی تاریخ و تراجم سے پیش کرتے ہیں جن کے ملاحظہ کر لینے سے مذکورہ امور کا جواب ہو جائے گا۔ اور ایک منصف مزاج پر اس کی حقیقت واضح ہو جائے گی کہ مذکورہ بالا نقشہ جو طاعنین نے پیش کیا ہے وہ کہاں تک درست ہے؟ اور اس میں کس قدر صداقت پائی جاتی ہے؟ کیا اس دور کے واقعات اس کی تائید کرتے ہیں یا اس کے برعکس پائے جاتے ہیں۔

اس مسئلہ پر واقعات پیش کرنے سے قبل بعض تمہیدی امور ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بعض دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناصحانہ کلام تحریر کیا۔ اور اس میں ایک نصیحت کی جس کو مورخین نے ایک پختہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے

عن عبداللہ بن مبارک عن هشام بن عروہ قال کتبت عائشۃ الی معاویۃ اتق اللہ فانک اذا تقیتہ کفاک الناس اذا اتقیت الناس لم یغنوا عنک من اللہ شیئا"۔

کتاب انساب الاشراف للبلاذری تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیانؓ یعنی عبداللہ بن مبارک ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت صدیقہؓ نے حضرت معاویہؓ کی طرف لکھا اس میں نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے معاویہؓ اللہ سے ڈرتے رہنا جب تم اللہ سے ڈرتے رہو گے اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں کی طرف سے کافی ہو گا اور جب آپ لوگوں سے ڈریں گے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے لوگ آپ کو نفع نہ دے سکیں گے۔

اس مکتوب میں حضرت صدیقہؓ نے حق گوئی فرماتے ہوئے خدا خوفی کی ترغیب دی ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور یقین رکھنے کی نصیحت کی ہے حضرت معاویہؓ نے ان نصائح کو دل و جان سے قبول کیا اور اس سے نفع اٹھایا اور اسی طرح ایک مشہور صحابی ابو امامہ باہلیؓ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس تشریف لائے اور ان سے ایک خیر خواہانہ کلام فرمایا جو بہت مفید تھا

اخبرنی العتبی قال دخل ابو امامۃ الباھلی علی معاویہ فقال یا امیر المومنین! انت راس عیوننا فان صفوت لم یضرنا کدر العیون وان کدرت لم ینفعنا صفونا و اعلم انہ لا یقوم فسطاط الا بعمد" [۱]

یعنی ایک دفعہ ابو امامہ باہلیؓ (صحابی) امیر معاویہؓ کے پاس تشریف لائے اور آکر فرمایا کہ اے امیر المومنین آپ ہمارے چشموں کے لئے اصل ہیں آپ صاف رہیں گے تو چشموں کا میلا ہونا ہمیں ضرر نہ دے گا اور اگر آپ میں تکدر اور میلا پن ہو گا تو ہمارا صاف رہنا ہمیں نفع نہ دے گا اور یقین جانیئے کہ ستونوں کے بغیر خیمہ کھڑا نہیں رہ سکتا۔

حضرت صدیقہؓ کے کلام کے بعد یہ دوسرے صحابیؓ کا ناصحانہ کلام ہے جس میں حضرت معاویہؓ کو صاف گوئی کے ساتھ نصیحت کی گئی ہے اور انہوں نے اس کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیا ہے۔

یہ دو حوالہ جات آنے والے واقعات کے لئے بطور تمہید کے پیش کئے گئے ہیں اس کے بعد حق گوئی کے دیگر واقعات ایک ترتیب کے ساتھ ناظرین کرام کی خدمت میں ہم پیش کرتے ہیں ان پر نظر انصاف فرمادیں

(۱)

ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے آکر کہا کہ اے معاویہؓ! اللہ کی قسم آپ خود ٹھیک رہیے ورنہ ہم آپ کو درست کر دیں گے۔

تو امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ ٹھیک کرو گے؟ تو اس شخص نے کہا کہ لاٹھی کے ساتھ ہم ٹھیک کریں گے تو حضرت معاویہؓ فرمانے لگے کہ پھر ہم درست ہو جائیں گے۔

[۱] کتاب المجتنی ص ۳۹ تحت کلام معاویہؓ مطبوعہ دائرۃ المعارف دکن للامام اللغۃ والادب ابی بکر محمد بن الحسن بن واید الازدی البصری۔ المتوفی ببغداد سنۃ (۳۲۱ھ)

۱۔ **اخبرنا محمد قال اخبرنا معاذ عن حماد قال اخبرني ابو عبيدة قال ان كان الرجل ليقول لمعاوية والله لتستقيمن يا معاوية! او لنقومنك فيقول بماذا؟ فيقول بالخشب فيقول اذا نستقيم"** ۱

مطلب یہ ہے کہ سیدنا امیر معاویہؓ کے خلاف لوگ حق بات کہتے اور راست گوئی کا حق ادا کرتے تھے ان پر حضرت امیرؓ کی طرف سے کوئی رکاوٹ اور زبان بندی نہیں تھی

اسی نوع کی ایک دیگر روایت بلاذریؒ نے انساب الاشراف میں ذکر کی ہے اس میں سعید بن العاص اپنے والد سے ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار ایک شخص نے حضرت معاویہؓ سے گفتگو کی اور اسی اثنا میں وہ کہنے لگا اللہ کی قسم اے معاویہؓ! آپ درست اور ٹھیک رہیں یا ہم آپ کی کجی کو درست کر دیں گے تو حضرت معاویہؓ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ اللہ تجھ پر رحمت فرمائے۔ اس نے کہا کہ میں فلاں ابن فلاں الحمیری ہوں تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ اگر تو اس سے نرم کلام کر دیتا تو تجھ پر کوئی حرج نہیں تھا اس کے بعد جب وہ چلا گیا تو حضرت معاویہؓ کے لڑکے یزید نے کہا کہ اے امیر المومنین! اگر آپ اس کو ایسی سخت گفتگو پر سزا دیتے تو اس کے ذریعے دوسروں کی تادیب ہوتی تو حضرت معاویہؓ فرمانے لگے اے بیٹے! بعض دفعہ ایسی سخت کلام کی وجہ سے تیرے باپ کو سخت تکلیف پہنچتی ہے تاہم اس کا وبال اس پر ہوتا ہے جس نے قصور کیا

۲۔ **عن سعيد بن العاص عن ابيه قال بينما رجل يخاطب معاوية اذ قال والله يا معاوية! لتستقيمن اولنقومن صعرك قال و من انت رحمك الله؟ قال انا فلان بن فلان الحميرى قال وما كان عليك لو كان كلامك الين من هذا فلما ولى قال يزيد بن معاوية يا اميرالمومنين لو نكلت بهذا تادب به غيره فقال يا بني لرب غيظ قد**

كتاب المجتنى لابن دريد المذكور ص ۴۱ طبع حيدر آباد دكن تحت كلام معاويہؓ

(۲) سیر اعلام النبلا للذہبی ج ۳، ص ۱۰۲ تحت ترجمہ معاویہؓ

(۳) تاریخ الاسلام للذہبی ج ۳، ص ۳۲۲ تحت معاویہؓ

(۴) تاریخ الخلفاء للسیوطی طبع دہلی ص ۱۳۶ تحت سنہ ۶۰ھ حالات معاویہ بن ابی سفیانؓ

(۵) مخطوطہ ابن عساکر صفحہ ۶۷ / ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہؓ (براویت ابن عون)

(۶) مخطوطہ ابن عساکر صفحہ ۶۷ / ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہؓ (بروایت ابی عبیدہ)

تحطم من جوانح ایک لم یکن و بالہ الا علی من جنا ھما

(۲)

محدثین نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امیر معاویہؓ کے روبرو احقاق حق کے طور پر کلام کرنے کا ایک واقعہ اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔

ھشام بن سعید بن عقبہ کہتے ہیں کہ ایک روز امیر معاویہؓ نے خطبہ دیا۔ اور خطبہ میں ایسی بات ذکر کی جس کو حاضرین نے ناپسند کیا اور منکر جانا۔ پس ایک شخص نے بروقت حضرت معاویہؓ کے کلام کو رد کر دیا۔ تو حضرت معاویہؓ اس چیز پر مسرور ہوئے (یا اس کو عجب معلوم کیا) پھر فرمایا کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جناب صلعم نے فرمایا: کہ (آئندہ دور میں) امراء ہوں گے وہ گفتگو کریں گے لیکن لوگ ان کی بات کا رد نہ کر سکیں گے (حالانکہ ان کا کلام قابل تردید ہو گا)

ایسے امراء لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے دوزخ میں گریں گے

حدثنا محمد بن السکن بن ابراھیم الابلی قال ثنا ابو عامر قال ثنا ھشام بن سعد بن عقبہ قال خطب معاویۃ فتکلم بشئی مما ینکر الناس فرد علیہ و قتا واحد فسرار اعجبہ ثم قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یکون امراء فیقولون لا یرد علیھم یتھا فتون فی النار یتبع بعضھم بعضا۔"[۲]

(۳)

نیز اس مقام میں محدثین اور مورخین دونوں حضرات نے حضرت امیر معاویہؓ کے سامنے حق بات کہنے کا ایک واقعہ نقل کیا ہے (جس کو ہم قبل ازیں مسئلہ اقرباتوی کے ۱۵۹۔۱۶۰ پر صرف مورخین کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں)

تاہم اس واقعہ کو متعدد محدثین کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں اور مورخین کی طرف سے اس واقعہ کی جو تائید پائی جاتی ہے۔ اس کے حوالہ جات ساتھ ذکر کر رہے ہیں۔

علامہ نور الدین الہیثمی نے مجمع الزوائد میں مندرجہ ذیل واقعہ نقل کیا ہے:

۱ کتاب انساب الاشراف للبلاذری صفحہ ۴۰ / ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیانؓ

۲ کتاب التوحید واثبات صفات الرب صفحہ ۲۴۸ طبع مصر تحت بحث کل من یشھد اللہ بالوحدانیۃ یخرج من النار (للشیخ ابی بکر محمد بن اسحاق بن خزیمۃ (متوفی سنہ ۳۱۱ھ)

..... عن ابی قبیل عن معاویۃ بن ابی سفیان انہ صعد المنبر یوم القیامتہ فقال عند خطبتہ انما المال مالنا والفئی فیئنا فمن شئنا اعطیناہ و من شئنا منعناہ فلم یجبہ احد فلما کان الجمعتہ الثانیتہ قال مثل ذالک فلم یجبہ احد فلما کان فی الجمعتہ الثالثتہ قال مثل مقالتہ فقام الیہ رجل من حضرا المسجد فقال کلا انما المال مالنا والفئی فیئنا فمن حال بیننا و بینتہ حاکمناہ الی اللہ باسیا فنا فنزل معاویتہ فارسل الی الرجل فادخلہ فقال القوم هلک الرجل ثم دخل الناس فوجدوا الرجل معہ علی السریر فقال معاویتہ للناس ان هذا احیانی احیاہ اللہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سیکون بعدی امراء یقولون ولا یردعلیهم یتقاحمون فی النار کما تقاحم القردۃ والی تکلمت اول جمعتہ فلم یرد علی احد فخشیت ان اکون منهم ثم تکلمت فی الجمعتہ الثانیتہ فلم یرد علی احد فقلت فی نفسی انی من القوم ثم تکلمت فی الجمعتہ الثالثہ فقال هذا الرجل فرد علی فاحیانی احیاہ اللہ" (الطبرانی فی الکبیر والاوسط وابوالعلی ورجالہ ثقات" ے ۱

یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قیامہ کے روز منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دیا۔ فرمانے لگے بیت المال کا مال ہمارا مال ہے اور فئی کا مال بھی ہمارا ہے جس کو ہم چاہیں گے دیں گے اور جس سے ہم چاہیں گے روک لیں گے۔ حاضرین میں سے کسی نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا جب دوسرے جمعہ کا روز آیا تو پھر حضرت معاویہؓ نے اسی طرح کا کلام فرمایا لیکن پھر بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ جب تیسرا جمعہ آیا تو حضرت معاویہؓ نے اسی طرح کا پھر کلام کیا جس طرح کا پہلے جمعہ میں کلام کیا تھا۔ تو اس دفعہ حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ کہ بات ہرگز اس طرح نہیں ہے بلکہ بیت المال کا مال ہمارا ہے اور فئی کا مال بھی ہمارا ہے جو شخص اس بات کے متعلق ہمارے درمیان حائل ہو گا

۱ مجمع الزوائد للہیثمی صفحہ ۲۳۶ جلد خامس تحت باب فی ائمتہ الظلم والجور وائمتہ الضلالتہ

(۲) مخطوطہ ابن عساکر (قلمی) عکس شدہ ص ۶۰ جلد ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیانؓ

(۳) تاریخ اسلام للذهبیؒ صفحہ ۳۲۲ جلد ثانی تحت معاویہ بن ابی سفیانؓ

(۴) تطہیر الجنان لابن حجر المکی صفحہ ۶۷ طبع دوم مصری مع الصواعق المحرقہ"

اس کا فیصلہ ہم تلواروں کے ساتھ خدا تعالیٰ کے ہاں پہنچائیں گے۔

اس کے بعد حضرت معاویہؓ منبر سے نیچے تشریف لائے اور اپنے مقام پر تشریف لے گئے اور اس شخص کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ لوگ کہنے لگے اب یہ شخص سزا پا کر ہلاک ہو گا۔ لیکن جب لوگ حضرت معاویہؓ کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ شخص حضرت معاویہؓ کے پاس چارپائی پر بیٹھا ہے۔ تو اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو زندہ رکھے اس نے مجھے گویا زندہ کر دیا ہے۔ اور فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میرے بعد عنقریب امراء و حکام ہوں گے جو بات وہ کہیں گے ان کے جواب میں کوئی کلام نہیں کر سکے گا اور وہ امراء دوزخ میں اس طرح ڈالے جائیں گے جس طرح بندر ایک دوسرے کے پیچھے گرتے ہیں۔

تحقیق میں نے پہلے جمعہ میں کلام کیا لیکن کسی نے بھی میرے کلام کا جواب نہیں دیا تو میں نے خوف کھایا کہ کہیں میرا شمار بھی ان امراء میں نہ ہو۔ پھر میں نے دوسرے جمعہ کے روز اسی طرح کا کلام کیا تو پھر بھی میری بات کی کسی نے تردید نہیں کی۔ تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ کہیں میں ان حکام و امراء میں سے تو نہیں؟ پھر میں نے تیسرے جمعہ میں اسی طرح کا کلام کیا تو یہ شخص کھڑا ہوا اور اس نے میری بات کو رد کر دیا (اور صحیح مسئلہ بیان کیا)

اللہ تعالیٰ اس کو زندہ رکھے اس نے مجھے (دین کے معاملہ میں) زندہ کر دیا ہے۔ (اور میں اس وعید سے بچ گیا ہوں)

حق گوئی کا یہ واقعہ حضرت امیر معاویہؓ کے رو برو پیش آیا اس واقعہ کو محدثین مثلاً طبرانی اور ابو یعلی الموصلی وغیرھم نے ثقہ سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور حافظ نورالدین الہیثمی نے اسے مجمع الزوائد میں نقل کیا ہے اور ساتھ اس کی توثیق بھی درج کر دی ہے

نیز مشہور مورخین مثلاً ابن عساکر نے اپنی تاریخ بلدہ دمشق میں اور حافظ ذہبی نے اپنی تاریخ اسلام میں اور ابن حجر مکی نے تطہیر الجنان میں اپنی اپنی عبارات میں مفصل درج کیا ہے۔ جس سے حضرت امیر معاویہؓ کے روبرو حق بات کہنے کا مسئلہ واضح ہو گیا اور آزادی رائے کا پایا جانا بھی ثابت ہو گیا۔

حافظ ابن حجر المکی نے مزید لکھا ہے کہ اس واقعہ میں حضرت امیر معاویہؓ کی منقبت عظیم پائی گئی ہے کیونکہ اس میں حضرت معاویہؓ منفرد نظر آتے ہیں

(۴)

اس کے بعد ہم ایک اور واقعہ ذکر کرتے ہیں جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی انصاف پسندی اور حق بات کو تسلیم کرنا واضح طور پر پایا جاتا ہے ایک دفعہ طاعون سے فرار کے متعلق حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا مکالمہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہوا۔ حضرت عبادہؓ نے ارشاد فرمایا کہ طاعون سے فرار کر کے کہیں جانا شرعاً" ناجائز ہے پھر اس پر فرمان نبوی بیان کیا اور حضرت معاویہؓ کی اس معاملہ میں دوسری رائے تھی۔ حضرت معاویہ فرماتے تھے کہ جس مقام میں طاعون کی وبا پھیل جائے وہاں سے گریز کرنا اور چلا جانا جائز ہے۔ حضرت عبادہؓ نے اس مسئلہ میں حضرت معاویہؓ کا سخت خلاف کیا اور ان کو برملا ٹوک دیا۔

اس صورت میں حضرت معاویہؓ نماز عصر کے بعد منبر پر تشریف لائے اور بیان فرمایا کہ عبادہ بن صامت نے جو اس مسئلہ میں مجھے حدیث بیان کی ہے وہ درست ہے پس عبادہؓ سے دین کے مسائل میں اقتباس کیا کرو وہ مجھ سے زیادہ فقیہہ ہیں۔

عن یعلی بن شداد قال ذکر معاویۃ الفرار من الطاعون فذکر قصتہ لہ مع عبادۃ فقام معاویۃ عندالمنبر بعد صلاۃ العصر فقال الحدیث کما حدثنی عبادۃ فاقتبسوا منہ فھوا فقہ منی۔" ۱

اس واقعہ سے حضرت معاویہؓ کی حق پرستی اور انصاف پسندی واضح ہے۔

(۵)

اب اس مسئلہ پر ایک دیگر واقعہ اکابر علماء نے ذکر کیا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ابو مسلم الخولانیؒ نے حق و صداقت کا برملا اظہار کیا اور حضرت معاویہؓ نے اسے قلبی مسرت کے ساتھ قبول کیا۔

عن ابی مسلم الخولانی انہ نادی معاویۃ بن ابی سفیان وھو جالس علی منبر دمشق فقال یا معاویۃ انما انت قبر من القبور ان جئت بشئی کان لک شئی وان لم تجئی بشئی فلاشئی لک یا معاویۃ لا تحسبن الخلافۃ جمع المال و تفرقہ ولکن الخلافۃ العمل بالحق' والقول بالمعدلۃ و اخذ الناس فی ذات اللہ عز و جل۔ یا

۱ الاصابۃ (مع الاستیعاب) لابن حجر العسقلانی صفحہ ۲۶۰ / ج ۲ تحت عبادۃ بن الصامتؓ بن قیس

معاویۃ انا لانبالی بکدر الانہار ما صفت لنا راس عیننا وانک راس عیننا یا معاویۃ ایاک ان تحیف علی قبیلۃ من قبائل العرب فیذہب حیفک بعدلک فلما قضی ابو مسلم مقالتہ اقبل علیہ معاویۃ فقال: یرحمک اللہ"۔ ۳۳۴

مطلب یہ ہے کہ ایک مشہور تابعی راست گو بزرگ ابو مسلم خولانیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک بار حضرت معاویہؓ سے مخاطب ہو کر کہا۔ حضرت معاویہؓ اس وقت دمشق کے منبر پر تشریف فرما تھے۔ کہنے لگے اے معاویہؓ! آپ قبروں میں سے ایک قبر ہیں (یعنی آپ قبر میں پہنچنے والے ہیں) اگر آپ کوئی بہتر چیز لائیں گے تو آپ کو فائدہ ہو گا اور اگر کوئی بری چیز نہیں لائیں گے تو آپ کو کوئی نفع نہیں ہو گا۔ اے معاویہؓ! یہ گمان نہ کریں کہ مال جمع کرنا اور پھر اسے تقسیم کرنے کا نام "خلافت" ہے بلکہ خلافت تو حق بات پر عمل کرنا انصاف کی بات کہنے اور لوگوں کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے معاملہ کرنے کا نام ہے۔

اے معاویہؓ! جب تک کہ سرچشمہ صاف رہے ہمیں نہروں کے میلا اور گدلے ہونے کی پرواہ نہیں اور آپ ہمارے اصل چشمہ ہیں۔

اے معاویہؓ! آپ کو قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ پر ظلم کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ آپ کا ظلم آپ کے عدل کو ضائع کر دے گا۔

پس جب ابو مسلمؒ اپنے مقالے کو تمام کر چکے تو حضرت معاویہؓ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: (اس راست گوئی پر) اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت ہو۔

حاشیہ

قولہ ابو مسلم الخولانی

ابو مسلم خولانیؒ کا اسم گرامی عبد اللہ بن ثوب اور بقول بعض عبد بن ثوب ہے اور کنیت ابو مسلم ہے بلاد یمن کے خولان سے ہیں۔ بڑے بزرگ اور پایہ کے تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ راست گو طبع تھی ان کی حق گوئی اور صداقت پسندی کے متعدد واقعات دستیاب ہوتے ہیں

ہم اس مقام میں ان کی کرامت اور عظمت کے بعض واقعات ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے ان کی رفعت مقام واضح ہوتی ہے۔

۱ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصبہانی صفحہ ۱۲۶ / ج ۲ تحت (۱۶۸) ابی مسلم الخولانی

(۲) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصفہانی صفحہ ۱۲۵ / ج ۲ تحت ابی مسلم الخولانی

(۱) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں یمن کے علاقے میں ایک شخص "اسود عنسی" نے اپنی نبوت کا دعوی کیا۔ ابو مسلم ان ایام میں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے لیکن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری اور شرف زیارت کا موقع نصیب نہیں ہوا تھا اپنے علاقے میں ہی مقیم تھے۔

اسود عنسی نے اپنی نبوت کی تصدیق کی خاطر آپ کو بلوایا اسود کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے آپ سے کہا کہ "کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت و نبوت کی شہادت دیتے ہو تو آپ نے اثبات میں جواب دیا اس کے بعد اسود نے کہا کہ کیا تم میری نبوت کی شہادت دیتے ہو اور مجھے نبی تسلیم کرتے ہو تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں یہ بات سننا گوارا نہیں کرتا (اور اس چیز کو تسلیم نہیں کرتا)

اس کے بعد اسود عنسی نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ ایک آتش عظیم تیار کیا جائے اور اس میں ابو مسلم کو پھینک دیا جائے چنانچہ ابو مسلم کو ایک بڑے آتش کدہ میں ڈالا گیا مگر آگ نے آپ پر ذرہ برابر اثر نہیں کیا۔ اور آپ صحیح اور سلامت زندہ رہے۔

پھر اسود کو اس کے حاشیہ نشینوں نے مشورہ دیا کہ اگر خولانی کو اس شہر میں رہنے دیں گے تو آپ کے خلاف یہ فضا خراب کرے گا۔ تو اسود عنسی نے آپ کو شہر بدر کر دیا۔

اس کے بعد ابو مسلم الخولانی مدینہ طیبہ پہنچے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ مسند خلافت پر فائز ہو چکے تھے۔

- حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جب آپ حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں پہنچے ہیں تو حضرت فاروق اعظمؓ بھی مجلس میں موجود تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ابو مسلم کو اپنے اور حضرت عمر فاروقؓ کے درمیان بیٹھنے کے لئے جگہ عنایت فرمائی اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے ابو مسلم الخولانی کی پیشانی پر از راہ محبت و شفقت بوسہ دیا۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں امت محمدیہ کے ایسے شخص کو دیکھ لیا جس کے ساتھ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ والا معاملہ کیا گیا۔ (اور وہ محفوظ رہے) چنانچہ ابو نعیم اصفہانی ذکر کرتے ہیں کہ:

عن شرحبیل الخولانی قال بینا الاسود بن قیس بن ذی الحمار العنسی بالیمن، فارسل الی ابی مسلم فقال له: اتشهد ان محمدا صلی الله علیه وسلم رسول الله؟ قال نعم: قال فتشهد انی رسول الله قال ما اسمع قال فامر بنار عظیمة فاججت و طرح فیها ابو مسلم فلم تضره فقال له اهل مملکته ان ترکت هذا فی بلدک افسدها علیک فامره بالرحیل فقدم المدینة وقد قبض رسول الله صلی الله علیه وسلم واستخلف ابو

بکر.....الخ"۔ ۱

اور ابن کثیر نے اس واقعہ میں مزید یہ چیز ذکر کی ہے کہ :۔

ثم هاجر فوجد رسول الله صلی الله علیه وسلم قدمات' فقدم علی الصدق فاجلسه بینه و بین عمر۔ وقال له عمر۔ الحمد لله الذی لم یمتنی حتی اری فی امته محمد (صلی الله علیه وسلم) من فعل به کما فعل با براهیم الخلیل" و قبله بین عینیه"۔ ۲

اسی طرح ان کی دینی عظمت اور کرامت کا ایک دیگر واقعہ علماء کرام نے ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ ابو مسلم الخولانیؒ جب مسجد سے اپنے گھر کی طرف تشریف لاتے تو بلند آواز سے اپنے گھر کے پاس اللہ اکبر کہتے پھر ان کی اہلیہ جواباً" اسی طرح الفاظ تکبیر کہتی تھی۔

ایک رات آپ تشریف لائے اور گھر کے دروازہ کے پاس تکبیر کہی لیکن جواب میں گھر سے کسی کلمہ کی آواز نہیں سنائی دی آپ گھر میں داخل ہوئے اور صحن میں کھڑے ہو کر پھر تکبیر اور سلام کہا مگر پھر بھی کسی نے جواب نہیں دیا۔

گھر میں معمول یہ تھا کہ جب آپ گھر میں تشریف لاتے تو ان کی اہلیہ ازراہ خدمت آپ کی چادر وغیرہ اتار کر رکھ دیتی اور آپ کے جوتے درست کر دیتی پھر طعام لا کر سامنے رکھتی۔

لیکن اب جب گھر میں تشریف لائے تو گھر کے اندر چراغ روشن نہیں تھا اور آپ کی اہلیہ گھر میں مغموم حالت میں سرنگوں کئے ہوئے پریشانی کے عالم میں زمین کرید رہی تھی۔ آپ نے گھر میں داخل ہو کر صورت حالات سے متعلق اپنی اہلیہ سے دریافت فرمایا

قالت انت لک منزلته من معاویته ولیس لنا خادم لوسا لته فاخدمنا واعطاک فقال اللهم من افسد علی امراتی فاعم بصرها قال وقد جاء تها امراة قبل ذالک فقالت لها زوجک له منزلته من معاویته فلوقلت له یسال معاویته یخدمه و یعطیه عشتم قال فبینا تلک المراة جالسته فی بیتها اذا انکرت بصرها فقالت مالسرا جکم طفی؟ قالوا لا! فعرفت ذنبها فاقبلت الی ابی مسلم تبکی و تسئاله ان یدعو الله عزوجل لها ان یرد علیها بصرها قال فرحمها ابو مسلم فدعا الله لها فرد علیها بصرها۔' ۳

۱ حلیتہ الاولیاء لابی نعیم الاصبہانی صفحہ ۱۲۹ / ج ثانی تحت ابی مسلم الخولانی (۱۶۸)

۲ البدایہ لابن کثیر صفحہ ۱۴۶ / ج ۸ تحت فصل سمن ذکرانہ توفی ھذہ السنتہ (۶۰ھ)

۱ حلیتہ الاولیاء لابی نعیم الاصبہانی صفحہ ۱۳۰ / ج ۲ تحت (۱۶۸) ابو مسلم الخولانیؒ

(۲) کتاب مجابو الدعوۃ صفحہ ۱۲۳ / ۱۲۴ تحت دعا ابی مسلم اکولانی و فضلہ مصنفہ الامام الحافظ ابی بکر عبداللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا القرشیؒ (المتوفی ۲۸۲ھ)

یعنی اہلیہ نے عرض کیا کہ آپ کا حضرت امیر معاویہؓ کے ہاں ایک مقام ہے (یعنی آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے) اور ہمارے لئے گھر میں کام کاج کے لئے کوئی خادم نہیں اگر آپ حضرت امیر معاویہؓ سے طلب کرتے تو وہ ہمیں ایک خادم دیتے اور کچھ عطایا بھی عنایت فرماتے۔

یہ سن کر حضرت ابو مسلم الخولانی برہم ہوئے اور فرمایا۔ اے اللہ! جس نے میری بیوی کو فساد میں ڈالنے والی بات سکھلائی ہے اس کی بینائی ختم کر دے۔ اس سے قبل آپ کے گھر میں ایک خاتون آئی تھی اور اس نے آپ کی اہلیہ سے بطور مشورہ کہا تھا کہ آپ کے خاوند کا حضرت امیر معاویہؓ کے ہاں مقام احترام ہے اگر وہ حضرت امیر معاویہؓ سے خادم اور کچھ عطیہ طلب کریں تو وہ دے دیں گے۔ اور تمہاری معاشرتی حالت بہتر ہو جائے گی۔ تو وہ مشورہ دینے والی عورت ان کے گھر میں بھی بیٹھی ہوئی تھی کہ ناگہاں اس کی آنکھوں کی بینائی ختم ہو گئی اور وہ کہنے لگی تمہارے گھر کے چراغ کو کیا ہوا کیا چراغ بجھ گیا ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں چراغ تو روشن ہے تو اس پر عورت کو یقین ہو گیا کہ میری بینائی ابو مسلم کی بددعا سے ختم ہو گئی ہے۔

تو اس عورت نے رونا شروع کر دیا اور کہتی تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میری بینائی کے متعلق دعا کریں اس پر ابو مسلم الخولانی کو اس عورت پر رحم آگیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس عورت کے حق میں دعا فرمائی اور اس عورت کی بینائی بحال ہو گئی

حاصل کلام یہ ہے کہ اس واقعے سے یہ بات واضح ہوئی کہ ابو مسلم الخولانی کا حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ تعلق اور حسن سلوک قائم تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ ان کی قدر دانی کرتے تھے اور احترام کرتے تھے باوجودیکہ ابو مسلم خولانی حضرت معاویہؓ کے روبرو حق گوئی کرتے اور راست گوئی سے دریغ نہیں کرتے تھے نیز معلوم ہوا کہ ابو مسلم الخولانی کو اپنے گھر میں معاشرتی خوشحالی پسند نہیں تھی اور وہ طلب دنیا سے نفور تھے۔ جیسے کہ اہل اللہ کا طریقہ ہے

(٦)

سابقہ واقعات کی طرح ایک دیگر واقعہ ابو مسلم الخولانی کے نقد کرنے کا علماء نے ذکر کیا ہے اس میں بھی حق گوئی اور آزادی رائے کا مسئلہ واضح طور موجود ہے۔

عند عبداللہ بن عروۃ عن ابی مسلم الخولانی عن معاویۃ بن ابی سفیان انہ خطب الناس وقد حبس العطاء شہرین او ثلاثتہ فقال لہ ابو مسلم یا معاویۃ! ان ھذا المال لیس بمالک ولا مال ابیک ولا مال امک فاشار معاویۃ الی الناس ان

امکثوا و نزل فاغتسل ثم رجع فقال ایھا الناس ان ابا مسلم ذکر ان ھذا المال لیس بمالی ولا مال ابی ولا مال امی و صدق ابو مسلم انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الغضب من الشیطان۔ والشیطان من النار والماء یطفی النار فاذا غضب احدکم فلیغتسل۔ اغدوا علی عطایا کم علی برکتہ اللہ عزوجل۔" ۱

یعنی ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں لوگوں کے عطایا اور وظائف ادا کرنے میں دو یا تین ماہ کی (کسی وجہ سے) تاخیر ہو گئی حضرت معاویہؓ خطبہ دینے لگے اس اثنا میں جناب ابو مسلم الخولانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سخت کلامی کے ساتھ حضرت معاویہؓ کو (برملا ٹوک کر) کہا کہ یہ (بیت المال کا) مال نہ آپ کا ہے نہ آپ کے ماں باپ کی ملک ہے (بلکہ مسلمانوں کا حق ہے) (بتقاضائے بشریت) اس پر حضرت معاویہؓ کو ناراضگی ہوئی لیکن آپ نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ آپ یہیں ٹھہریں۔ پھر حضرت معاویہؓ اپنے مقام پر تشریف لے گئے وہاں غسل کیا اور پھر واپس تشریف لا کر حاضرین کو خطاب کیا کہ ابو مسلم خولانی نے درست کہا ہے کہ یہ مال نہ میرا ہے اور نہ میرے ماں باپ کا ہے۔ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ غضبناک ہونا شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آتش سے پیدا شدہ ہے اور پانی آتش کو فرو کر دیتا ہے پس جب ایسی صورت پیش آئے تو غسل کر لیا جائے

اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ آپ لوگوں کو عطایا و وظائف مل جائیں گے۔ کل صبح آ جانا۔

حاصل کلام

مختصر یہ ہے کہ معترض احباب نے حق گوئی کے مسلوب ہونے اور آزادی رائے کے خاتمے کے عنوانات کو بہت بنا سجا کر تحریر کیا ہے (جیسا کہ ابتداء عنوان میں عرض کیا گیا) ناظرین کرام کی خدمت میں ہم نے حدیث شریف اور تاریخ اسلام و تراجم سے اس دور کے صرف چند ایک واقعات بطور نمونہ پیش کر دیئے ہیں یہ صحابہ کرامؓ اور تابعین سے منقول

۱ مخطوطہ تاریخ بلدۃ دمشق لابن عساکر (قلمی عکس شدہ) صفحہ ۶۰ / ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہؓ

(۲) حلیتہ الاولیاء لابی نعیم الاصبہانی صفحہ ۱۳۰ / ج ۲ طبع مصر تحت (۱۶۸) ابا مسلم

ہیں اور برملا مجالس عامہ میں پیش آئے ہیں۔ اس نوع کے خدا جانے کتنے مواقع سامنے آئے ہوں گے؟

ان امور پر انصاف کے ساتھ نظر غائر فرمائیں کہ کیا حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں:۔

(۱) زبانوں پر قفل ڈال دیئے گئے تھے؟

(۲) کیا حق گوئی کا مسلوب کیا جانا اسی کا نام ہے؟

(۳) کیا آزادی رائے کا خاتمہ اسی طرح ہوتا ہے؟

(۴) کیا بیت المال کے مال کو صرف ذاتی مفاد کے لئے صرف کرنا اسی کو کہتے ہیں

خدارا انصاف فرمائیے اور جو حق چیز ثابت ہو اس کو تسلیم کیجئے۔

تاریخ میں ہر قسم کا رطب و یابس صحیح و غلط مواد موجود ہوتا ہے۔ اس فن کے قواعد و ضوابط کے تحت جو چیز صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دیانت کے شایان شان ہو اس کو اخذ کیا جاتا ہے اور جو چیز ان حضرات کے مقام و مرتبہ کے خلاف منقول ہو اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اکابرین امت کے نزدیک یہ بات مسلمات میں سے ہے۔

اب طعن کرنے والے دوستوں نے برعکس معاملہ کیا ہے جس مواد سے طعن فراہم ہو سکتے ہیں اس کو لے کر مطاعن تیار کر لئے ہیں اور جن امور سے صحابہ کرامؓ کی فوقیت قائم اور برات ثابت ہوتی ہے یا مطاعن سے دفاع ہو سکتا ہے ان کو نظرانداز کر کے عوام ناظرین کو غلط فہمی میں ڈال دیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون--- فیا حسرتاہ یہ طریق تحریر دیانت داری کے برخلاف ہے اور اہل اسلام کے ساتھ دھوکہ دہی کے مترادف ہے اور صحابہ کی جماعت کے ساتھ عناد پر دال ہے اور بہتر دور کو سیاہ دور قرار دینے کی سعی لا حاصل ہے۔ مالک کریم سب مسلمانوں کو ہدایت نصیب فرمائے اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ ""حسن ظن"" کی توفیق بخشے۔

بیت المال کے اموال کی بحث

معترض احباب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور سے متعلق جہاں دیگر اعتراضات بڑے عمدہ عنوانات کے ساتھ تحریر کئے ہیں وہاں "قانون کی بالاتری کے خاتمہ" کے تحت مال غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں یہ طعن بھی ثبت کیا ہے کہ اس میں کتاب و سنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی گئی پھر اس پر بطور دلیل کے جو حوالہ جات دیئے ہیں ان میں خاص طور پر مندرجہ ذیل واقعہ کو پیش نظر رکھا ہے۔

وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بصرہ کا حاکم زیاد تھا۔ اس نے خراسان کے علاقہ کی طرف الحکم بن عمروؓ کو اپنا نائب بنا کر بھیجا اور وہاں ان کے ذریعے خراسان کے علاقہ میں فتوحات کثیرہ ہوئیں اور بے شمار غنائم حاصل ہوئے۔ حکم بن عمروؓ نے اموال غنائم کو غانمین میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا۔

اسی دوران حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے زیاد کو ایک مکتوب موصول ہوا کہ "علاقہ خراسان" سے حاصل ہونے والے غنائم میں سے سونا چاندی اور عمدہ اموال ان کے لئے الگ نکال لئے جائیں اور باقی مال کو حسب قاعدہ شرعی تقسیم کر دیا جائے" معترض احباب نے یہ واقعہ کتب سے نقل کر کے طعن قائم کیا ہے کہ اموال غنائم کی تقسیم کا یہ طریق کار کتاب و سنت کی صریح خلاف ورزی ہے۔

الجواب

سب سے پہلے واقعہ ہذا کی سند پر مختصراً کلام کرنا مناسب سمجھا گیا ہے تاکہ اس واقعہ کی صحت یا عدم صحت کے متعلق فیصلہ کیا جا سکے اور ان روایات کے درجہ اعتماد کو جانچا جا سکے۔ اور ان کا محاسبہ کیا جائے۔

سند پر بحث

بعض کتابوں میں جو سند منقول ہے ان میں ایک راوی ھشام بن حسان القردوسی ہے جو حسن البصری سے روایت کرتا ہے۔

اور ھشام القردوسی کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ یہ شخص حسن البصری سے بیشتر روایات مرسل نقل کرتا ہے اور درمیان کا راوی یا رواۃ کو ساقط کر دیتا ہے۔ اور معلوم نہیں ہو سکتا کہ درمیان کا راوی کیسا شخص ہے؟ ثقہ ہے یا غیر ثقہ؟ کس ذہنیت کا حامل

ہے؟ اور علماء فرماتے ہیں کہ ہشام بن حسان کی جو روایت حسن سے ہے اس کو محدثین کی درجہ اعتماد میں شمار نہیں کرتے۔

حدثنا عبدالرحمن نا ابی قال سمعت ابا بکر ابن ابی شیبتہ یقول سمعت اسماعیل ابن علیتہ یقول کنا لا نعلھشام بن حسان فی الحسن شیا" ۔ ۱

اسی طرح حسن البصری کے معروف شاگرد جریر بن حازم کہتے ہیں کہ میں حسن البصری کے ساتھ سات سال رہا ہوں میں نے ہشام بن حسان کو آپؒ کے پاس بالکل کبھی نہیں دیکھا۔

جریر بن حازم فقال قاعدت الحسن سبع سنین ما رایت ھشاما عندہ قط فقلت یا ابا النضر فلحد ثنا عن الحسن با شیاء فمن تراہ اخذہ؟ قال اراہ اخذ عن حوشب" ۔ ۲

موجب اعتراض روایت اس قسم کے رواۃ سے مروی ہے۔ جو اپنے مروی عنہ کو نہیں ذکر کرتے بلکہ اپنے شیخ کو گرا کر اوپر کے راوی کی طرف نسبت کر دیتے ہیں۔ اور اس مقام کی دوسری روایات اس حیثیت کی ہیں کہ ان میں اتصال نہیں بلکہ انقطاع پایا جاتا ہے اور اخباری لوگ اس کے ناقل ہیں جو ہر رطب و یابس کو فراہم کرنے والے ہوتے ہیں۔

فلھذا ایسی روایات کی بنا پر ایک مقتدر صحابیؓ پر طعن قائم کرنا اور ان کی شان دیانت کو مجروح کرنا ہرگز درست نہیں۔

چند دیگر امور

اب اس کے بعد اس واقعہ کے متعلق چند دیگر امور ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ واقعہ ہذا کی متعلقہ روایات پر نظر کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسئلہ ہذا میں ان حضرات کا اس دور میں رائے کا اختلاف پایا گیا جس کو فکر و نظر کا اختلاف کہنا بجا ہے حضرت امیر معاویہؓ کی رائے جو انہوں نے زیاد کی معرفت ارسال کی وہ یہ تھی کہ اس موقعہ کے غنائم سے سیم و زر اور عمدہ اموال مرکزی بیت المال میں جمع کرانے چاہئیں۔ جب کہ الحکم

۱ کتاب الجرح والتعدیل للرازی صفحہ ۵۶ / ج ۴ قسم ثانی تحت ھشام بن حسان القردوسی

۱ میزان الاعتدال للذھبیؒ ص ۲۹۶ / ج ۴ تحت ھشام بن حسان القردوسی

(۲) تہذیب التہذیب صفحہ ۳۵ / ج ۱۱ تحت ہشام بن حسان القردوسی

بن عمروؓ کی رائے تھی کہ ان غنائم کی تقسیم بر موقع ہو جانی چاہئے۔ فلہذا انہوں نے اپنی فکر کے مطابق مرکز کی رائے کو تسلیم نہ کرتے ہوئے حسب قاعدہ غنائم کے مال کو موقعہ پر ہی تقسیم کر دیا۔

اندریں حالات اگر دونوں حضرات کی آراء کو اپنی اپنی جگہ درست تسلیم کر لیا جائے تو کسی قسم کا اشکال پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ نیز یہاں معترضین کا یہ طعن کہ حضرت امیر معاویہؓ اپنی ذات کے لئے سیم و زر اور عمدہ مال جمع کرنا چاہتے تھے درست نہیں۔ مورخین نے تصریح کر دی ہے کہ جو حکم حضرت امیر معاویہؓ نے جمع مال کے لئے زیاد کو تحریر کیا تھا اس میں الفاظ یہ ہیں کہ:۔

یجمع کلہ من ھذہ الغنیمتہ لبیت المال..... الخ [۱]

اور ایک دوسرے مقام پر حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:۔

ان یصطفی من الغنیمتہ لمعاویتہ ما فیھا من الذھب والفضتہ لبیت مالہ..... الخ [۲]

یعنی اس نوع کی تعبیرات کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیت المال کے لئے یہ اموال مرکز میں جمع کرانا چاہتے تھے۔ اور خاص طور پر اپنی ذات کے لئے یہ حکم ارسال نہیں کیا تھا۔ ان عبارات سے خواہ مخواہ یہ مطلب اخذ کرنا کہ انہوں نے اپنی ذات کے لئے یہ مال الگ کرانا چاہا تھا ہرگز درست نہیں۔

ان روایات کا یہ محمل جو ہم نے ذکر کیا ہے صحابہ کرامؓ کی شان دیانت کے مطابق یہی ہے اور اسی طرح علمائے کرام فرمایا کرتے ہیں۔

زمانہ قریب کے ایک بہترین مورخ اور عمدہ سیرت نگار عالم (علامہ شبلی نعمانیؒ) نے بھی تقسیم مال کے مسئلہ میں حضرت امیر معاویہؓ سے دفاع کرتے ہوئے تیسرا جواب یہی تحریر کیا ہے کہ:۔

ثالثاً۔ انہ لیس فی ھذہ العبارۃ ما یستدل بہ علی استیثار معاویتہ المال لنفسہ فان مرادہ ان العمال لیس لھم تقسیم الفئی بل الامر موکول الی الخلیفتہ فعلی العامل ان یجمع الاموال و یرسلھا الی الخلیفتہ و للخلیفتہ ان یضعھا موضعھا۔" [۳]

۱۔ البدایتہ والنہایتہ لابن کثیر صفحہ ۲۹ / ج ۸ تحت سنہ ۴۵ھ

۲۔ البدایتہ والنہایتہ لابن کثیر صفحہ ۴۷ / ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ

۳۔ الانتقاد علی تمدن اسلامی از مولانا شبلی نعمانی صفحہ ۳۳ تحت جواب الثالث طبع قدیم

مطلب یہ ہے کہ اس عبارت سے یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اپنی ذات کے لئے جمع اموال کو ترجیح دینا اور ان پر اپنی دسترس قائم کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ تقسیم اموال فئی (وغیرہ) کا معاملہ عمال کی طرف مفوض نہیں لیکن یہ معاملہ خلیفۃ المسلمین کے سپرد ہے۔ عاملین کے ذمہ یہ ہے کہ وہ اموال کو جمع اور فراہم کریں اور خلیفہ وقت کے ہاں ارسال کر دیں۔ پھر خلیفہ المسلمین اموال کو ان کے مواقع میں صرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

اموال غنیمت کے مسائل بھی یہی حکم رکھتے ہیں کہ شرعی حدود کے تحت خلیفہ وقت کی ہدایت کے مطابق ان میں عمل درآمد کیا جائے۔ عمال و حکام خلیفہ اسلام کے فرمان سے بے نیاز ہو کر اموال کے صرف کرنے اور تقسیم کرنے کے مجاز نہیں۔

۳۔ ایک آزمائشی مکالمہ

واقعہ ہذا کے متعلق ابن عساکر نے ایک دیگر روایت ذکر کی ہے جس میں اس واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حاضرین سے آزمائشی طور پر کلام کیا تھا۔

بعض اوقات حضرت امیر معاویہؓ حاضرین سے بطور سوال و جواب مکالمہ فرمایا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر "حق گوئی اور آزادی رائے" کے عنوان کے تحت بھی اسی قسم کا ایک مکالمہ پایا جاتا ہے (جیسا کہ قبل ازیں تحریر کر دیا ہے) جس میں آپ نے فرمایا " **والمال مالنا والفئی فیئنا** اس پر حاضرین میں سے ایک شخص کا بروقت جواب دینا مذکور ہے۔

اس مقام بھی حضرت امیر معاویہؓ نے آزمائشی طور پر حاضرین سے کلام کیا اس مکالمہ کو ابن عساکر نے اپنی تاریخ بلدہ دمشق میں مفصل ذکر کیا ہے۔ ایک مشہور راوی قتادہؒ نقل کرتے ہیں کہ جب الحکم بن عمروؓ کا جوابی مراسلہ زیاد کی طرف پہنچا تو زیاد نے اس مراسلہ اور اپنی طرف سے ایک مکتوب کو یکجا کر کے حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں ارسال کر دیا۔ اور جب یہ مکتوب حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں موصول ہوا تو آپؓ لوگوں کے سامنے تشریف لائے اور زیاد کے مکتوب کی خبر دی اور الحکم بن عمروؓ کے رد عمل کو بیان کیا (حکم بن عمروؓ نے مرکز کی طرف سے موصولہ ہدایات کے برخلاف اموال غنائم سے خمس علیحدہ کر کے باقی اموال غانمین میں برموقعہ تقسیم کر دیئے تھے)

حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ اپنی اپنی رائے کا اظہار کریں۔ اس پر بعض لوگوں نے یہ رائے دی کہ الحکم بن عمروؓ اس خلاف ورزی پر صلیب پر چڑھائے جانے کے قابل ہیں۔

بعض نے یہ رائے دی کہ انؓ کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جانے چاہیں اور بعض نے یہ رائے دی کہ جتنا مال انہوں نے وہاں تقسیم کیا ہے اس کی ضمان اور تاوان ان سے وصول کیا جائے۔

ان آراء کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے کلام فرمایا کہ تم لوگ برے وزراء ہو تم سے تو فرعون کے رائے دہندگان بھی بہتر تھے۔ کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں ایسے شخص کی طرف سزا کا قصد کروں اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں جس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو میرے مکتوب پر ترجیح دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو میرے طریقے سے مقدم رکھا ہے۔

اس شخص نے بڑا اچھا اور عمدہ کردار ادا کیا ہے اور درست کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت امیر معاویہؓ کے عمدہ مناقب اور بہترین محامد میں شمار کیا جاتا ہے۔

عن سعید بن ابی عروبۃ عن قتادۃ قال لما انتھی کتاب الحکم بن عمروؓ الی زیاد کتب بذالک الی معاویۃ و جعل کتاب الحکم فی جوف کتابہ فلما قدم الکتاب علی معاویۃ خرج الی الناس فاخبرھم بکتاب زیاد و صنیع الحکم فقال ما ترون؟ فقال بعضھم اری ان تصلبہ و قال بعضھم اری تقطع یدیہ ورجلیہ و قال بعضھم اری ان تغرمہ المال الذی اعطا۔ فقال معاویۃ بئس الوزراء انتم ! ! لوزراء فرعون کا نوا خیرا منکم۔ اتا مرونی ان اعمدالی رجل اثر کتاب اللہ تعالی علی کتابی و سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سنتی فاقطع یدیہ ورجلیہ؟ بل احسن و اجملہ ۳۴۳ و اصاب فکانت ھذہ مما تعد من مناقب معاویۃ" ؎ ۱

حضرت معاویہؓ رضی اللہ عنہ نے الحکم بن عمرو کے کردار و عمل کی قدردانی فرمائی اور اس کو درست قرار دیا۔ اور علمائے امت اس چیز کو محامد و محاسن حضرت معاویہؓ میں شمار کرتے ہیں۔

فلہذا اس واقعہ سے کتاب و سنت کے صریح احکام کے خلاف ورزی کا مستنبط کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ اور معترض احباب کے اس واقعہ کے متعلق معلومات خاصے کمزور پائے جاتے ہیں ورنہ اس موقعہ کی تمام مرویات پر نظر کرنے کے بعد کوئی بات محل اعتراض اور جائے طعن نہیں ہے۔

؎ ۱ تاریخ بلدہ دمشق لابن عساکر (مخطوطہ عکس شدہ) ص ۵۲۔ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیانؓ

حاشیہ: بعض روایات میں اس موقعہ پر یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ الحکم بن عمروؓ کو مرکز کے حکم کی خلاف ورزی پر قید میں ڈال دیا گیا اور ان پر کئی قسم کے تشدد کئے گئے حتیٰ کہ وہ قید ہی میں فوت ہو گئے۔

یہ سب چیزیں راویون کی طرف سے روایت میں تجاوزات ہیں اور داستان کو دردناک بنانے کے لئے اضافہ کی گئی ہیں اور یہ ہرگز درست نہیں۔ جیسا کہ ابن عساکر کے بیان کردہ مندرجہ بالا واقعہ نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے۔ یہی درست ہے اور الحکم بن عمروؓ موصوف کی وفات طبعی طور پر خراسان میں ہوئی تھی۔ (منہ)

بصورت دیگر

یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ تقسیم مال کے مسئلہ میں عوام الناس کے ساتھ درست معاملہ رکھتے تھے اور مال کو شرعی قواعد کے مطابق تقسیم فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ اس سے متعلق ایک دیگر واقعہ تحریر کیا ہے اور علامہ ذھبی اور ابن تیمیہ نے اس واقعہ کو اپنی اپنی عبارات میں نقل کیا ہے۔ ہم قبل ازیں کتاب اقربا نوازی ص ۱۶۱ تحت اسلامی خزانہ امیر معاویہؓ کے دور میں ذکر کر چکے ہیں لیکن اب ابن عساکر سے بھی نقل کیا جاتا ہے۔

عطیہ بن قیس کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہؓ کو میں نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا آپ کہہ رہے تھے کہ اے لوگو! تمہیں عطیات دینے کے بعد تمہارے بیت المال میں جو مال باقی ماندہ موجود ہے اس کو میں تمہارے درمیان تقسیم کر دوں گا اور اگر آئندہ سال بھی زیادہ مال پہنچ گیا تو وہ بھی تم لوگوں میں تقسیم کر دیں گے اور اگر یہ صورت نہ پائی گئی تو ہم پر کوئی الزام نہ ہو گا۔ یقیناً بیت المال کا مال میرا مال نہیں ہے بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کا مال ہے جو اس نے تمہاری طرف لوٹا دیا ہے۔

عن عطیہ بن قیس قال خطبنا معاویہ فقال ان فی بیت مالکم فضلا عن عطائکم وانا قاسم بینکم ذالک فان کان فیہ قابلا فضلا قسمتہ علیکم والا فلا عتیبتہ علی فانہ لیس مالی وانما ھو فی اللہ الذی افا علیکم۔"[۱، ۲، ۳]

۱ تاریخ بلدۃ دمشق لابن عساکر مخطوطہ عکس شدہ صفحہ ۴۲۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان

(۲) منہاج السنتہ لابن تیمیتہ صفحہ ۱۸۵ / ج ۳ تحت السبب السابع

(۳) المنتقی للذہبیؒ صفحہ ۳۸۸ تحت ثناء الائمتہ علی معاویتہ

اس واقعہ سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تقسیم مال کے متعلق طریق کار واضح ہو گیا اور ان کا بیت المال کے حق میں نظریہ بھی سامنے آ گیا کہ وہ ان اموال کو اللہ اور مسلمانوں کا مال تصور کرتے تھے۔

اور اموال کو اسلامی قواعد کے خلاف نہیں استعمال کرتے تھے۔ ان مسائل میں شرعی احکام کی صریح خلاف ورزی کا پروپیگنڈا اور بیت المال میں ناروا تصرف کے الزامات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بالکل غلط بیانی پر مبنی ہیں اور اس دور کے واقعات کے برعکس ہیں۔

شرعی احکام کی رعایت

مسئلہ مذکورہ کے متعلق یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دین کے معاملات میں شرعی قواعد کی پوری رعایت رکھتے تھے اور اس پر عمل درآمد کی دیگر اہل اسلام کو تلقین فرمایا کرتے تھے اس سلسلہ میں آپؓ کے کئی خطبات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک خطبہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے جس کو اکابر مورخین اور محدثین نے اپنی تصانیف میں اپنی اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

چنانچہ عبداللہ بن نجی ابو عامر الھوزنی کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں حج ادا کیا۔ آپ جب مکہ مکرمہ میں تشریف لائے۔ آپؓ کو اطلاع ملی کہ ایک شخص قاص (قصہ گو) ہے جو لوگوں کے سامنے عجیب اشیاء بیان کرتا ہے۔ تو حضرت امیر معاویہؓ نے اسے بلا بھیجا۔ جب وہ شخص آیا تو آپؓ نے فرمایا کہ تجھے اس بات کی کس نے اجازت دی ہے؟ تو اس نے کہا کہ مجھے کسی نے حکم نہیں دیا۔ پھر آپؓ نے فرمایا کہ پھر تو یہ کام کس لئے کرتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ ایک علم (اخباری روایات) ہے جس کو ہم پھیلاتے ہیں۔ تو اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ "اگر پہلے میں نے تجھے منع کیا ہوتا تو اب میں تجھے سزا دیتا۔ اب تو یہاں سے چلا جا اور اس کے بعد تیرے متعلق یہ شکایت سننے میں نہ آئے۔ اس کے بعد جب ظہر کا وقت ہوا آپ نماز کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دیا۔

حدثنی عبداللہ بن نجی ابو عامر الھوزنی قال حججت مع معاویۃ فلما قدم مکۃ اخبران بھا قاصا یحدث با شیاء تنکر فارسل الیہ معاویہ فقال امرت بھذا؟ قال لا۔ قال فما حملک علیہ؟ قال علم ننشرہ فقال لہ معاویۃ لو کنت تقدمت الیک لفعلت بک انطلق فلا اسمع انک حدثت شیئا۔ فلما صلی الظھر قعد علی المنبر فحمد اللہ و

اثنی علیہ ثم قال یا معشر العرب واللہ لئن لم تقوموا بما جاء بہ نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم فغیر کم من الناس احری ان لا یقوم بہ الا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام فینا یوما فقال ان من کان قبلکم و اھل الکتاب افترقوا علی ثنتین و سبعین ملتہ یعنی الاھواء وان ھذہ الامتہ ستفترق علی ثلاث و سبعین ملتہ یعنی الاھواء اثنتین و سبعین فی النار و واحدۃ فی الجنتہ وھی الجماعتہ۔ فاعتصموا بھا فاعتصموا بھا۔[۱]

اور یعقوب البسوی نے عبارت ذیل نقل کیا ہے

انہ سیخرج فی امتی اقوام تتجاری بھم تلک الاھواء کما یتجاری الکلب بصاحبہ فلا یبقی منہ عرق ولا مفصل الا دخلہ

واللہ یا معشر العرب لئن لم تقوموا بما جاء محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بغیر کم من الناس احری ان لا یقوم بہ۔"[۲]

اس خطبہ کا اجمالی مضمون اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

اے جماعت عرب! اللہ کی قسم اگر آپ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو قائم نہیں کریں گے تو باقی اقوام بطریق اولیٰ اس دین کو قائم نہیں کریں گی۔ (فلہذا تمہارے لئے دین کا قائم کرنا بہت ضروری ہے۔)

اور آپؓ نے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اور اہل کتاب بہتر طبقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور اس امت میں تہتر فرقے ہوں گے۔ وہ سب دوزخ میں جائیں گے مگر ایک جماعت جنت میں جائے گی۔ اور وہ اہل اسلام کی بڑی جماعت ہوگی۔ پس تم لوگ مضبوطی سے جماعت کے ساتھ رہو۔"

اور بعض روایات میں یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ اس امت میں کئی لوگ صاحب اھواء یعنی خواہش پرست پیدا ہوں گے اور نفسانی خواہشات ان کی رگ و پے میں سمائی ہوں گی۔ ان لوگوں سے تم کو اجتناب اور اعراض کرنا اور دین نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم رہنا ہو گا۔

۱ کتاب السنتہ لمحمد بن نصر المروزی (المتوفی سنہ ۲۹۴ھ) صفحہ ۱۴، ۱۵ مطبوعہ ریاض

۲ کتاب المعرفتہ والتاریخ یعقوب البسوی ۳۳۱، ۳۳۲، ج ۲ تحت ابی عامر عبداللہ بن لحی الھوزنی

مندرجہ بالا خطبہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کرنے اور دین اسلام پر قائم رہنے کی اہل اسلام کو تلقین فرمایا کرتے تھے۔

فلہذا وہ دین کے مسائل اور احکام شرعی کا برخلاف کرنا کیسے پسند کر سکتے تھے؟ وہ شخص جو دین اسلام پر عمل پیرا ہونے کی دوسروں کو تلقین کرتا ہے اگر وہ خود شرعی احکام کا پابند نہ ہو تو اس کی ترغیب و تلقین کیسے موثر ہو سکتی ہے؟ اور اس پر کیا ثمرہ مرتب ہو سکتا ہے؟

اسی چیز کی تائید میں بعض اکابر مورخین کا قول ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

چنانچہ ابن عساکر تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ومعاویۃ ومن کان فی عصرہ بالشام من الصحابۃ والتابعین اتقی للہ و اشد محافظۃ علی اداء فرائضہ و افقہ فی دینہ" [1]

یعنی اکابر علماء فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے ہم عصر جو صحابہ کرامؓ اور اکابر تابعین ملک شام میں موجود تھے وہ اللہ تعالیٰ سے بہت خائف اور متقی تھے۔ اور فرائض کی ادائیگی پر بہت محافظت اور پابندی کرنے والے تھے۔ دین کے معاملات میں نہایت فقیہ تھے اور ان سے یہ معاملات مخفی نہیں تھے۔

ایک تائید

گزارشات بالا کے بعد نیز یہ چیز قابل غور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان ایام میں جن میں یہ واقعات پیش آئے اکابر صحابہ کرامؓ کی ایک خاصی تعداد موجود تھی۔ مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرؓ، المسور بن مخرمہ اور زید بن ثابت السائب بن یزید حضرت عقیل بن ابی طالب حضرت حسین بن علی اور ابو ھریرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ وغیرھم رضی اللہ تعالیٰ عنھم ان حضرات میں سے کسی بزرگ نے ان اموال کی تقسیم کے معاملہ میں کوئی اعتراض نہیں کھڑا کیا۔ حالانکہ یہ حضرات خلاف شرع معاملہ پائے جانے پر خاموشی اختیار کرنے والے نہیں تھے اور شرعی قواعد کی صریح خلاف ورزی کی تائید کرنے والے نہیں

[1] تاریخ بلدہ دمشق کامل لابن عساکر صفحہ ۳۵۱ / ج اول (طبع اول دمشق) تحت باب ماورد فی ذم اھل الشام، بیان بطلانہ عند ذوی الافھام

تھے۔ اور اس پر مستزاد یہ بات ہے کہ بیت المال سے اس دور میں ان تمام حضرات کو درجہ بدرجہ وظائف اور عطایا جاری ہوتے تھے اور بیت المال کے اموال میں اگر شرعی احکام کی صریح خلاف ورزی پائی گئی تھی تو ان حضرات نے اعتراض کیوں نہیں کیا؟ اور وہاں سے اموال حاصل کرنے سے اجتناب کیوں نہیں کیا؟

و تعاونوا علی البر و التقوی اور ولا تعانوا علی الاثم والعدوان واتقوالله (القرآن)

کتاب و سنت کے اس نوع کے فرامین کیا ان کے پیش نظر نہیں تھے؟ اور یہ حضرات ان پر عمل پیرا نہیں ہوتے تھے؟

اس معاملہ میں ان حضرات کا تعامل ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں صفائی پیش کرنے اور دفاع کرنے کے لئے کافی وافی ہے

اموال کے متعلق حضرت امیر معاویہؓ کی وصیت

سیرت نگار علماء اور مورخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری ایام کے متعلق تحریر کیا ہے کہ جب آپؓ کے آخری اوقات آ گئے تو آپؓ نے جہاں دیگر وصایا فرمائیں ان میں ایک وصیت یہ بھی فرمائی کہ میری مالی جائیداد میں سے نصف مال لے کر بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔

مقصد یہ تھا کہ اگر مال کے معاملہ میں جو فروگزاشتیں ہوئی ہوں ان کا مداوا ہو جائے اور باقی مال صاف ہو سکے۔ اور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح معاملہ فرمایا تھا۔ چنانچہ علامہ البلاذری نے تحریر کیا ہے کہ :۔

ان معاویۃ اوصی بنصف مالہ ان یرد الی بیت المال کانہ اراد ان یطیب لہ الباقی لان عمر قاسم عمالہ" [1]

حاصل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے بیت المال کے اموال کے سلسلہ میں حتی المقدور قواعد شرعی کا لحاظ رکھا اور دینی احکام کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کی حتی کہ آخری وصایا میں بھی بیت المال کے متعلق اپنے ذاتی اموال سے نصف مال داخل بیت المال کرنے کی وصیت فرمائی۔

1 کتاب انساب الاشراف بلاذری صفحہ ۲۲، ۱۳۱ تحت معاویہ بن ابی سفیانؓ

لہذا معترض احباب نے جو حضرت امیر معاویہؓ پر اموال کے معاملہ میں کتاب و سنت کے احکام کی صریح خلاف ورزی کا طعن ذکر کیا ہے وہ درست نہیں اور اس دور کے واقعات اس بات کے خلاف پائے جاتے ہیں۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن اس اعتراض سے ملوث نظر نہیں آتا۔ اور قانون کی بالاتری کے خاتمے کا اعتراض سراسر بے جا معلوم ہوتا ہے۔

توریث مسلم و کافر کا مسئلہ

معترض احباب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ طعن بھی قائم کیا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہؓ کے عہد میں مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا تھا لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے دور میں "مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث نہیں قرار دیا
یہ سنت طریقہ کے برخلاف بدعت تھی۔ اس کو عمرو بن عبدالعزیزؒ نے آکر موقوف کیا۔

الجواب

ناظرین کرام اس بات کو یاد رکھیں کہ توریث مذکورہ کا مسئلہ صحابہ کرامؓ میں مختلف فیہ ہے پھر تابعین اور تبع تابعین میں مختلف فیہ رہا۔ اور پھر اکابر فقہاء میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

پہلے ہم اس اختلاف کی نوعیت ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں اس کے بعد اس کے متعلقہ دیگر امور ذکر کریں گے (انشاء اللہ تعالیٰ)

اس تمام بحث پر نظر کر لینے کے بعد اس مسئلہ کے نشیب و فراز سامنے آجائیں گے اور معترضین کے اس اعتراض کی خفت اور سبکی کے ساتھ ساتھ اس کا بے محل ہونا بھی واضح ہو جائے گا۔

عموماً" صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاں یہ مسئلہ اس طرح تھا کہ :۔ **لا یرث المسلم کافرا ولا الکافر مسلما**

یعنی مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے۔ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت امیر معاویہؓ فرماتے تھے کہ **یرث المسلم من الکافر من غیر عکس**

اور اس کی دلیل ان حضرات کی طرف سے علماء نے جو لکھی ہے وہ المسند امام احمدؒ اور المصنف ابن ابی شیبہ میں باسند مذکور ہے۔

عن یحیی بن یعمر عن ابی الاسود الدیلی قال کان معاذ بالیمن فارتفعوا الیہ فی یہودی مات و ترک اخا مسلما فقال معاذ انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ان الاسلام یزید ولا ینقص۔ فورثہ۔" [۱]

یعنی ابو الاسود الدیلی کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ یمن میں تھے وہاں ایک یہودی مر گیا جس کا بھائی مسلمان ہو چکا تھا لوگوں نے حضرت معاذؓ کی خدمت میں اس کی توریث کا معاملہ پیش کیا تو حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے کہ اسلام بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے کم نہیں ہوتا۔ پس آپؓ نے مسلمان بھائی کو یہود کا وارث قرار دیا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق عبداللہ بن معقل مشہور تابعی نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی قضاء کے بعد میں نے کوئی بہترین قضا اور عجیب فیصلہ نہیں دیکھا جس طرح حضرت معاویہؓ نے اہل کتاب کے حق میں قضاء (فیصلہ) کیا تھا۔ وہ اس طرح تھا کہ حضرت معاویہؓ فرماتے تھے کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہوں گے مگر اہل کتاب ہمارے وارث نہیں ہوں گے۔ جس طرح کہ ہمیں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز اور حلال ہے مگر ان کے لئے ہماری عورتوں سے نکاح کرنا حلال نہیں۔

حدثنا وکیع قال ثنا اسماعیل بن ابی خالد عن الشعبی عن عبداللہ بن معقل قال ما رایت قضاء بعد قضا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن من قضاء قضی بہ معاویۃ فی اہل الکتاب۔ قال نرثہم ولا یرثوننا کما یحل لنا النکاح فیہم ولا یحل لہم النکاح فینا۔" [۲]

اور سعید بن منصور نے اس مسئلہ کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے :۔

سعید قال نا ھشیم قال انا اسماعیل بن ابی خالد عن الشعبی قال لما قضی معاویۃ بما قضی بہ من ذالک فقال عبداللہ بن معقل ما احدث فی الاسلام قضا بعد قضاء

۱ المسند للامام احمد صفحہ ۲۳۰ / ج ۵، صفحہ ۲۳۶ / ج ۵ تحت حدیث معاذ بن جبلؓ

(۲) المصنف لابن ابی شیبۃ صفحہ ۳۷۴ / ج ۱۱ روایت نمبر ۱۱۴۹۶ تحت کتاب الفرائض طبع کراچی

(۳) البدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ صفحہ ۱۰۳ / ج ۵ تحت بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الامراء الی الیمن

۲ المصنف لابن ابی شیبۃ صفحہ ۳۷۴ / ج ۱۱ روایت نمبر ۱۱۴۹۷ تحت کتاب الفرائض طبع کراچی

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هو اعجب الی من قضا معاویۃ انا نرثهم ولا یرثونا کما ان النکاح یحل لنا فیهم (اهل الکتاب) ولا یحل لهم فینا۔" [۱]

دیگر تائید

ایک مشہور تابعی مسروق ہیں ان سے شعبی نقل کرتے ہیں کہ مسروق نے فرمایا:۔
عن الشعبی عن مسروق قال کان معاویۃ یورث المسلم من الکافر ولا یورث الکافر من المسلم قال قال مسروق (بن الاجدع) وما حدث فی الاسلام قضا احب الی منه" [۲]

یہ حضرات (عبداللہ بن معقل اور مسروق بن الاجدع) تابعین اور تبع تابعین میں سے مشاہیر لوگوں میں سے ہیں انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے اس فیصلے کو احسن و اعجب قرار دیا ہے۔ لیکن اس کو بدعت نہیں قرار دیا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے دلائل میں علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضراتؓ فرماتے تھے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ الاسلام یعلوا ولا یعلی نیز یہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی بیان فرماتے تھے کہ الاسلام یزید ولا ینقص جیساکہ پہلے ذکر ہوا ہے ان فرامین نبوی صلعم کی روشنی میں ان حضراتؓ کا یہ فیصلہ تھا کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے لیکن کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کا واقعہ جو ایک یہودی کی موت پر پیش آیا تھا پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے۔
اس مقام کی مزید معلومات اور وضاحت مطلوب ہو تو مندرجہ ذیل مقامات کی طرف رجوع کریں:۔

۱۔ المبسوط ص ۳۰ ج ۳۰ باب مواریث اهل الکفر

۲۔ فتح الباری ص ۴۱ ج ۱۲ باب لا یرث المسلم الکافر .... الخ

۳۔ العینی شرح بخاری شریف ص ۲۶۰ ج ۲۳ کتاب الفرائض باب لا یرث المسلم .... الخ

---

۱ کتاب السنن لسعید بن منصور صفحہ ۴۵ / ج ۳ ق اول تحت باب لا تیوارث اہل الملتین (القسم الاول)

۱ المسند للدارمی صفحہ ۳۹۷ باب فی میراث اہل الشرک واہل الاسلام مطبوعہ کان پور۔ قدیم

(۲) السنن لسعید بن منصور صفحہ ۴۴ / ج ۳ قسم اول

اس مقام کی قلیل سی وضاحت ذیل میں اکابر علماء کی عبارات سے پیش کی جاتی ہے۔
اکابر محدثین اور فقہاء نے یہ چیز ذکر کی ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت معاویہؓ کے قول کے موافق مندرجہ ذیل علماء نے قول کیا ہے :۔

۱۔ **و قول معاذ بن جبل و معاویۃ بن ابی سفیان و بہ اخذ مسروق والحسن و محمد بن الحنفیۃ و محمد بن علی بن الحسین۔"** [1]

۲۔ **وبہ قال مسروق و سعید بن المسیب و ابراہیم النخعی و اسحق۔** [2]

۳۔ **ذہب معاذ بن جبلؓ و معاویۃؓ و الحسن و محمد بن الحنفیہ و محمد بن علی بن حسین و مسروق الی ارثہ اخذا من حدیث الاسلام یعلوا ولا یعلی اخرجہ الطبرانی فی الاوسط والبیہقی دلائل کذا ذکرہ الحافظ فی الدرایۃ۔** [3]

ان ہر سہ حوالہ جات کا حاصل یہ ہے کہ مسئلہ ہذا میں حضرت امیر معاویہؓ متفرد نہیں ہیں بلکہ دیگر بعض صحابہ کرامؓ اور تابعین اور تبع تابعین اور مشہور ہاشمی حضرات کا اس مسئلہ میں یہی قول ہے۔ اسی طرح ابن عبدالبر نے کتاب التمہید ص ۱۶۳ جلد نہم طبع جدید میں تحت اول حدیث لابن شہاب عن علی بن الحسین یہ مسئلہ مندرجہ تفصیل کے موافق نقل کیا ہے۔

فلہذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ میں متفرد نہیں کہا جا سکتا اور وہ اس مسئلہ میں بدعت کے مرتکب نہیں قرار دیئے جا سکتے۔

تنبیہہ

بعض رِوایات میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ

۱۔ **واول من ورث المسلم من الکافر معاویۃؓ**

تو اس کے متعلق اتنی بات معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ قول ابن شہاب الزہری نے اپنی

۱ عمدۃ القاری (العینی) شرح بخاری شریف صفحہ ۲۶۰ ج ۲۳ کتاب الفرائض باب لایرث المسلم..... الخ

۲ فتح الباری شرح بخاری شریف صفحہ ۴۱ / ج ۱۲ کتاب الفرائض باب لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم

۳ حاشیہ موطاء امام محمدؒ صفحہ ۳۱۷ باب لایرث المسلم الکافر۔ طبع مصطفائی

طرف سے ذکر کیا ہے۔ یہ کسی صحابیؓ کا قول نہیں

اور الزہری کا یہ قول بھی متصل نہیں بلکہ مرسل ہے۔ ۱ علاوہ ازیں دیگر صحابہ کرامؓ اور تابعین کے اقوال اس کے برخلاف موجود ہیں۔ ان حالات میں حضرت امیر معاویہؓ کو اس مسئلہ کے اول قائل قرار دینا درست نہیں۔ (جیسا کہ ما قبل میں درج کر دیا ہے)

اسی طرح بعض دیگر علما نے اس کو قضیتہ محدثتہ فی الاسلام کہا ہے اور حضرت معاویہؓ کی تحقیق کو ساقط القول قرار دے کر رد کیا ہے یہ ان کی متفروانہ رائے ہے ورنہ اس مسئلہ پر دیگر صحابہؓ و تابعین و تبع تابعین کے اقوال موجود ہیں جن سے حضرت معاویہ کے مسلک کی تائید پائی جاتی ہے

مختصر بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ اس دور کا مختلف فیہ اور مجتہد فیہ ہے مندرجات بالا کی روشنی میں اس مسئلہ کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدعت قرار نہیں دیا جا سکتا اور حضرت امیر معاویہؓ کو اول قول کرنے والا بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اور قانون کی بالاتری کے خاتمے کے تحت لا کر اسے اسلامی قوانین کی خلاف ورزی قرار دینا انصاف کے خلاف ہے۔ اور زیغ عن الحق ہے۔

تاریخ یحیی بن معین صفحہ ۲۲۱ / ج ۳ روایت نمبر ۱۰۲۷

مسئلہ دیت کی بحث

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والے احباب نے دیت کے مسئلہ میں بھی آپؓ کو مطعون کیا ہے۔
وہ اس طرح کہ سنت طریقہ یہ تھا کہ "معاہد (ذمی) کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہوگی
مگر حضرت امیر معاویہؓ نے اس کو نصف کر دیا اور باقی نصف دیت خود لینا شروع کر دی۔ اور ذاتی تصرف میں لائے
اس طرح آپ نے یہ طریقہ سنت طریقہ کے برخلاف رائج کیا اور بقول معترض اسلامی آئین کی خلاف ورزی کی۔

الجواب

اس مسئلہ کے متعلق مختصراً بعض روایات پہلے پیش کی جاتی ہیں جن سے مسئلہ ہذا کی نوعیت واضح ہو جائے گی۔ اس کے بعد اصل طعن کا جواب ان روایات کی روشنی میں پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ مشہور صحابی ذکر کرتے ہیں کہ:-

لما دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکتہ عام الفتح قام فی الناس خطیبا فقال یا ایھا الناس! لا یقتل مومن بکافر دیتہ الکافر نصف دیتہ المسلم.....الخ۔ [2]

یہ روایت مشکوۃ شریف میں بحوالہ ابو داؤد مرفوعاً" درج ہے

.... لا یقتل مومن بکافر (ای الحربی) دیتہ الکافر نصف دیتہ المسلم لا جلب ولا جنب.....الخ

وفی روایتہ قال دیتہ المعاہد نصف دیتہ الحر رواہ ابو داؤد"۔ [3]

۱ دیتہ، قتل کے بدلہ میں مالی معاوضہ کو دیت کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲ مسند الامام احمدؒ صفحہ ۱۸۰ / ج ۲ تحت مسندات عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

۳ مشکوۃ شریف صفحہ ۳۰۳ باب الدیات الفصل الثانی

یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عام الفتح میں جب مکہ شریف میں داخل ہوئے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! مومن شخص کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور کافر کی دیت مسلم کی دیت سے نصف ہو گی۔

اور ایک دوسری روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معاہد (ذمی) کی دیت حر (آزاد) کی دیت کے نصف ہو گی۔

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں واضح ہوا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مسئلہ میں نصف دیت کے ارشادات بھی موجود ہیں۔

امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ کے بعض اقوال میں دیت اہل الذمہ کے تحت یہی منقول ہے کہ معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے مقابلے میں نصف ہوتی ہے۔

اگرچہ اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہوتی ہے اور بہت سے اکابر فقہاء کا مسلک بھی یہی ہے اور اس پر مرفوع روایات بھی موجود ہیں۔

اس بناء پر اکابر فقہاء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے جیسا کہ ہم نے مختصراً" پیش کر دیا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیلات مع دلائل مطولات میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

یہاں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت امیر معاویہؓ نے نصف دیت کا جو قول کیا ہے یہ ان کا متفرد قول نہیں ہے۔ ان کے سامنے مرفوع روایات اور بعض دیگر دلائل موجود ہیں۔ اس بنا پر ان کا یہ قول قابل اعتراض نہیں ہے۔ نہ ہی اس کو بدعت کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی اس دور کے مختلف فیہ اور مجتہد فیہ مسائل میں سے ہے۔ اس کو بدعت قرار دینا درست نہیں۔ اور حضرت امیر معاویہؓ بااختیار حاکم اور امیر المومنین تھے اور اجتہاد کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے انہوں نے اپنے دور کے تقاضوں کے تحت اپنے اجتہاد فکر سے اس مسئلہ میں نصف دیت کی صورت اختیار کی جبکہ مندرجہ بالا مرفوع مرویات بھی ان کی تائید میں موجود ہیں اور اس موقف کی موید ہیں۔

نصف دیت کا خود لے لینا

معترضین نے اپنی عبارات میں یہ تاثر دیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نصف دیت مقتول کے ورثاء کو دیتے تھے اور باقی نصف خود لے لیتے تھے۔

اس کے متعلق محدثین اور فقہاء کے مندرجہ ذیل حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں جن سے اصل مسئلہ کی نوعیت سامنے آجائے گی کہ حضرت امیر معاویہؓ بقایا نصف دیت خود نہیں لیتے تھے بلکہ مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کراتے تھے۔

مشہور محدث ابو داوٗد السجستانی نے اپنی کتاب المراسیل میں باب دیۃ الذمی کے تحت یہ مسئلہ بالفاظ ذیل درج کیا ہے۔

وعن ربیعۃ بن عبدالرحمن قال کان عقل الذمی مثل عقل المسلم فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وزمن ابی بکرؓ و زمن عمرؓ و زمن عثمانؓ حتی کان صدر من خلافۃ معاویۃؓ فقال معاویۃؓ ان کان اھلہ اصیبوا بہ فقد اصیب بہ بیت مال المسلمین فاجعلوا لبیت المسلمین النصف ولاھلہ النصف خمسمائۃ دینار۔"[1]

یعنی ربیعہ بن عبدالرحمن (التابعی) ذکر کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء ثلاثہؓ کے زمانہ میں ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر تھی۔ حتی کہ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کے ابتدائی دور میں جب یہ صورت پیش آئی تو آپؓ نے فرمایا کہ ذمی کے اہل و عیال کو اگر نقصان پہنچا ہے اور وہ مصیبت زدہ ہوئے ہیں تو مسلمانوں کے بیت المال کا بھی نقصان ہوا ہے۔ پس اس طرح کرو کہ دیت کا نصف ذمی کے اہل و عیال کو دے دو اور باقی نصف مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دو اس دور میں نصف دیت کی مالیت پانچ صد دینا تھی چنانچہ پانچ پانچ صد دینار بیت المال اور ذمی کے اہل و عیال میں تقسیم کر دیئے گئے۔

حوالہ ہذا سے یہ بات واضح ہو گئی کہ محدثین حضرات کے نزدیک حضرت امیر معاویہؓ مسلمانوں کے ایک خلیفہ تھے اسی لئے ان کی حکومت کو خلافت سے تعبیر کیا جاتا تھا جیسا کہ روایت مذکورہ بالا کے الفاظ سے واضح ہے۔

دوسرا یہ مسئلہ واضح ہوا کہ حضرت امیر معاویہؓ نصف دیت اپنے لئے نہیں لیتے تھے بلکہ اسے بیت المال میں داخل کروایا کرتے تھے۔

نصف دیت خود لینے کا پروپیگنڈا درست نہیں۔

۲۔ اب مسئلہ پر دوسرا حوالہ ایک مشہور فقہ کی کتاب الدیات سے پیش کیا جاتا ہے۔

کانت (دیۃ الذمی) علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الف دینار و ابی بکرؓ و

[1] المراسیل لابی داوٗد سلیمان بن اشعث السجستانی متوفی ۲۷۵ھ صفحہ ۲۹ طبع مصر تحت باب دیۃ الذمی

عمرؓ و عثمان رضی اللہ عنہم حتی کان معاویۃ رضی اللہ عنہ اعطی اھل القتیل خمس مائۃ دینار و وضع فی بیت المال خمس مائۃ دینار۔" ۱

یعنی امام ابو بکر احمد بن عمرو کہتے ہیں کہ ذمی کی دیت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء ثلاثہؓ کے عہد میں ایک ہزار دینار تھی۔ جب حضرت امیر معاویہؓ کا دور آیا تو آپؓ نے مقتول کے رشتہ داروں کو پانچ سو دینار دلوائے اور پانچ سو دینار بیت المال میں داخل کرائے۔

۳۔ اور مشہور مالکی فاضل ابن رشد نے بدایۃ المجتہد (کتاب الدیات) میں بھی مسئلہ ہذا اسی طرح ذکر کیا ہے۔

اکابر فقہاء کے حوالہ سے بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت امیر معاویہؓ نصف دیت اپنی ذات کے لئے نہیں لیتے تھے بلکہ مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کراتے تھے۔

فلہذا نصف دیت خود لے لینے کا الزام ان تصریحات کے خلاف ہے اور بالکل بے جا الزام ہے۔

لفظ لنفسہ کا جواب

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ بعض روایات میں جو یہ الفاظ "اخذ لنفسہ" کے پائے جاتے ہیں یہ اس مسئلہ میں عموماً" ابن شہاب الزہری کی طرف سے اپنی تعبیر ہے اور ان کے یہ اپنے الفاظ ہیں یعنی یہ الفاظ کسی صحابیؓ کا قول نہیں ہیں اور واقعات کے برخلاف ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ حوالہ جات سے واضح ہے۔ ابن شہاب الزہری صغار تابعین میں سے ہیں اور ثقہ شخص ہیں لیکن یہ قول ان کا روایت میں بطور اوراج کے مذکورہ ہے۔ اور مسئلہ مذکور کو اس طرح بھی بیان کی جا سکتا ہے کہ عام طور پر ان روایات پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے بعض ناقلین روایات نے یہ اپنی ذاتی رائے ذکر کی ہے

فلہذا ان کے ذاتی نظریہ کی وجہ سے (جو واقعات کے برخلاف ہو) کبار صحابہ کرامؓ کو مطعون نہیں کیا جا سکتا اور ان کی شان دیانت میں اس قول سے تنقیص واقع نہیں کی جا سکتی۔

مختصر یہ ہے کہ نصف دیت کو خود لے لینے کا طعن ایک راوی کے قول کی بنا پر ذکر کیا گیا

۱ کتاب الدیات صفحہ ۴۶ باب دیۃ الذمی لامام ابی بکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم الضحاک الشیبانی متوفی ۲۸۷ھ

ہے جو واقعات کے اعتبار سے درست نہیں فلہذا قانون کی بالا تری کے خاتمے میں اس مسئلہ کو لا کر طعن قائم کرنا کسی صورت میں صحیح نہیں۔

مسئلہ ہذا کے متعلق مالہ و ماعلیہ اور اس کے نشیب و فراز کو افراط و تفریط کے بغیر ہم نے پیش کر دیا ہے منصف مزاج آدمی اس سے مطمئن ہو سکے گا۔ باقی ضد و ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔ اللہ الہادی"

یمین مع الشاہد کا مسئلہ

بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بدعات کے ارتکاب کا ایک سلسلہ چلایا ہوا ہے اور آپؓ کے متعلق اولیات معاویہؓ کے عنوان سے کئی چیزوں کا ان کی طرف انتساب کیا ہے۔

ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی چلایا ہے کہ **یمین مع الشاھد**" بدعت ہے اور اس کو پہلے کھڑا کرنے والے حضرت امیر معاویہؓ ہیں گویا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان مسائل میں سنت طریقہ کے برخلاف دین میں ایک نئی چیز قائم کرنے والے ہیں۔

الجواب

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ اس مسئلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مخالفین جو تاثر دینا چاہتے ہیں وہ درست نہیں۔ یہ ایک گونہ یکطرفہ کارروائی ہے۔ اور اس مسئلہ کی دوسری جانب کو طعن کرنے والے دوستوں نے قصداً پیش نہیں کیا تاکہ حضرت معاویہؓ پر اس طعن میں خفت ظاہر نہ ہو اور اعتراض میں ایک قسم کی سبکی پیدا نہ ہو جائے واضح رہے کہ ہم پہلے اس مسئلہ کی دوسری جانب قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد پھر دیگر جواب جو قابل ذکر ہوں گے وہ پیش کریں گے۔

عوام دوستوں کے لئے ذکر کیا جاتا ہے کہ "**یمین مع الشاھد**" کا مفہوم یہ ہے کہ مثلاً ایک دعویٰ ہو اس میں دلائل پیش کرنے کے لئے ایک گواہ پیش کیا جائے اور پھر اس کے ساتھ ایک حلف اٹھوا دیا جائے تو اس کو **یمین مع الشاھد**" کہا جاتا ہے یہ مسئلہ کی مشہور صورت ہے کہ دعویٰ میں مدعی کے ذمہ شہادت پیش کرنا ہوتا ہے مدعا علیہ کے ذمہ حلف ہوتی ہے (اگر شہادت نہ مل سکے) اور یہی جمہور علمائے حنفیہ کے نزدیک راجح اور مفتی بہ ہے لیکن مسئلہ ہذا کی دوسری جانب یہ ہے کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مثلاً حضرت زید بن ثابتؓ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ "**القضاء بشاھد و یمین**" جائز ہے۔ اور مرفوع روایت یہ پیش کرتے ہیں کہ : **ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی بیمین و شاھد**"۔ [1]

---

1. السنن الکبریٰ للبیہقی صفحہ ۱۷۲، ۱۷۳ / ج العاشر باب القضا بالیمین مع الشاھد

اور نیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ: **انہ حلف المدعی لبناء علی مذھبہ لانہ کان یحلف مع تمام حجتہ القضاء بالبینتہ**"۔ ۱

مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا یہ مسلک تھا کہ شاہد کے ساتھ حلف بھی لیتے تھے اور کبار فقہاء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے (جیسا کہ صحابہ کرامؓ میں مختلف فیہ رہا) شوافع حضرات اس طرف ہیں کہ یمین اور شاہد ملا کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ (کتب شوافع کی طرف رجوع کر کے تسلی کی جا سکتی ہے) اور دیگر فقہا اس مسئلہ میں دوسرا قول کرتے ہیں۔

اس مسئلہ میں یہ بات بھی پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ علماء نے لکھا ہے **المعلی لابن حزم** میں درج ہے کہ:۔

قال عطاء اول من قضی بہ عبدالملک بن مروان۔"۔ ۲

یعنی عطا کہتے ہیں کہ پہلے پہلے حلف بمع شاہد فیصلہ کرنے کا طریقہ اپنے دور میں عبدالملک بن مروان نے جاری کیا تھا۔

یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں یہ طریقہ اختیار کرنے والا پہلے عبدالملک مروانی خلیفہ ہے تو پھر حضرت معاویہؓ پر اس طعن کا بوجھ کیسے ڈالا جا رہا ہے؟ قابل غور بات ہے

مختصر یہ ہے کہ مسئلہ ہذا میں دوسری جانب مرفوع روایات بھی ہیں صحابہ کرامؓ (بمع سیدنا علی المرتضیٰؓ) کے اقوال بھی ہیں اور اکابر فقہاء کے فرامین بھی موجود ہیں تو ان حالات میں حضرت امیر معاویہؓ نے قضی بالیمین بالشاہد کا اگر قول کیا ہے تو اس کو اول اول کہہ کر بدعت شمار کرنا اور حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں نفرت پھیلانا کون سا دیانتدارانہ طریق ہے؟ اور کون سا کار خیر ہے؟

مطلب یہ ہے کہ "**اول من قضی بہ معاویتہؓ**"

روایات میں موجود ہے لیکن یہ ابن شہاب الزہری کا اپنا متفردانہ قول ہے حاصل یہ ہے کہ قول ایک تابعی کا مرسل ہے جو ایک متفرد قول کی حیثیت رکھتا ہے **وما وجد نالہ متابعا حتی الان** پھر اس کو پیش نظر لا کر مشاہیر صحابہؓ کو مطعون کرنا اور انہیں قابل نفرت

۱ المبسوط للرخسی صفحہ ۳۴/ ج ۱۷ کتاب الدعوی ۔ طبع اول مصری

۲ الجوہر النقی لابن الترکمانی علی السنن للبیہقی ص ۱۷۵ ج عاشر طبع اول دکن باب القضا بالیمین مع الشاہد

اعلاء السنن صفحہ /۳۸۱ ج ۱۵ کتاب الدعوی تحت مسئلہ الیمین مع الشاہد

قرار دینا قرین انصاف و دیانت نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں نہ جناب مرتضیٰؓ بدعت کے مرتکب ہو کر قابل اعتراض ہیں اور نہ ہی حضرت معاویہؓ بدعتی ہیں۔

یہ ان کے دور کا نظریاتی و اجتہادی مسئلہ تھا جس میں ان حضرات نے اپنی اپنی صوابدید پر عمل کیا۔ اس طرح کے بے شمار مسائل عہد صحابہ میں پائے جاتے ہیں۔ معترض دوست ان مسائل پر اعتراض و طعن کا رنگ پیدا کر کے عوام میں سوظنی پھیلانا کار ثواب سمجھتے ہیں (انعا لاسرا سانوی)

جالسا خطبہ دینا

اعتراض پیدا کرنے والوں کی طرف سے حضرت معاویہؓ پر یہ طعن بھی وارد کیا جاتا ہے کہ جمعۃ المبارک اور عیدین کے خطبات کھڑے ہو کر ادا کرنا سنت ہے بیٹھ کر خطبہ دینا سنت نبویؐ کے خلاف ہے
جب کہ حضرت معاویہؓ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اولاً بیٹھ کر خطبہ دیا اور سنت کے خلاف رسم ڈالی

ازالہ

اس طعن کے جواب کے لئے ذیل میں چند امور پیش کئے جاتے ہیں ان پر نظر ڈال لینے کے بعد طعن زائل ہو جائے گا۔
ایک قدیم مورخ یعقوب بن سفیان البسوی نے اپنی کتاب میں اس مسئلہ کو امام اوزاعیؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ : **حدثنی العباس قال : اخبرنی ابی قال : سمعت الاوزاعی قال کان معاویہ بن ابی سفیانؓ اول ما اعتذر الی الناس فی الجلوس فی الخطبۃ الاولی فی الجمعۃ، ولم یصنع ذالک الا لکبر سنہ و ضعفہ**[1] اور ابن عساکر نے میمون و شعبی سے جلوس فی الخطبہ کی معذرت کا مسئلہ البسوی کی طرح نقل کیا ہے۔
ملاحظہ ہو تاریخ ابن عساکر ج ۱۶ ص ۷۵ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیانؓ
یعنی امام اوزاعیؒ نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہؓ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے جمعہ کے پہلے خطبہ میں بیٹھنے کے لئے لوگوں کے سامنے معذرت کی تھی اور یہ اس وجہ سے تھا کہ وہ کن رسیدہ اور ضعیف ہو چکے تھے (یعنی کھڑے ہو کر خطبہ دینے کی طاقت نہیں رہی تھی)
یہ تو ایک قدیم مورخ کا بیان ہے جسے امام اوزاعیؒ جیسے معتمد شخص نے نقل کیا ہے اور اس میں واضح طور پر بیٹھ کر خطبہ دینے کی معذرت کرتے ہوئے علت ذکر کر دی ہے۔
اب اس کے بعد اس مسئلہ میں قدیم محدثین کی چند ایک روایات پیش خدمت ہیں جن میں جلوس فی الخطبہ کی معذرت کا مسئلہ واضح طور پر مذکور ہے۔

[1] کتاب المعرفۃ والتاریخ صفحہ ۴۷۹ / ج ثانی تحت اللیث بن سعد"

۱۔ جعفر بن محمد عن ابیہ قال فلما کان معاویۃؓ استاذن الناس فی الجلوس فی احدی الخطبتین و قال انی قد کبرت و قد اردت اجلس احدی الخطبتین فجلس فی خطبۃ الاولی۔ ۱

۲۔ قال: اول خطب قاعدا معاویۃؓ قال ثم اعتذر الی الناس ثم قال انی اشتکی قدمی۔ ۲

۳۔ اسی طرح امام بیہقیؒ نے بھی یہی معذرت اپنے سنن کبریٰ میں باسند ذکر کی ہے۔ ۳۴۹

حاصل جواب یہ ہے کہ جالسا خطبہ دینا حضرت معاویہؓ کا معذوری کی بنا پر تھا اور عذر کی بنا پر جو فعل ادا کیا جاتا ہے وہ قابل اعتراض نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر ان کبار محدثین نے جلوس فی الخطبہ کی معذرت ذکر کر دی ہے۔ فلہذا اول من احدث کا اعتراض ساقط ہے اور مقولہ مشہور ہے کہ **والعذر عند کرام الناس مقبول**

مزید چیز یہ ہے کہ حالت عذر میں فرض نماز میں قیام (جو کہ فرض ہے) معذور نمازی سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت عذر اور تکلیف میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا ثابت ہے (اس مسئلہ پر کسی کتابی حوالہ کی چنداں ضرورت نہیں جمعہ کے خطبہ میں قیام نماز فرض کے قیام سے زیادہ اہم نہیں پس نماز میں قیام جب ساقط ہو سکتا ہے تو جمعہ کے خطبہ میں بھی بحالت عذر ساقط ہو گا۔ فلہذا سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت عذر کے اس فعل پر اعتراض وارد کرنا درست نہیں۔

۱ المصنف لعبد الرزاق ۱۸۸، ۱۸۹ جلد ثالث طبع مجلس علمی"

(۲) المصنف لابن ابی شیبۃ صفحہ ۶۸، ۶۹، ۱۰۶ / ج ۱۴ کتاب الاوائل۔ طبع کراچی

۳ السنن الکبری للبیہقی صفحہ / ۱۹۷ ج ۳ کتاب الجمعۃ باب الخطبۃ قائما"

مقصورہ میں نماز ادا کرنا

بعض لوگوں کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ "آپؓ نے اپنی نماز کے لئے مخصوص مقام دوسرے مسلمانوں سے الگ تجویز کیا ہوا تھا" یہ چیز سنت نبوی صلعم کے خلاف ہے اور یہ نوعیت ایک گونہ تکبر کی علامت ہے۔ جو مومنین کی شان کے لائق نہیں۔

اس اعتراض کے ازالہ کے لئے ذیل میں چند چیزیں درج کی جاتی ہیں ملاحظہ فرمائیں ان سے شبہ ہذا زائل ہو سکے گا۔

ایک چیز تو یہ ہے کہ مقصورہ اس مقام کو کہتے ہیں جو مساجد میں مسلمانوں کے امیر کے لئے بطور تحفظ و تحصن کے تجویز کیا جاتا تھا اور یہ ایک حفاظتی تدبیر تھی جو اس دور کی ضرورت کے تحت عمل میں لائی گئی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں قدیم مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے واقعہ شہادت کے بعد پہلے حضرت عثمانؓ نے ایک مقصورہ خام اینٹوں سے تیار کرایا تھا اور اس میں ایک دریچہ تھا جس سے مقتدی لوگ اپنے امام کے احوال سے مطلع رہتے تھے۔ اور اس مقصورہ کی نگرانی پر ایک شخص السائب بن خباب مقرر تھا ——— الخ

——— "ان عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اول من وضع المقصورۃ من لبن و استعمل علیھا السائب بن خباب و کان رزقہ دینارین فی کل شھر" ؎۱

وجہ یہ ہوئی کہ اس دور کے اعدائے اسلام مثلاً" خوارج وغیرہ اعدائے اسلام مثلاً خلفاء اسلام پر ناگہانی حملہ کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔ خوارج کی طرف سے خلفاء کی زندگی گویا غیر محفوظ ہو گئی تھی۔ جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ایک ہی تاریخ میں ایک منصوبہ کے تحت ان لوگوں نے حملہ کیا تھا جس کی تفصیلات اپنی جگہ مذکور ہیں۔

اس واقعہ کے بعد حفاظتی طور پر حضرت معاویہؓ نے بھی مقصورہ تیار کرایا تھا اور اس میں خلفاء اپنے معتمدین کے ساتھ مل کر نماز ادا کیا کرتے تھے اور یہی چیز طبری نے بعبارت ذیل نقل کی ہے۔

۱۔ تاریخ مدینۃ لابن شبہ ص ۶ / ج اول

۲؎ وفاء الوفاء للسمہودی صفحہ ۵۱۰، ۵۱۱ / ج ثانی تحت الفصل الخامس العشر فی المقصورہ

وامر معاویۃ عند ذالک با لمقصورات و حرس اللیل و قیام الشرط علی راسہ اذا سجد"۔ ۱

مقصور ہذا میں حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ بعض اکابر صحابہ کرامؓ نے بھی نماز ادا کی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا کی۔

ان کریبا مولی ابن عباس اخبرہ انہ رای ابن عباسؓ یصلی فی المقصورۃ مع معاویۃ"۔ ۳۷۱

نیز محدثین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مشہور خلیفہ عمرو بن عبدالعزیزؒ کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا کی

الثوری عن عبداللہ بن یزید الھذلی قال رائیت انس بن مالک یصلی مع عمرو بن عبدالعزیز فی المقصورہ"۔ ۲

یہ مقصورہ عمرو بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور میں ساج (ساگوان) کی لکڑی سے تیار کروایا تھا۔ ۳۷۳

اسی طرح محدثین لکھتے ہیں کہ السائب بن خلاد انصاریؓ جو ایک مشہور صحابی ہیں انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ نماز جمعہ مقصورہ میں ادا فرمائی اور اس کے بعد ان کا ایک مسئلہ میں آپؓ کے ساتھ مکالمہ ہوا۔ حضرت معاویہؓ نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کے متعلق فرمان ذکر کیا۔ کہ فرضی نماز کے بعد دوسری نماز کے درمیان کوئی کلام کرنی چاہئے یا اس جگہ سے ہٹ جانا چاہئے تاکہ دو نمازوں کے درمیان وصل نہ رہے (یعنی فصل ہو جائے)

وعن عمرو بن عطاء قال ان نافع بن جبیر ارسلہ الی السائبؓ یسالہ عن شیئ راہ منہ معاویۃ فی الصلوۃ فقال نعم صلیت معہ الجمعتہ فی المقصورۃ فلما سلم الامام قمت فی مقامی فصلیت فلما دخل ارسل الی فقال لا تعد لما فعلت اذا صلیت الجمعتہ فلا تصلھا بصلوۃ حتی تکلم او تخرج فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرنا بذالک ان لا نوصل بصلوۃ حتی نتکلم او نخرج رواہ مسلم"۔ ۳

۱ تاریخ الامم والملوک لابن جریر الطبری صفحہ ۸۶ / ج ۶ تحت سنۃ اربعون

۲ المصنف لعبد الرزاق صفحہ ۴۱۴ / ج ۲ باب الصلوۃ فی المقصورۃ

(۲) المصنف لعبد الرزاق صفحہ ۴۱۴ جلد ثانی باب الصلوۃ فی المقصورۃ

۲ مشکوۃ شریف صفحہ ۱۰۵ نور محمد تحت باب السنن و فضائلھا۔ الفصل الثالث

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوئی کہ مقصورہ میں نماز ادا کرنا کوئی بدعت نہیں۔ یہ ایک حفاظتی تدبیر ہے اور اس میں حضرت معاویہؓ متفرد نہیں تھے اس کی ابتدا عثمانی دور سے ہو چکی تھی اور دیگر صحابہ کرامؓ ان کے ساتھ مقصورہ میں مل کر نماز ادا فرماتے تھے اور حضرت معاویہؓ پر اس مسئلہ میں کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے

فلهذا صحابہ کرامؓ کا فعل حجت ہے اس سے اس کا جواز ثابت ہو رہا ہے معترض کا اعتراض بے جا ہے اور ان کی اپنی لاعلمی کی بنا پر صادر ہوا ہے۔

خطبہ و اذان قبل العید

جن لوگوں کو صحابہ کرامؓ کی زندگی میں مطاعن پیدا کرنے کا شوق ہے اور ان کے عہد کو خلاف سنت قرار دینے کی دلی آرزو ہے وہ کئی قسم کے فروعی مسائل کو پیش نظر رکھ کر عوام میں ایک قسم کا ذہنی انتشار پیدا کرنے اور سوء ظنی کی فضا قائم کرنے کے خواہشمند ہیں حالانکہ یہ چیز دین اسلام کے اجتماعی تقاضوں کے برخلاف ہے اور اتحاد ملت کی فضاء کو مکدر کرنے کی مساعی ہیں جو کسی طرح بھی دین میں مستحسن نہیں۔

معترضین اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل چیزیں بھی ذکر کیا کرتے ہیں:۔

۱۔ **اول من احدث خطبتہ قبل الصلوۃ فی العید معاویۃؓ** یعنی حضرت امیر معاویہؓ نے نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھنے کو اولاً رائج کیا اور اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ نے عید کی نماز سے پہلے اذان کی ابتدا کی **اول من احدث الاذان فی العید معاویۃؓ**

مطلب یہ کہ یہ دونوں چیزیں سنت طریقہ کے برخلاف ہیں اور ان کو اولاً رائج کرنے والے حضرت معاویۃ بن ابی سفیانؓ ہیں۔ فلہذا وہ بدعات کے مرتکب ہیں۔

الجواب

مندرجہ بالا امور کے جواب کے لئے ذیل میں چند اشیاء پیش کی جاتی ہیں ان پر نظر غائر فرمائیں۔ مذکورہ شبہات کے ازالہ میں مفید اور باعث اطمینان ہوں گی۔

۱۔ گزارش ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا منصب یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دین حاصل کر کے آنے والی امت کو پہنچانے والے ہیں اور حصول دین کے لئے پیغمبرؐ اور ان کی امت کے درمیان مضبوط واسطہ اور قوی رابطہ ہیں اور ہم تک شریعت اسلام پہنچنے کا ذریعہ ہیں اس بنا پر ان حضراتؓ نے جو دین نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا وہی انہوںؓ نے امت کو پہنچایا اور اسی دین اسلام کے احیاء اور بقاء کے لئے انہوں نے اپنی زندگیاں صرف کر دیں اس چیز پر ان کے اعمال و اقوال شاہد کامل ہیں چنانچہ نماز کے مسائل میں اتباع سنت کے سلسلہ میں حضرت معاویہؓ کے متعلق احادیث میں مذکور ہے کہ:۔

ایک بار نافع بن جبیر نے عمرو بن عطاء کو السائب کی طرف اس مسئلہ کی دریافت کے متعلق روانہ کیا جو حضرت امیر معاویہؓ نے اس سے نماز کے متعلق ذکر کیا تھا تو اس موقعہ پر السائب نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں نے ایک بار حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ مقصورہ میں جمعہ

کی نماز ادا کی۔ جب امام نے سلام پھیرا تو میں اسی مقام میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کچھ نوافل ادا کئے جب حضرت امیر معاویہؓ اپنے مقام پر تشریف لے گئے تو مجھے بلا بھیجا اور فرمایا کہ جس طرح تو نے اب کیا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد اسی مقام پر نوافل پڑھ لئے ہیں اس طرح پھر نہ کرنا۔ حتی کہ یا تو کلام کر لے یا اس جگہ سے ہٹ جائے

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی طرح حکم دیا تھا کہ ہم نماز باجماعت کے ساتھ باقی نماز ملا کر نہ پڑھیں حتی کہ باہم کلام کر لیں یا اس جگہ سے الگ ہو جائیں چنانچہ مشکواۃ شریف میں حضرت معاویہ کا قول درج ہے

فلما دخل ارسل الي فقال لا تعد لما فعلت اذا صليت الجمعته فلا تصلها بصلوة حتى تكلم او تخرج فان رسول الله صلى الله عليه وسلم امرنا بذالك ان لا نوصل بصلوة حتى نتكلم او نخرج۔ رواه مسلم۔" ۱

۲۔ اسی طرح ایک دوسرا قول حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرماتے تھے کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نماز پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا مگر اس کو یعنی حضرت امیر معاویہؓ کو چنانچہ مجمع الزوائد للہیثمی میں ہے کہ :۔

وعن ابى درداء قال ما رايت احدا بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم اشبه صلوة برسول الله صلى الله عليه وسلم من اميركم هذا يعني معاويته رواه الطبراني۔" ۲

یہاں سے معلوم ہوا کہ دیگر مسائل کے علاوہ صلوۃ کے مسائل میں بھی حضرات امیر معاویہؓ اپنی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے خلاف بالکل نہیں کرتے تھے اور مندرجہ بالا روایات اس چیز پر قرائن ہیں کہ سنت نبویؐ پر عمل کرنا ان کی زندگی کا نصب العین تھا تو خطبہ اور ازان کے مسائل میں انہوں نے خلاف سنت کیسے عمل درآمد کر دیا؟ اب کوئی شخص یا کوئی راوی یہ آواز دیتا ہے کہ فلاں صحابی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جاریہ کے خلاف عمل کیا اور کرایا تو یہ بات قابل مسموع نہ ہو گی اور اس کے

۱ مشکوۃ شریف صفحہ ۱۰۵ (طبع قدیم) تحت باب السنن و فضائلها الفصل الثالث (بحوالہ مسلم شریف صفحہ ۲۸۸ جلد اول آخر کتاب الجمعہ)

۲ مجمع الزوائد للهيثمى صفحہ ۳۵۷ / ج ۹ تحت باب ما جاء فی معاويته بن ابی سفیانؓ

متفروانہ اور شاذ قول کو جو کسی صحابی کی دیانت کے متصادم ہو قبول نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ بالا کی طرف توجہ فرمائیں کہ عید کی نماز سے قبل خطبہ پڑھنے کا حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں قول کرنا' جناب علامہ زہری کا متفروانہ قول ہے جو انہوں نے اپنی طرف سے کہا ہے اور اس دور کے کسی صحابیؓ کا قول پیش نہیں کیا اور نہ ہی اس کا متابع ملا اور بعض دفعہ ابن شہاب الزہری وغیرہ اس طرح متفرد قول ذکر کر دیا کرتے ہیں جس کو شاذ کہا جاتا ہے

فلہذا اس نوع کے اقوال کے پیش نظر ایک مشہور صحابیؓ کے حق میں یوم عید میں خطبہ قبل الصلوۃ اور اذان کا طعن قائم کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔

نیز اس مسئلہ کی صورت حال یہ ہے کہ بعض روایات کے اعتبار سے عید الفطر میں نماز عید سے قبل حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اولاً" خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی روایت دستیاب ہوتی ہے کہ آپؓ نے قبل صلوۃ العید خطبہ ارشاد فرمایا۔

ان روایات کے اعتبار سے اس مسئلہ میں ابتداء کرنے والے حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ ہوئے۔

فلہذا حضرت امیر معاویہؓ اس مسئلہ میں سبقت کرنے والے قرار نہیں دیئے جا سکتے۔

ایک توجیہہ

اس مقام میں حافظ ابن حجر العسقلانی جیسے شارح حدیث نے حضرت حسن البصری کی طرف سے ان حضراتؓ کے اس فعل کی توجیہہ ذکر کی ہے کہ:۔

ان الحسن البصری قال اول من خطب قبل الصلوۃ عثمانؓ صلی بالناس ثم خطبھم یعنی علی العادۃ فرای نا سالم یدر کوا الصلوۃ ففعل ذالک ای صار یخطب قبل الصلوۃ.....الخ۔ ۱

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات نماز عید سے قبل بیشتر لوگ نہیں پہنچ سکے تھے ان کو نماز عید میں شامل کرنے کے لئے اور ان کے ادراک الصلوۃ کی خاطر نماز عید سے قبل بطور پند و نصائح کچھ ارشادات ان حضراتؓ نے حاضرین کے سامنے فرمائے تاکہ اس قلیل سی تاخیر کے ذریعے بعد میں آنے والے لوگ نماز میں شامل ہو سکیں۔

۱ فتح الباری شرح بخاری شریف لابن حجر العسقلانی صفحہ ج ۲ تحت باب المشی والرکوب الی العید..... الخ

اور پھر نماز عید کے بعد خطبہ مسنونہ پڑھا گیا۔
اب حضرت حسن بصریؒ کی اس توجیہہ کے پیش نظر یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ اگر بالفرض بعض اوقات حضرت امیر معاویہؓ نے نماز عید سے قبل خطبہ دیا تھا تو وہ اسی نوع کی ضرورت کے تحت نماز عید سے پہلے کچھ ارشادات فرمائے تھے تاکہ لوگ مجتمع ہو کر نماز میں شامل ہو سکیں (حضرت امیر معاویہؓ کے اسی بیان کو راویوں نے خطبہ سے تعبیر کر دیا) جب کہ نماز عید کے بعد خطبہ مسنونہ حسب قاعدہ پڑھا گیا۔
اب صورت مسئلہ ہذا واضح ہوئی کہ حضرت امیر معاویہؓ نے سنت نبوی صلعم کا خلاف نہیں کیا اور اس مسئلہ میں کسی بدعت کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ حکمت عملی کے طور پر بعض دفعہ انہوں نے قبل الصلوۃ کچھ چیزیں بیان کیں۔

طعن دوم کا تجزیہ

اب دوسرے طعن کے متعلق یہ تحریر کیا جاتا ہے کہ نماز عید سے قبل ازان کا احداث حضرت امیر معاویہؓ سے منسوب کرنا بھی ایک تابعی کے ایک شاذ قول کے ذریعہ ہے اس دور کے کسی صحابیؓ کی طرف منسوب نہیں۔ نیز اس قول کا متابع نہیں دستیاب ہوا اور متابع کا نہ پایا جانا عدم قبول کے لئے کافی ہے۔
معترض احباب اس قسم کے شاذ اقوال اور منقطع روایات تلاش کر کے مطاعن کو پختہ کیا کرتے ہیں اور ان کی تشہیر میں کوشاں رہتے ہیں۔
جیساکہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ مرسل قول کے ذریعے کسی صحابیؓ کی دیانت داری کو مجروح نہیں کیا جا سکتا اور ان کے دینی وقار کو گرایا نہیں جا سکتا۔ درآں حالیکہ ان کے متابع بھی میسر نہیں آئے۔
نیز حضرت حسن بصریؒ کی سابقہ توجیہہ کی طرح یہاں بھی اس بات میں گنجائش ہے کہ ہو سکتا ہے کہ عید کی نماز سے قبل قبل بعض دفعہ عوام کے شمول کے پیش نظر نماز کے قیام کی اطلاع عام کرائی گئی ہو تاکہ لوگ بروقت نماز میں شریک ہو سکیں۔
روایت کے ناقلین نے اسی عمل کو ازان سے تعبیر کر دیا ہو یہ احتمال اس میں ہو سکتا ہے۔ لیکن نماز عید سے قبل باقاعدہ معروفہ ازان (صلوۃ) جاری کر دی گئی ہو یہ ہرگز درست نہیں ہے کیونکہ یہ چیز حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے دیگر ہمنوا صحابہ کرامؓ کی دیانت اور معمول کے برخلاف ہے اور اس دور کے واقعات بھی اس چیز کی تائید نہیں کرتے

صحابہ کرامؓ کے دور کے بعض واقعات

مسئلہ ہذا کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کے دور کے چند واقعات ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دور کے معمولات کے ذریعے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ عید کی نماز سے قبل نہ ہی اذان ہوتی تھی اور نہ خطبہ عید ہوتا تھا

(۱)

محدثین و فقہاء نے مندرجہ ذیل روایت اپنی سند کے ساتھ ذکر کی ہے ملاحظہ فرمائیں

ابو حنیفة عن حماد عن ابراھیم عن عبداللہ بن مسعودؓ انہ کان فی مسجد الکوفة و معہ حذیفةؓ و ابو موسیٰؓ حتی خرج علیھم الولید بن عقبہ وھو امیر الکوفة فقال غدا عیدکم فکیف اصنع فقالوا اخبرہ یا ابا عبدالرحمن فامرہ عبداللہ بن مسعودؓ ان یصلی بغیر اذان ولا اقامة وان یکبر فی الاولی خمسا وفی الاخیرة اربعا و یوالی بین القرائتین و یخطب بعد الصلوٰة علی راحلتہ" ۔ ۱

یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے استاد حماد سے ذکر کرتے ہیں اور حماد ابراھیم النخعی سے ذکر کرتے ہیں اور ابراہیم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (ابو عبدالرحمٰن) سے ذکر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن مسعودؓ کوفہ کی جامع مسجد میں تشریف فرما تھے اور ان کے ہمراہ حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ بھی تشریف رکھتے تھے اسی دوران کوفہ کے امیر ولید بن عقبہ تشریف لائے اور فرمایا کہ کل عید ہے اس کے ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے اسے میں کس طرح ادا کروں؟ تو ان حضرات صحابہؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ آپ ولید بن عقبہؓ کو اس کا جواب فرما دیں۔ تو حضرت ابن مسعودؓ نے ولید بن عقبہ کو ارشاد فرماتے ہوئے کہا کہ آپ عید کی نماز بغیر اذان اور اقامت کے پڑھیں۔ پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں کہیں اور دونوں قرآتیں لگا تار ادا کریں اور نماز کے بعد اپنی سواری پر (بیٹھ کر) خطبہ عید پڑھیں

یہاں سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے عہد خلافت میں عید کی نماز بغیر اذان اور بغیر اقامت کے ادا کی جاتی تھی اور خطبہ عید بعد الصلوٰۃ پڑھا جاتا تھا غالباً" یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت کا ہے اس دور میں ولید بن عقبہ کوفہ کے امیر تھے۔ ان

۱ جامع مسانید الامام الاعظم صفحہ ۳۶۹ جلد اول تحت مسئلہ ہذا طبع حیدر آباد دکن طباعت اول

کو نماز عید ادا کرنے کا پورا طریقہ صحابہ کرامؓ نے تعلیم فرمایا اور اسی کے مطابق کوفہ کے حاکم نے نماز عید پڑھائی۔

پھر اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی ولایت کے دوران اسی کے مطابق عمل جاری رکھا جیسا کہ آئندہ سطور میں ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۲)

چنانچہ حضرت مغیرہ شعبہ رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور صحابی تھے ان کے متعلق مندرجہ ذیل روایت موجود ہے کہ :۔

۱ عن سماک قال بلغنی انہ شهدا المغیرة بن شعبتہ فی یوم عید فصلی بهم قبل الخطبتہ بغیر اذان ولا اقامتہ۔ ۱

۲۔ ....عن سماک بن حرب عن مغیرہ بن شعبتہ انہ صلی یوم عید بغیر اذان والا قامتہ۔ ۲

یعنی مطلب یہ ہے کہ عید کے روز مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بغیر ازان اور اقامت کے نماز پڑھائی۔"

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ خود حضرت معاویہؓ کی جانب سے کوفہ کے علاقہ کے والی و حاکم تھے یہ حضرات اس دور میں ازان و اقامت کے بغیر عید کی نماز پڑھتے اور پڑھاتے تھے یہ چیز عام دستور شرعی کے مطابق ہے اور اس دور کا دوامی معمول بھی یہی ہے۔

نیز اس دور کا ایک دیگر واقعہ احادیث میں موجود ہے جس میں حضرت امیر معاویہؓ کا فرمان نبویؐ کی اتباع میں اپنی پوری سعی کرنے کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ واقعہ بھی عید اور جمعہ سے متعلق ہے۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں عید اور جمعہ ایک روز میں جمع ہو گئے تو آپ نے اپنے دور کے مشہور صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کے سامنے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہوئے تھے؟ تو حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ ہاں میری موجودگی میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام میں عید اور جمعہ ایک روز میں مجتمع ہوئے تھے۔ تو حضرت امیر معاویہؓ نے دریافت کیا

۱ المصنف لعبد الرزاق صفحہ ۲۷۸ / ج ۳ تحت باب الاذان لهما (عیدین) طبع بیروت)

۲ المصنف لابن ابی شیبتہ صفحہ ۱۶۸ ۔ ۱۶۹ جلد ثانی تحت بحث ہذا (طبع دکن)

کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح کیا؟ تو حضرت زید بن ارقمؓ نے فرمایا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نماز عید ادا فرمائی اور پھر اس کے بعد جمعہ کے متعلق دور سے پہنچنے والوں کے لئے رخصت عنایت کرتے ہوئے فرمایا" کہ تم میں سے جو شخص چاہے یہیں نماز جمعہ میں بھی شریک ہو جائے (اور جو شخص نماز جمعہ سے قبل جانا چاہے واپس جا سکتا ہے)

عن اباس بن ابی رملتہ قال شھدت معاویتہؓ یسئل زید بن ارقمؓ اشھدت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اجتمعا فی یوم قال نعم قال فکیف صنع؟ قال صلی العید ثم رخص فی الجمعتہ فقال من شاء ان یصلی فلیصل۔"[1]

مطلب یہ ہے مندرجہ واقعات نماز عید کے مسنون طریقے صحابہ کرامؓ کے دور میں واضح طریقہ سے سامنے آگئے تھے اور خود حضرت معاویہؓ نماز کے مسائل میں اور خصوصاً "عید کے مسائل میں بھی اتباع سنت کی خاص رعایت رکھتے تھے اور اپنے دور کے اکابر صحابہ کرامؓ سے ان مسائل میں حسب موقع راہنمائی حاصل کرتے تھے اور ان کے دور میں معمولات کے مطابق عمل کرتے تھے۔ تاہم اس مسئلہ پر اگر مزید قرائن و شواہد مطلوب ہوں تو ہماری تالیف سیرۃ و سوانح امیر معاویہؓ کے دور چہارم فصل ہفتم تحت عنوان اتباع سنت کی طرف رجوع کریں وہاں حضرت امیر معاویہؓ کا اتباع سنت کو ملحوظ رکھنا بیان کیا گیا ہے اور بیشتر مواد حدیث سے پیش کیا ہے۔

بنابریں آپؓ سنت نبوی کے خلاف اذان اور خطبہ قبل صلوۃ العید کے کیسے مرتکب ہو سکتے تھے؟ فلہذا جو چیز اس کے خلاف پائی جاتی ہے وہ شاذ کے درجہ میں ہے۔ اور شاذ روایات کے ذریعے مقتدر صحابہ کرامؓ پر طعن تجویز کرنا ہرگز درست نہیں۔

درایت کے اعتبار سے

قبل ازیں چند چیزیں باعتبار روایت کے پیش کی گئی ہیں اب باعتبار درایت کے ذیل اشیاء پر نظر فرمائیں۔

- طعن پیدا کرنے والے احباب کے ذمہ ہے کہ یہ بات واضح کریں کہ خطبہ قبل صلوۃ العید اور اذان قبل صلوۃ العید کو کس سن اور کس سال میں جاری کیا گیا؟
- تمام ممالک اسلامیہ میں اس کا اجراء کیا گیا یا صرف بلاد شام میں؟

[1] السنن للدارمیؒ صفحہ ۲۰۰ باب اذا اجتمع عیدان فی یوم۔ طبع کانپور

○ جس علاقہ میں یہ حکم جاری کیا گیا۔ اس میں اس کا کیا رد عمل ہوا؟
کیا اس دور کے سب اہل اسلام (صحابہ کرامؓ و تابعینؒ وغیرھم) نے اس کو قبول کیا؟ یا مخالفت ہوئی؟

○ پھر اس مخالفت کی وضاحت درکار ہو گی کہ کن حضرات نے مخالفت کی؟ اور کن حضرات نے تائید کی؟

○ خصوصاً" اہل حرمین شریفین نے اس حکم پر عمل کیا یا اس کو رد کر دیا؟

○ ہاشمی اکابر حضرات نے اس سے کیا تاثر لیا؟ تعاون کیا یا تخالف کیا؟

ان تمام تفصیلات کو سامنے لا کر پھر اس کا تجزیہ کرنا ہو گا اور مسئلہ کے نشیب و فراز کو پیش نظر رکھنا ہو گا۔ یہ چیزیں معترض احباب کے ذمہ ہیں کہ انکو صاف کریں اگر حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت کو مطعون کرنا مطلوب ہے تو پھر ان کوائف کو واضح کیجئے اور اگر اس دور کے اکابرین امت نے مخالفت کی تھی تو وہ حکم نافذ کیسے ہو سکا؟ نیز اس مخالفت کی وضاحت کسی صحیح حوالہ کے ساتھ مطلوب ہے۔

مقام طعن میں مجروح و مقدوح روایات کام نہیں دے سکتیں۔

اور اگر اکابر نے موافقت کی تھی تو اس کے نتیجہ میں صرف حضرت معاویہؓ ہی نہیں بلکہ ان تمام حضرات پر ارتکاب بدعت کا طعن وارد ہوتا ہے۔ جنہوں نے تعاون علی الاثم والعدوان کا ارتکاب کیا۔ حالانکہ یہ حضرات **تعاون علی الاثم والعدوان** کرنے والے نہیں تھے۔

حاصل کلام

روایت و درایت دونوں کے اعتبار سے کلام پیش کرنے کے بعد یہ چیز واضح ہے کہ معترض لوگوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عید سے قبل اذان اور خطبہ کے احداثات جو منسوب کئے ہیں وہ واقعات کے اعتبار سے درست نہیں ہیں اور اثبات طعن کے لئے جو چیزیں فراہم کی گئی ہیں ان سے ارتکاب بدعت کا طعن قائم نہیں ہو سکتا

ایک دیگر طعن

(تمثال کو ارض الہند بھیجنا)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والوں نے ایک دیگر طعن فقہ کی بعض کتابوں سے تلاش کر کے "معاویۃ اور سمگلنگ" کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ اور طعن کے ثبوت میں درج ذیل واقعہ پیش کیا ہے۔

ایک بار حضرت امیر معاویہؓ نے پیتل کی چند مورتیاں (جو کفار کے خلاف جنگ سے بطور مال غنیمت حاصل ہوئی تھیں) ارض ہند کی طرف ارسال کیں تاکہ ان کو ہند میں فروخت کیا جائے۔

اس دور کے ایک مشہور تابعی مسروق بن الاجدعؒ حق گو بزرگ تھے جب ان کے ہاں سے یہ مال گزرا اور انہیں معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے یہ مال فروخت کے لئے ہند بھیجا جا رہا ہے تو انہوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ کفار کے ہاتھوں مورتیوں کی فروخت ناجائز ہے اور مزید کہا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ معاویہؓ مجھے قتل کر دیں گے تو میں اس مال کو غرق کر دیتا۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے عذاب میں مبتلا کر دیں گے۔ اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ ایک شخص جس کو اپنا برا عمل اچھا معلوم ہوتا ہے اور ایک شخص جو دنیا سے متمتع ہو کر آخرت سے مایوس ہو چکا ہے امیر معاویہؓ ان دونوں میں سے کس زمرے میں شامل ہیں؟

روایت ہذا کی روشنی میں معترض لوگوں نے حضرت امیر معاویہؓ پر متعدد الزامات وارد کئے ہیں مثلاً امیر معاویہؓ نے بت فروشی کر کے ہنود کے لئے بت پرستی میں مدد کی۔ وہ شیطانی فریب خوردہ اور آخرت کے منکرین میں سے تھے اور معاویہ اسلام سے لاتعلق تھے وغیرہ وغیرہ

الجواب

اعتراض ہذا کا جواب ذکر کرنے کے لئے ذیل میں چند معروضات پیش کی جاتی ہیں ان پر توجہ فرمادیں۔

ایک بات یہ ہے کہ یہ روایت اس مقام میں بلفظ ذکر (بصیغہ مجہول) ذکر کی گئی ہے یہاں نہ تو اس روایت کی سند بیان کی گئی ہے اور نہ ہی اس کا ماخذ ذکر کیا گیا ہے۔ اس

مقام سے معلوم نہیں ہو سکتا کہ واقعہ کو بیان کرنے والا کون صاحب ہے؟ اور کہاں سے نقل کیا ہے اور تاریخ ابن عساکر میں تحت مسروق بن الاجدع واقعہ ہذا ندارد ہے۔ اسی طرح تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی نے تحت مسروق اس کو نہیں ذکر کیا اور علی اختلاف الاقوال صاحب کتاب شمس الائمہ السرخسی المتوفی ۴۸۳ ھ نے اس کو ذکر کیا ہے جب کہ روایت میں مذکور واقعہ جس دور میں پیش آیا وہ خلافت حضرت امیر معاویہؓ ۴۱ھ تا ۶۰ ھ کا زمانہ ہے۔

ان دونوں ادوار میں مدت مدید کا فاصلہ پایا جاتا ہے۔

○ دیگر بات یہ ہے کہ "السرخسی" کی جس مشہور کتاب سے یہ طعن تلاش کر کے طاعنین نے ذکر کیا ہے اسی مقام میں ذرا آگے چل کر صاحب کتاب نے ہی اس طعن کے جواب کے طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں اور ان کی صفائی میں بہترین چیزیں بیان کی ہیں۔

چونکہ یہ سب چیزیں طعن کرنے والوں کے طعن کو زائل کر دیتی ہیں اس لئے معترض نے ان کو بالارادہ چھوڑ دیا ہے اور چشم پوشی کرتے ہوئے صرف طعن پیش کر دیا ہے حالانکہ جواب طعن وہیں موجود ہے یہ کمال علمی خیانت ہے اور صحابہؓ سے بغض کی واضح علامت ہے اور عام لوگوں کو صحابہ کرامؓ کے خلاف بدظن کرنے کی مذموم کوشش ہے۔

نیز یہاں قابل وضاحت یہ چیز ہے کہ یہ تماثیل (مورتیاں) جو حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں مال غنیمت میں حاصل ہوئی تھیں اور انہیں فروخت کے لئے ارض الھند روانہ کیا گیا تھا اس کا مقصد علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ

○ **فبعث (عبداللہ بن قیس بن مخلد) بھا (اصنام) الی معاویتہؓ فوجہ بھا معاویتہؓ الی البصرة لتحمل الی الھند فتباع ھناک لیثمن بھا۔"** [۱]

اور شمس لائمہ السرخسی نے تحریر کیا ہے کہ:

فامر معاویتہ رضی اللہ عنہ ببیعھا بارض الھند لیتخذ بھا الاسلحتہ و الکراع للغزاة.....الخ۔ [۲]

یعنی حضرت امیر معاویہؓ نے حکم دیا کہ ان تماثیل کو ہندوستان میں فروخت کر کے اس مال سے جنگی ضروریات کے لئے جنگی اسلحہ اور سواریوں کا انتظام کیا جائے۔

۱ فتوح البلدان للبلاذری صفحہ ۲۴۴ تحت فتح جزائر فی البحر

۲ المبسوط للسرخسی ص ۴۶۔۴۷ / ج ۲۴ تحت کتاب الاکراہ

حاشیہ

قولہ بیعھا بارض الھند.....الخ

یہاں ایک فقہی اختلاف موجود ہے مناسبت مقام کے لحاظ سے اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

سیدنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صنم و صلیب وغیرہ کی بیع ان کے عابدین کے ہاتھوں کر دینا جائز ہے اور تمثال کی بیع کا یہ واقعہ امام صاحبؒ کا مستدل ہے جب کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ بیع مکروہ ہے۔

جیسا کہ یہاں مسروق بن الاجدعؒ تابعی کے قول سے ثابت ہوتا ہے..... **فیکون دلیلا لابی حنفیتہ رحمہ اللہ فی جواز بیع الصنم والصلیب ممن یعبدہ کما ھو طریقتہ القیاس۔ وقد استعظم ذالک مسروق رحمہ اللہ کما ھو طریق الاستحسان الذی ذھب الیہ ابو یوسفؒ و محمدؒ رحمھما اللہ فی کراھتہ ذالک (متہ)** ۔۔ ۱

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ مسروقؒ تابعی کے مسلک کو بیان کرنے کے بعد صاحب کتاب السرخیؒ نے خود اس بات کا موازنہ کر کے یہ کہاں کہا ہے کہ بیع تمثال و اصنام کے مسئلہ میں حضرت معاویہؓ کا قول مقدم ہے اور اسی کو قابل عمل سمجھا جاتا ہے اور مسروقؒ تابعی کا قول اس میں متروک ہے

ولکن مع ھذا قول معاویتہ رضی اللہ عنہ مقدم علی قولہ

اور ساتھ ہی صاحب کتاب نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ یہ مسائل فقہی مجتہدات میں سے ہیں اور بعض اوقات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے ایک دوسرے کے حق میں وعید کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔ (یہاں ایک حضرت علی المرتضیٰؓ سے وعید کا قول دوسرے شخص کے بارے میں نقل کیا ہے)

مطلب یہ ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں بعض اوقات صحابہ کرامؓ اور تابعین کے درمیان وعید کے الفاظ کا پایا جانا کوئی معیوب چیز نہیں ہے اور اظہار ما فی الضمیر اور احقاق حق کے درجہ میں اسی طرح کا کلام پایا جانا کچھ بعید نہیں۔

۱ المبسوط لشمس الائمہ السرخسی صفحہ ۴۶، ۴۷ / ج ۲۴ (طبع مصر) تحت کتاب الاکراہ

مسروقؒ کے قول کی توجیہ

صاحب کتاب "المبسوط" نے حضرت امیر معاویہؓ کے قول کو مقدم اور راجح قرار دیا ہے اور مسروقؒ کے قول کو مرجوح اور متروک کہا ہے۔
اس کے بعد ساتھ ہی مسروقؒ کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں مسروقؒ کے یہ نظریات بطور اعتقاد نہیں تھے (بلکہ فرط جوش میں آکر انہوں نے ایسا کہہ دیا تھا)

کیونکہ حضرت امیر معاویہؓ کبار صحابہؓ میں سے ہیں اور ان کا مرتبہ کاتب الوحی کا ہے اور وہ اپنے دور کے امیر المومنین تھے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں حکمرانی کی بشارت عنایت فرمائی تھی۔

وانما قلنا هذا لانه لا يظن بمسروق رحمه الله انه قال فى معاوية رضى الله عنه ما قال عن اعتقاد

وقد كان هو من كبار الصحابة رضى الله عنهم و كان كاتب الوحى و كان امير المومنين و قد اخبره رسول الله صلى الله عليه وسلم بالملك بعده فقال له عليه السلام يوما اذا ملكت امر امتى فاحسن اليهم-" ؎ ۱

حضرت معاویہؓ کے حق میں بدگوئی پر تنبیہہ

شمس الائمہ السرخسی نے فرق مراتب کا ذکر کرتے ہوئے پہلے حضرت علی المرتضیٰ کا فائق مرتبہ ذکر کیا ہے اور ان کے بعد حضرت معاویہؓ کا درجہ بیان کیا ہے۔
پھر اس کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں بدگوئی کرنے والے ایک شخص کا واقعہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت معاویہؓ کی طرف سے دفاع پایا جاتا ہے

ایک واقعہ

وہ اس طرح ہے کہ ابتدا میں محمد بن الفضل حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف بدگوئی اور عیب جوئی کیا کرتے تھے انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کے منہ سے لمبے بال نکل کر پاؤں تک

۱ کتاب المبسوط لشمس الائمہ السرخسی صفحہ ۴۷ / ج ۲۴ (طبع مصر) تحت کتاب الاکراہ

لٹک رہے ہیں اور وہ ان بالوں کو اپنے پاؤں میں روندتے ہیں اور زبان سے خون جاری ہے جس سے ان کو سخت اذیت اور تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ جب محمد بن الفضل نے اپنے اس خواب کی معبر سے تعبیر پوچھی تو اس نے کہا کہ آپ کبار صحابہ کرامؓ میں سے کسی صحابیؓ کی بدگوئی کرتے ہیں اور طعن کرتے ہیں اس فعل سے بچئے اور اجتناب کیجئے۔

ويحكى ان ابا بكر محمد بن الفضل رحمه الله كان ينال منه فى الابتداء فراى فى منامه كان شعرة تدلت من لسانه الى موضع قدمه فهو يطوها ويتالم من ذالك ويقطر الدم من لسانه فسال المعبر عن ذالك فقال انك تنال من واحد من كبار الصحابة رضى الله عنه فاياك ثم اياك۔"[۱]

صاحب کتاب نے یہ واقعہ اس لئے نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں بدگوئی اور طعن زنی کرنا درست نہیں۔ وہ اکابر صحابہؓ میں سے ہیں۔

دیگر معروضات

طعن والی روایت کی ابتدا میں مسروق بن الاجدعؒ کی طرف سے حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں جو سخت الفاظ پائے جاتے ہیں اور معترضین نے ان الفاظ کو خوب اچھال کر طعن پیدا کرنے کے لئے عجیب و غریب عنوانات قائم کئے ہیں۔

اس کے متعلق اتنا ذکر کرنا ضروری سمجھا گیا ہے کہ واقعہ ہذا میں یہ الحاقی کلمات معلوم ہوتے ہیں۔ مسروق بن الاجدعؒ حضرت امیر معاویہؓ کے مقام کو بہتر طریقہ پر ملحوظ رکھتے تھے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ:۔

۱۔ بعض مسائل میں حضرت امیر معاویہؓ نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث نہیں بنایا۔ جب یہ مسئلہ مسروق بن الاجدعؒ کے سامنے پیش ہوا تو مسروقؒ کہنے لگے۔

۱۔ **قال مسروق (بن الاجدع) وما حدث فى الاسلام قضاء احب الى منه** [۲]

۲۔ **ما احدث فى الاسلام قضاء اعجب منه** [۳]

۱۔ المبسوط للسرخسی صفحہ ۴۶، ۴۷ / ج ۲۴ تحت کتاب الاکراہ

۲۔ المسند للدارمیؒ صفحہ ۳۹۷ باب فی میراث اہل الشرک واہل اسلام (طبع ہند)

۳۔ السنن لسعید بن منصور صفحہ ۴۴ / ج ۳ القسم الاول

یعنی مسروق کہنے لگے کہ اسلام میں اس سے زیادہ پسندیدہ اور زیادہ عجیب فیصلہ میرے سامنے نہیں آیا۔

یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ مسروقؒ حضرت امیر معاویہؓ کے قضاء اور فیصلوں کو نہایت پسندیدہ اعتبار کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ ان کو کسی قسم کا عناد اور رنجش نہیں تھی۔

۲۔ نیز قدیم مورخ ابن خیاط[1] نے لکھا ہے کہ قاضی شریح کوفہ سے بصرہ گئے تو ان کے قائم مقام مسروق کو حضرت معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کا قاضی بنایا گیا۔ اگر وہ امیر معاویہؓ کو قابل اعتراض و لائق طعن سمجھتے تو ان کی طرف سے منصب قضا کیسے قبول کر سکتے تھے؟ بنابریں طعن کی مذکورہ روایت کے ابتدائی سخت الفاظ راوی کی اپنی تعبیر معلوم ہوتے ہیں۔

۳۔ دیگر قرینہ یہ ہے کہ اس واقعہ کو شمس الائمہ السرخسیؒ نے اپنی دوسری تصنیف شرح السیر الکبیر ۲۷۸ جلد ثانی تحت مسئلہ ہذا میں بھی ذکر کیا ہے مگر وہاں اس قسم کے شدید الفاظ جو یہاں مذکور ہیں بالکل نہیں پائے جاتے۔ یہ بھی اس بات کی تائید ہے کہ یہ ناقلین کی تعبیرات ہیں جو موجب شبہ بن رہی ہیں چنانچہ السیر الکبیر میں ہے کہ:

..... والذی یروی ان معاویۃؓ بعث بھا لیباع بارض الھند فقد استعظم ذالک مسروق علی ما ذکرہ محمد ذالک فی کتاب الزکوۃ"[2]

۴۔ اور مزید اس چیز پر قرائن موجود ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کسی پر حق گوئی کی پاداش میں ظلم و زیادتی روا نہیں رکھتے تھے

اس چیز پر ہم ایک مشہور تابعی الاعمشؒ کا بیان پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے عدل و انصاف کے معاملہ کو بڑی اہمیت دی ہے حتی کہ مشہور منصف خلیفہ حضرت عمرو بن عبدالعزیزؒ سے حضرت امیر معاویہؓ کو عدل و انصاف میں فائق قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ اور ذھبی نے لکھا کہ

حدثنا محمد بن جواس حدثنا ابو ھریرۃ المکتب قال کنا عندالاعمش (سلیمان بن مھران) فذکروا عمر بن عبدالعزیز و عدلہ فقال الاعمش فکیف لو ادرکتم معاویۃؓ قالوا فی حلمہ؟ قال لا واللہ بل فی عدلہ"[3]

۱ تاریخ خلیفہ بن خیاط صفحہ / ۲۱۷ ج ۱ تحت القضاۃ فی خلافۃ معاویۃؓ

۲ شرح السیر الکبیر صفحہ ۲۷۸ / ج ۲

۳ منہاج السنۃ لابن تیمیۃ صفحہ ۱۸۵ ج ۳

(۲) المنتقی للذھبی صفحہ ۳۸۸ (طبع مصر)

یعنی اگر تم معاویہؓ کے دور کو پالیتے تو وہ عمرو بن عبدالعزیز سے فائق تھے لوگوں نے کہا علم و حوصلہ میں حضرت اعمش نے کہا نہیں بلکہ عدل و انصاف میں بڑھے ہوئے تھے

الاعمش کا یہ بیان قبل ازیں اپنی کتاب مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۵۵ میں ہم نے ذکر کیا ہے اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی شہادت بھی اس مسئلہ پر ذکر کی ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ حق گوئی پر کوئی ظلم و زیادتی کرنے والے نہیں تھے اور معاملات میں عدل و انصاف کے پہلو کو پیش نظر رکھتے تھے۔

اور مسروق تابعیؒ نے اس مسئلہ میں مبالغہ فی الاحتیاط کرتے ہوئے مورتیوں کو اھل ہند کے ہاتھوں فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ نفس بیع کے اعتبار سے یہ جائز ہے (علی طریق القیاس) جیسا کہ ما قبل میں ذکر کیا گیا۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے عدل و انصاف اور دیانت دارانہ معاملات کی روشنی میں یہ چیز معلوم ہوتی ہے کہ حضرت معاویہؓ کے حق میں سختی کے الفاظ جو مسروق کی طرف منسوب ہیں وہ درست نہیں اور ناقلین کی تعبیر کو اس میں بڑا دخل ہے۔

کیونکہ حضرت امیر معاویہؓ کی جانب سے ان کے خلاف کسی مسئلہ بیان کرنے والے پر سختی اور تشدد نہیں کیا جاتا تھا اس پر اس دور کے واقعات شاہد ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ پر ایک مستقل عنوان (حق گوئی اور آزادی رائے کے خاتمہ کا جواب) ہم نے مرتب کر دیا ہے اس کی طرف رجوع فرمالیں۔

منبر نبویؐ اور حضرت امیر معاویہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق طعن کرنے والوں نے کئی مسائل ایجاد کئے ہیں اور اپنی روایات کے ذریعے لوگوں میں پھیلائے۔ یہ سلسلہ مطاعن بہت طویل ہے مگر جو چیزیں عام لوگوں کے لئے زیادہ پریشان کن ہیں اور ذہنی کوفت کا باعث بنتی ہیں ان میں سے چند ایک چیزیں پیش کی جاتی ہیں اور ساتھ ہی ان کا جواب تحریر کیا جاتا ہے۔

(۱)

مثال کے طور پر بعض روایات میں پایا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حکم دیا کہ اس کو مدینہ منورہ سے اٹھا کر ملک شام لے جایا جائے۔ لیکن جب منبر نبویؐ کو اپنی جگہ سے ہلایا گیا تو فوراً آفتاب بے نور ہو گیا حتی کہ آسمان میں ستارے نظر آنے لگے اور لوگوں نے اس معاملے کو بڑا اہم خیال کیا۔ جب یہ صورت حال پیدا ہو گئی تو حضرت امیر معاویہؓ نے اپنا قصد تبدیل کر لیا اور کہنے لگے میں منبر نبویؐ کو اپنی جگہ سے اٹھا لے جانا نہیں چاہتا تھا بلکہ مجھے خوف تھا کہ کہیں اس کو نیچے سے دیمک نہ لگ گئی ہو۔ اس لئے میں نے اس کو اپنی جگہ سے اٹھایا ہے۔ پھر منبر نبویؐ کو وہیں نصب کر دیا اور اس پر غلاف پوشی کر دی۔

چنانچہ علامہ طبری نے اسے بالفاظ ذیل تحریر کیا ہے :۔

قال محمد بن عمر (الواقدی) وفی ھذہ السنۃ امر معاویۃ بمنبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یحمل الی الشام فحرک فکسفت الشمس حتی رئیت النجوم بادیۃ یومئذ فاعظم الناس ذالک فقال لم ارد حملہ انما خفت ان یکون ارض فنظرت الیہ ثم کساہ یومئذ

"اطلاع"۔۔۔۔۔۔۔ تاریخ طبری کی اس روایت کو شیعی مورخین مسعودی وغیرہ نے "مروج الذھب" میں بڑے عمدہ پیرایہ میں بطور طعن درج کیا ہے وہاں یہی روایت ہے کوئی الگ واقعہ نہیں ہے۔

مخالفین صحابہؓ نے اس کو خوب اچھالا ہے روایت بھی ان کی ہے پھر طعن بھی ان کی طرف سے کیا جا رہا ہے (یا للعجب)

الجواب

طبری کی روایت ہذا میں اس واقعہ کو نقل کرنے والا محمد بن عمرو الواقدی ہے اور الواقدی نے جہاں دیگر بہت سی بے اصل اور متروک روایات نقل کی ہیں وہاں یہ روایت بھی الواقدی ہی کی مرہون منت ہے۔

اس مقام میں طبری نے کچھ دیگر واقعات بھی الواقدی سے ہی نقل کیے ہیں جو قابل قبول نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ الواقدی کے متعلق علماء رجال نے تعدیل کے ساتھ ساتھ سخت تنقیدات بھی ذکر کی ہیں او راہل علم حضرات ان سے بخوبی واقف ہیں۔ ان تنقیدات میں سے کچھ قدر ہم نے قبل ازیں کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' کے ص ۲۸۸/۳۴۵ پر ذکر کر دی ہیں۔

اب یہاں بھی بقدر ضرورت الواقدی پر نقد پیش کیا جاتا ہے تاکہ مذکورہ بالا مطاعن کی روایات کا بے اصل ہونا پایہ ثبوت تک پہنچے۔

(۱) الواقدی پر نقد

علامہ ابن حجر اور حافظ الذھبی وغیرھم نے اکابرین امت کے حوالہ سے الواقدی پر مندرجہ ذیل نقد نقل کیا ہے :۔

۱۔ **قال احمد بن حنبلؒ الواقدی کذاب..... قال الشافعی کتب الواقدی کلھا کذب.....الخ۔**[۱]

۲۔ **قال احمد بن حنبلؒ ھو کذاب یقلب الاحادیث........ قال البخاری و ابو حاتم متروک........ واستقر الاجماع علی وھن الواقدی.....الخ۔**[۲]

حاصل یہ ہے کہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ بغداد کا ساکن تھا اور متروک الحدیث ہے اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ الواقدی کذاب ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ الواقدی کی تمام کتابیں دروغ محض ہیں نیز امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ شخص (الواقدی) جھوٹے ہونے کے ساتھ

۱ تہذیب التہذیب لابن حجر صفحہ ۳۶۴ ۔ ۳۶۶ جلد نہم تحت محمد بن عمرو والواقدی الاسلمی

۲ میزان الاعتدال للذہبی صفحہ ۱۱۰ / ج ۳ طبع قدیم مصر تحت محمد بن عمر بن الواقد الاسلمی

ساتھ احادیث میں کئی قسم کی تبدیلیاں کر دیتا تھا

الواقدی کے ضعیف ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔ نیز بہت سے دیگر علماء مثلاً" ابن حبان نے کتاب المجروحین میں ابو نعیم اصفہانی نے کتاب الضعفاء میں' ابن عدی نے الکامل میں یحییٰ ابن معین نے اپنی تاریخ میں عقیلی نے کتاب الضعفاء میں ابن حجر نے لسان المیزان میں اور الذھبی نے المغنی میں الواقدی پر خوب جرح و نقد کر دیا ہے۔ جو اس کی منقولہ روایات کے عدم قبول کے لئے کافی ہے۔

۲۔ الواقدی کا مسلک

اس کے بعد الواقدی کے نظریاتی مسلک کے متعلق ایک خاص تائید مشہور الشیعی مورخ کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔

چنانچہ ابن ندیم الشیعی نے اپنی مشہور تالیف الفہرست ابن ندیم میں ص ۱۵۰ پر "اخبار الواقدی" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے کہ :۔

وکان یتشیع حسن المذھب' یلزم التقیۃ' وھوالذی روی ان علیا علیہ السلام کان من المعجزات النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا لعصاء لموسی علیہ السلام و احیاء الموتی لعیسی ابن مریم علیھما السلام و غیر ذالک من الاخبار۔"[۱]

مطلب یہ ہے کہ ابن ندیم کے قول کے مطابق محمد بن عمرو الواقدی اچھے مذہب والا شیعہ بزرگ تھا اور تقیہ کو لازم کئے ہوئے تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے تھے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے عصاء اور حضرت عیسی ابن مریم علیھما السلام کے لئے مردوں کو زندہ کرنا معجزہ تھا۔ نیز اس قسم کی دیگر اخبار بھی اس نے نقل کی ہیں۔

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ چونکہ مورخ ابن ندیم خود شیعہ بزرگ ہے اس لئے الواقدی کو اس نے "حسن المذہب" کہا ہے اور "تقیہ کو لازم کرنا" الواقدی کی عمدہ صفت قرار دیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ ابن ندیم الشیعی کے قول کی روشنی میں الواقدی عمدہ تقیہ باز شیعہ بزرگ تھا۔

۱ الفہرست لابن ندیم صفحہ ۱۵۰ تحت اخبار الواقدی

۳۔ الواقدی کا سیاسی نظریہ

نیز الواقدی کے متعلق روایات میں یہ چیز دستیاب ہوتی ہے کہ سیاسی نظریات کے طور پر یہ بزرگ عباسی دور (ھارون الرشید وغیرھم) کا اپنے فن میں لائق فائق اور یگانہ فرد تھا۔ اور اس دور میں اس کو عشرۃ آلاف درھم (دس ہزار درہم) انعام ملا تھا۔ علاوہ ازیں اس پر بہت کچھ اکرام و انعام ہوتا تھا۔ ۱

الواقدی عباسی دور کے خلفاء اور خصوصاً" ان کے وزیر خالد بن یحییٰ برمکی کا خاص درباری تھا اور بعض اوقات قاضی بغداد بھی رہا۔

عموماً" عباسی امراء بنو امیہ کے سیاسی طور پر سخت خلاف تھے۔ ۲ لیکن المامون بن ھارون الرشید کے متعلق تو تاریخوں میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ بعد میں شیعہ ہو گیا تھا۔ ۳ اور یہ چیز بھی مورخین نے واقدی کے متعلق تحریر کی ہے کہ **ثم رجع الی بغداد فلم یزل بھا الی ان قدم المامون من خراسان فولاہ القضاء بعسکر المھدی فلم یزل قاضیا حتی مات ببغداد** (۲۰۷ھ) (طبقات ابن سعد ص ۷۷ جلد ۷ تحت محمد بن عمرو الواقدی) فلہذا قرین قیاس یہ ہے کہ بنو امیہ کی مذمت میں ان ہوا خواہ افراد نے اپنے امراء کی خوشنودی میں خوب روایات تالیف کیں اور اسی ضمن میں حضرت امیر معاویہؓ بن ابی سفیانؓ اموی کے خلاف مرویات بھی اسی سلسلہ کے باقیات میں سے ہیں۔

پس جو روایات ان لوگوں سے حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف اور ان کی تنقیص میں دستیاب ہوتی ہیں ان کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

(اس چیز کو ناظرین کرام دواما" خوب ملحوظ رکھیں یہ ہماری ملی تاریخ کا اصولی اور بنیادی ضابطہ ہے)

۴۔ مرویات الواقدی کا درجہ

بعض لوگ اس مقام میں اگر یہ شبہ پیدا کرنا چاہئیں کہ مندرجات بالا کی روشنی میں تو

۱ طبقات لابن سعد صفحہ ۳۱۴ / ج ۵، صفحہ ۳۲۱ / ج ۵ تحت محمد بن عمرو الواقدی طبع لیڈن

۲ الانتقاد علی تمدن الاسلامی صفحہ ۲۰ - ۲۵ للعلامہ شبلی النعمانی

۳ دول الاسلام للذہبی صفحہ ۹۴ / ج اول (تحت ۲۱۱ھ)

(۲) العبر فی خبر من غبر للذہبی صفحہ ۳۵۹ / ج اول تحت ۲۱۱ھ طبع کویت

الواقدی کی تمام مرویات اور روایات قابل رد ہوئیں اور متروک ٹھہریں حالانکہ اہل علم اس کی روایات کو قبول کرتے ہیں اور اپنی تصانیف میں جگہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس پر واقعات شاہد ہیں تو پھر اس دو رخی پالیسی کا کیا مطلب ہے؟

اس کے متعلق ازالہ شبہ کے درجہ میں عرض ہے (اور اس چیز کو کبار علماء خوب جانتے ہیں) کہ الواقدی بزرگ ہو یا کوئی دوسرا شخص ان کی روایات کے مقبول ہونے کے لئے عندالعلماء قاعدہ یہ ہے کہ دیگر اکابر محدثین اور با اعتماد مورخین کی جانب سے ان چیزوں کی توثیق اور موافقت پائی جائے اور کسی ضابطہ شرعی اور آئین اسلامی کے خلاف بھی نہ ہوں تو ان کے قبول کرنے میں حرج نہیں اور ان کو اخذ کرنا درست ہے۔

اور جہاں الواقدی وغیرہ ان اشیاء میں متفرد ہوں اور ان کا کوئی متابع بھی نہ پایا جائے تو وہ چیزیں قابل اعتماد اور لائق قبول نہیں ہوتیں۔

اب اس ضابطہ کو معلوم کر لینے کے بعد مذکورہ شبہ زائل ہو جائے گا اور اہل علم حضرات کے طریق کار پر اعتراض وارد نہ ہو گا۔

مختصر یہ ہے کہ اس نوع کی روایات کے رد و قبول کے متعلق علماء نے اپنے اپنے مقام میں قاعدے اور ضابطے ذکر کر دیئے ہیں مندرجہ ذیل مقامات کی طرف رجوع کر کے تسلی کی جا سکتی ہے عبارات نقل کرنے میں تطویل ہوتی ہے۔ ۱

ایک اعجوبہ

معترض دوستوں کے ایک کے طبقہ (قرامطہ) کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے بیت اللہ سے "حجر اسود" اکھیڑ لیا تھا اور اپنے علاقہ میں لے گئے تھے اور پھر ایک مدت کے بعد زر کثیر وصول کر کے واپس کیا تھا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے لئے معترض لوگوں نے منبر نبویؐ کے ملک شام لے جانے کے متعلق جو قصہ تصنیف کیا ہے وہ اگرچہ سراسر بے بنیاد ہے لیکن اگر بالفرض اس کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو انہوں نے منبر نبویؐ کو اپنی جگہ سے ہٹانے کے بعد پھر وہیں نصب کر دیا اور

۱ فتح المغیث للسخاوی (شرح الفیتہ الحدیث للعراقی) ۲۴۹ / ۲۵۰ جلد اول تحت بحث ہذا

۲ شرح تقریب النواوی تدریب الراوی للسیوطی) ۱۸۰ تحت النوع الحادی والعشرون

۳ شرح نخبتہ الفکر صفحہ ۵۵ تحت بحث ہذا طبع مجتبائی دہلی

غلاف پوشی کی۔ مگر یہ لوگ تو آثار اسلامی یعنی ''حجر اسود'' کو اپنے مقام سے اکھیڑ کر اپنے علاقہ میں لے گئے تھے اور خرق عادت کسی چیز کا ظہور نہ ہوا نہ زلزلہ آیا نہ شمس و قمر بے نور ہوئے اور نہ ہی پہاڑوں میں جنبش ہوئی

معترض دوستوں کو حضرت امیر معاویہؓ پر طعن قائم کرنے سے پہلے اپنے ایک طبقہ کے لوگوں پر توجہ کرنی چاہئے تھی جو ''آثار اسلامی'' کی توہین کے مرتکب ہوئے اور انہوں نے اپنی خست طبع کا مظاہرہ کیا اور کافرانہ کردار ادا کیا۔

شیعوں کے فرقہ اسماعیلیہ میں یہ قرامطہ ہیں انہوں نے ص۳۱۹ / ۳۱۷ھ میں حجر اسود کے ساتھ جو اہانت کا معاملہ کیا تھا اور حجر اسود کو بائیس (۲۲) سال کے بعد زر کثیر کے عوض واپس کیا تھا اس کی تفصیلات مندرجہ ذیل مقامات میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) کتاب دول الاسلام للذھبیؒ ص۱۴۰ / ۱۴۱ جلد اول تحت ۳۱۷ھ طبع حیدر آباد۔

(۲) البدایہ لابن کثیرؒ ص۱۶۰ / ۱۶۱ جلد ۱۱ تحت ۳۱۷ھ طبع اول مصر۔

(۳) البدایہ لابن کثیرؒ ص۲۲۳ / ج۱۱ تحت ۳۳۹ھ طبع اول مصر۔

(۴) مرقاۃ شرح مشکوۃ ص۳۲۰ جلد خامس باب دخول مکہ۔

(۵) تحفہ اثنا عشریہ ارشاہ عبد العزیزؒ دہلوی ص۱۵-۱۶-۱۹ طبع سہیل اکیڈمی۔ لاہور۔ تحت باب اول در کیفیت حدوث مذہب تشیع و انشعاب آں

(۲)

منبر پر دیکھو تو قتل کر دو

اور بعض دیگر روایات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے متعلق اس طرح پایا جاتا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

۱۔ **اذا رایتموہ علی المنبر فاقتلوہ**

اور اس طرح بھی روایات میں دستیاب ہوتا ہے کہ:۔

۲۔ **اذا رائتم معاویتہ بن ابی سفیان یخطب علی منبرہ فاضربوا عنقہ قال الحسن فما فعلوا فلا افلحوا** اس مضمون کی کئی روایات بعض کتب میں پائی جاتی ہیں جن کی روشنی میں حضرت امیر معاویہؓ پر طعن کرنے والے لوگوں میں تنفر کی فضا قائم کرتے ہیں اور اپنے بغض و عناد کا اظہار کرتے ہیں۔

حالانکہ یہ روایات بالکل جعلی اور بے اصل ہیں۔

الجواب

مندرجہ بالا روایات کے کذب و افتراء ہونے پر علماء نے سابقاً" کلام کر دیا ہے ہم اس پر ذیل میں روایتاً" اور درایتاً" نقد ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ جس سے ان روایات کا دروغ محض ہونا واضح ہو جائے گا۔

روایتاً" نقد

مندرجہ بالا روایت کے متعلق امام بخاریؒ نے اپنی مشہور تصنیف تاریخ الصغیر میں اس روایت کے بے اصل ہونے پر عمدہ جرح کر دی ہے چنانچہ امام بخاری تحریر کرتے ہیں کہ :۔

(۱) ..... **وھذا مدخول لم یثبت**

(۲) ..... **وھذا واھ**[۱]

یعنی روایت میں یہ الفاظ بزور داخل کئے گئے ہیں اور درجہ ثبوت کو نہیں پہنچتے۔

نیز فرمایا کہ یہ روایت بے اصل ہے (ثابت نہیں)

امام بخاریؒ نے الاعمشؒ سے اسی مقام میں نقل کیا ہے کہ :

انہ قال نستغفر اللہ من اشیاء کنا نرویھا علی وجہ التعجب اتخذوھا دینا۔(یعنی الاعمشؒ کہتے ہیں کہ نستغفراللہ جن روایات کو ہم علی وجہ التعجب نقل کرتے تھے لوگوں نے اس کو دین بنا لیا۔ اور دوسری روایت جو حسن البصریؒ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اسے ایک مقام میں منسوب کرنے والا عمرو بن عبیدالمعتزلی ہے

عمرو بن عبید المعتزلی کے متعلق علماء نے تصریح کر دی ہے کہ یہ شخص روایت میں جھوٹ بولتا تھا۔ **کان عمرو یکذب فی الحدیث** ابن عون کہتے ہیں کہ **مالنا والعمرو۔ عمرو یکذب علی الحسن** یعنی ابن عون کہتے ہیں کہ عمرو جناب حسن البصری پر جھوٹ لگاتا تھا۔

قیل لایوب ان عمرو بن عبید روی عن الحسن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رائتم معاویتہ علی المنبر فاقتلوہ فقال کذب عمرو

یعنی ایوب سے کہا گیا کہ عمرو بن عبید حسن البصری سے روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جب تم منبر پر معاویہ کو دیکھو تو قتل کر دو۔

۱ تاریخ الصغیر لامام البخاریؒ صفحہ ۶۸ / ۶۹ تحت عصر من بین الستین الی السبعین طبع اول قدیم الہ آباد

تو ایوب نے کہا کہ عمرو بن عبید نے جھوٹ کہا۔

نیز علماء نے ذکر کیا ہے کہ اس دور کے اہل علم فرماتے تھے **لا تاخذ عن ھذا شئی فانہ یکذب علی الحسن۔**" ۱

یعنی عمرو بن عبید سے روایت کے بارے میں کوئی چیز نہ لو یہ شخص حسن البصری پر جھوٹ لگاتا ہے۔ ۲

خلاصہ یہ ہے کہ منبر پر قتل کی روایت جو حسن بصری کی طرف منسوب کی جاتی ہے یہ حضرت حسن بصری پر افترا ہے جھوٹ ہے انہوں نے ایسی کوئی روایت نہیں ذکر کی۔ امام بخاری نے تاریخ صغیر میں اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ بغداد میں اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے۔

۳۔ اس مقام میں مضمون مذکورہ بالا کی روایت نصر بن مزاحم المنقری نے اپنی مشہور تصنیف "وقعۃ الصفین" میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حسن البصریؒ سے نقل کی ہے **قالا : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رائیتم معاویۃ بن ابی سفیان یخطب علی منبری فاضربوا عنقہ قال الحسن فما فعلوا ولا افلحوا۔** ۳

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب معاویہ بن ابی سفیانؓ کو میرے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھو تو اس کی گردن مار دو۔

حسن (البصری) کہتے ہیں کہ صحابہ نے اس پر عمل نہ کیا اور انہوں نے فلاح نہ پائی

جرح و نقد

یہ اس مضمون کی تیسری روایت ہے جو المنقری نے اپنی سند کے ساتھ کتاب "وقعۃ الصفین" میں ذکر کی ہے۔

اس پر ہم مختصر سا کلام کرنا چاہتے ہیں ناظرین کرام توجہ فرمائیں۔

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ والنہایۃ تحت ترجمہ حضرت معاویہؓ میں اس روایت کے متعلق ذکر کیا ہے کہ اس روایت کی سند میں ایک شخص الحکم بن ظہیر راوی ہے **وھو متروک** (وہ محدثین کے نزدیک متروک ہے اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی)

ابن کثیر اس روایت کے متعلق یہ بھی فرماتے ہیں کہ **وھذا لحدیث کذب بلا**

۱ تاریخ بغداد للخطیب بغدادی جلد ۱۲ صفحہ ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲ تحت ترجمہ عمرو بن عبید المعتزلی

۲ البدایہ لابن کثیر صفحہ ۱۳۳ / ج ۸ تحت ترجمہ معاویہؓ

۱ وقعۃ الصفین نصر بن مزاحم المنقری (المتوفی ۲۱۲ھ) تحت ما ورد من الاحادیث فی شان

شکمہ ۱

یعنی یہ روایت بلا شک دروغ محض ہے۔

اور ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی نے اپنے تذکرۃ الموضوعات میں اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ :۔

اذا رایتم معاویتہ علی منبری فاقتلوہ فیہ الحکم بن ظھیر الفزاری وھو یضع و سرقتہ منہ عباد بن یعقوب الرواجنی وھو من غلاۃ الروافض۔" [۲]

یعنی یہ روایت کہ میرے منبر پر جب تم معاویہؓ کو دیکھو تو اسے قتل کر دو' اس روایت کی سند میں الحکم بن ظھیر الفزاری ہے وہ روایت کو وضع (تصنیف کر لیا کرتا ہے اور حکم بن ظھیر سے عباد بن یعقوب الرواجنی روایت کو سرقہ کیا ہے اور وہ غالی رافضیوں میں سے ہے۔)

نصر بن مزاحم المنقری کے متعلق بقدر ضرورت تشریح کی جاتی ہے۔ اس کے معلوم کر لینے کے بعد اس کی موجودہ روایت سمیت تمام مرویات کا درجہ اعتماد سامنے آ جائے گا کہ یہ شخص کس قسم کا بزرگ ہے اور اس کی مرویات قابل قبول ہیں یا نہیں؟

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ المنقری نے کتاب "وقعتہ الصفین" واقعہ صفین کے متعلق لکھی ہے اس کتاب میں ایک مستقل فصل تحریر کی ہے جس میں حضرت امیر معاویتہ رضی اللہ عنہ کی مذمت اور تنقیص شان کے متعلق مرفوع اور مرسل روایات جمع کی ہیں اور ساتھ ہی اکابر صحابہ کرامؓ کے اقوال فراہم کئے ہیں۔ کتاب ہذا کی صرف یہی ایک فصل دیکھ لینے سے نصر بن مزاحم المنقری کا مذھب اور مسلک واضح ہو جاتا ہے۔

یہ بزرگ نہایت درجہ کا بدزبان رافضی ہے صحابہ کرامؓ کے خلاف مطاعن تالیف کرنا اس کا نصب العین ہے۔

اس شخص کے متعلق اہل سنت اور شیعہ علماء کے صرف چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں جن سے اس کا مذہب و مسلک واضح ہو رہا ہے۔ اس کی مرویات ہم پر کچھ حجت نہیں اور کسی درجہ میں قابل قبول نہیں۔

۱ البدایتہ والنھایتہ لابن کثیرؒ صفحہ ۱۳۳ / ج ۸ تحت ترجمہ معاویتہ بن ابی سفیانؓ

۲ تذکرۃ الموضوعات لابی الفضل محمد بن طاہر المقدسی صفحہ ۶ (تحت الروایتہ)

العقیلی نے کتاب الضعفاء میں مندرجہ ذیل الفاظ اس کے حق میں ذکر کیے ہیں۔
کان یذھب الی التشیع وفی حدیثہ اضطراب و خطاء کثیر۔" ۱
۲۔ حافظ ابن حجر نے اس کے متعلق لسان المیزان میں اور حافظ ذھبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ :۔ یہ رافضی ہے اور متروک ہے اور کذاب ہے زائغ الحدیث ہے قال العجلی: رافضی غال۔" ۲
اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ بغداد جلد ۱۳ میں لکھا ہے کہ المنقری پختہ رافضی تھا۔
۳۔ اور شیعہ کے علمائے تراجم نے مندرجہ ذیل الفاظ میں المنقری کے شیعہ ہونے کی توثیق کی ہے :۔ شیخ عبداللہ المامقانی لکھتے ہیں کہ :۔
المنقری مستقیم الطریقہ تھا اور صالح الامر تھا اس نے بہت سی تصانیف کی ہیں مثلاً "کتاب الجمل" کتاب الصفین اور کتاب نھروان اور مقتل حسینؓ وغیرہ وغیرہ
اور لکھا ہے کہ یہ شخص ممدوح ہے اور بلا شبہ امامی ہے اور بااعتماد ہے۔ صحیح النقل ہے وغیرہ وغیرہ۔ ۳

درایت کے اعتبار سے

روایات پر سند کے اعتبار سے بحث کرنے کے بعد اب باعتبار درایت کے کلام پیش کیا جاتا ہے۔
چنانچہ امام بخاریؒ نے اس مقام میں ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کو فاروق اعظمؓ کے دور میں ان کے حکم سے شام کے علاقہ میں امیر بنایا گیا اور آپؓ کم و بیش دس سال امیر شام رہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ میں سے ایک بھی ان کو منبر پر قتل کرنے کے لئے نہیں اٹھا جو انؓ کا منبر پر خاتمہ کر دیتا۔
یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کی مذکورہ بالا روایات بے اصل ہیں ان کے لئے کوئی اصل نہیں اور نہ ہی اس نوع کا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کسی ایک صحابیؓ کے حق میں موجود ہے۔ ورنہ اس فرمان نبویؐ پر صحابہ کرامؓ ضرور عمل کرتے۔

۱ کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی صفحہ ۳۰۰ / ج ۴ تحت نصر بن مزاحم المنقری
۲ لسان المیزان لابن حجر صفحہ ۱۵۷ / ج ۶ تحت نصر بن مزاحم المنقری
۳ تنقیح المقال فی علم الرجال للشیخ عبداللہ المامقانی الشیعی صفحہ ۲۶۹ / ۲۷۰ تحت نصر بن مزاحم الکوفی المنقری (طبع تہران)

وقد ادرک اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم معاویتہ امیرا فی زمان عمرؓ بامر عمرؓ و بعد ذالک عشر سنین فلم یقم الیہ احد فیقتلہ۔ وھذا مما یدل علی ھذہ الاحادیث ان لیس لھا اصول ولا یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبرہ علی ھذا النحو فی احد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔" [۱]

اسی طرح حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنھایتہ میں اس روایت کے بے اصل ہونے پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

ولو کان صحیحا لبادرالصحابتہ الی فعل ذالک' لانھم کانوا لا تاخذھم فی اللہ لومتہ لائم۔" [۲]

یعنی اگر یہ فرمان نبوی صلعم صحیح ہوتا تو اس پر عمل کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ جلدی کرتے اس لئے کہ ان کو دین کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں ہوتا تھا۔

ابن کثیرؒ مزید تحریر کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کے دور کو بے شمار صحابہ کرامؓ نے پایا ہے۔ مثلاً حضرت اسامہ بن زیدؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت جابر بن عبداللہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت سلمہ بن مخلدؓ حضرت ابو سعید الخدریؓ حضرت رافع بن خدیجؓ حضرت ابو امامتہؓ حضرت انس بن مالکؓ وغیرھم پھر لکھا ہے کہ یہ حضرات ہدایت کے چراغ تھے علم دین کے ظروف تھے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نازل ہوتے دیکھنے والے تھے اور دین کی تبدیلی (جاہلیت سے اسلام کی طرف) ان کے سامنے ہوئی تھی اور اسلام سے انہوں نے دین میں وہ معرفت حاصل کی جو دوسروں کو حاصل نہیں ہو سکی اور قرآن کے معانی کو انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔

فلہذا یہ حضراتؓ دین میں ہر طرح کامل تھے اور اطاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بعد میں آنے والے لوگوں سے فائق تھے۔

یہ تمام صحابہ کرامؓ حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں ان سے بیعت کرنے کے بعد ان کے ساتھ ہو گئے تھے کسی صاحب نے کوئی مخالفانہ رویہ اختیار نہیں کیا تھا چہ جائیکہ یہ لوگ حضرت معاویہؓ کو منبر پر قتل کرنے کے لئے کھڑے ہو جاتے اور وہ قول جو روایت میں حضرت حسنؓ کی طرف منسوب کیا گیا ہے

۱ تاریخ الصغیر لامام البخاریؒ صفحہ ۶۸ / ۶۹ طبع اول قدیم۔ الہ اباد تحت عصر من بین الستین الی السبعین

۲ البدایتہ والنھایتہ لابن کثیرؒ صفحہ ۱۳۳ / ج ۸ تحت ترجمہ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ

قال "الحسن فما فعلوا ولا افلحوا" یہ کلمہ دروغ بے فروغ ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ نے عام الجماعۃ کے بعد اتفاق کر کے دین کے فروغ کے لئے جدوجہد کی اور ہر مرحلے میں کامیاب اور فتح یاب ہوئے اندریں حالات یہ کہنا کہ انہوں نے فلاح نہیں پائی اور فتح انہیں نصیب نہیں ہوئی یہ سب المنقری کے اکاذیب طیبہ سے ہے اس بے چارے کو صحابہ کرامؓ اور اسلام کی ترقی کے ساتھ دلی عناد تھا اس بنا پر ایسی روایات اپنی تصانیف میں بھرتا چلا گیا ہے۔

مختصر یہ ہے ممبر پر قتل کی روایات روایتہ و درایتہ بے اصل ہیں مقام طعن میں ان کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

(۳)

طعن کرنیوالے لوگوں کا طریق کار یہ ہے کہ جہاں کہیں روایات میں بنو امیہ کی مذمت اور ان کے خلاف مواد پایا جائے اسے فراہم کر کے عوام میں نفرت کی فضا قائم کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ اگرچہ ان روایات میں بنو امیہ صحابہ کرامؓ کے اسماء مذکور نہ ہوں تب بھی ان روایات کا محمل اور مصداق ان چند اموی صحابہؓ کو قرار دے کر مطعون کرنے اور ان کو مبغوض ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں کئی روایات کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان کو مطاعن صحابہؓ میں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ اس مقام کی بعض روایات میں اس طرح ہے کہ :۔

حضرت حسن بن علی المرتضیٰؓ نے جب حضرت امیر معاویہؓ سے بیعت کر لی اور منصب خلافت ان کو تفویض کر دیا اس وقت ایک شخص نے حضرت حسنؓ کو عار دلانے کے طور پر کہا۔ "اے مومنوں کے چہروں کو سیاہ کر دینے والے! تو نے اس شخص کی بیعت کر لی؟ (یعنی معاویہ بن ابی سفیان کی بیعت کر لی)

تو روایت میں ہے کہ حضرت حسنؓ نے جواب میں مندرجہ ذیل روایت ذکر کی :۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھلایا گیا کہ آنجناب صلعم کے منبر پر بنی امیہ چڑھ رہے ہیں۔

اور بعض روایات میں ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ بنو امیہ آنجناب صلعم کے منبر پر یکے بعد دیگرے خطبہ دے رہے ہیں۔ اور بعض روایات کے اعتبار سے ہے کہ یوں دکھلایا گیا کہ بنو امیہ آنجناب صلعم کے منبر پر چڑھتے اور اترتے ہیں جیسے کہ بندر نیچے اوپر کودتا ہے۔

تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیز شاق گزری اور مکروہ معلوم ہوئی۔ بقول بعض

روایات اس کے بعد آنجناب صلعم کبھی کھل کر نہیں ہنسے اور اس پریشانی کے ازالہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو سورتیں نازل ہوئیں۔ **انا اعطینک الکوثر** اور **انا انزلنہ فی لیلتہ القدر۔ لیلتہ القدر خیر من الف شھر** یعنی ملک بنی امیہ)

روایت کرنے والوں میں سے بعض راوی کہتے ہیں کہ ہم نے الف شہر کو شمار کیا تو وہ بنی امیہ کے عہد امارت کے بالکل موافق ٹھہرا۔

مطلب یہ ہے کہ معترض لوگوں نے اس روایت کے اعتبار سے بنی امیہ کی خلافت و امارت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قبیح اور مکروہ قرار دیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنجناب صلعم کے نزدیک یہ تمام دور امارت ناپسندیدہ اور قابل نفرت ہے اور بنو امیہ کے تمام امراء آنجناب صلعم کے نزدیک مبغوض و مکروہ ہیں اور مندرجہ روایات کے عموم الفاظ (بنو امیہ) کے اعتبار سے حضرت عثمانؓ عتاب بن اسیدؓ اور حضرت امیر معاویہؓ بھی ان میں شمار و شریک ہیں۔ فلہذا یہ حضرات صحابہ کرامؓ بھی اس زمرہ میں شامل ہیں۔

الجواب

اس مقام میں چند چیزیں ان روایات کی تحقیق کے سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں ان کو پیش نظر رکھنے سے تجویز کردہ طعن کا ازالہ ہو سکے گا۔

اس بحث کے تمام مندرجات پر انصاف کے ساتھ نظر غائر فرمائیں تو امید ہے کہ اطمینان کا باعث ہو گا۔

۱۔ پہلی گزارش یہ ہے کہ پیش کردہ بالا روایات میں ایک ہی واقعہ کا ذکر ہے کہ یہ متعدد واقعات نہیں۔ اور ایک ہی خواب سے متعلق ہے۔

اسی ایک واقعہ کو رواۃ نے اپنی مختلف تعبیرات کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۲۔ دوسری چیز یہ ہے کہ طعن کو مضبوط کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اثبات طعن کے لئے جو مواد پیش کیا جائے وہ عندالخصم اپنی جگہ پر صحیح ہو۔ اور وہ واقعات کے برخلاف نہ پایا جائے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ہم پہلے اس واقعہ کی روایات پر باعتبار سند کے کلام کرتے ہیں

اور پھر اس کے متعلق اکابر علماء کے بیانات پیش کریں گے اور اس کے بعد باعتبار درایت کے کلام کیا جائے گا۔

تاکہ طعن ہذا کے ثبوت اور عدم ثبوت کا درجہ واضح ہو سکے اور اس اعتراض کے صحیح یا

غیر صحیح ہونے کا فیصلہ کیا جا سکے۔

روایت کے اعتبار سے کلام

اس مقام میں بعض روایات کی سند میں ایک راوی ابو الخطاب الجارودی ہے

(۱) ابو الخطاب الجارودی

اس شخص کو اسماء الرجال میں زیدی شیعوں میں شمار کیا گیا ہے اس کا نام سہیل بن ابراھیم ہے۔
چنانچہ شیعہ علماء نے لکھا ہے کہ :۔
الجارودیتہ فرقتہ من زیدیتہ نسبت الی الجارود۔" [۱]
اور ہمارے علماء نے ابو الخطاب الجارودی کے متعلق لکھا ہے کہ : **قال ابن حبان یخطی و یخالف۔**" [۲]
یعنی یہ اپنی مرویات میں خطا کرتا ہے اور معروف روایات کا خلاف کرتا ہے۔
اور اسی سند میں ایک راوی القاسم بن الفضل الحدانی ہے اس کی کنیت ابو المغیرہ البصری ہے

(۲) القاسم بن الفضل الحدانی

اس شخص کے متعلق علماء رجال نے لکھا ہے کہ رمی بالا رجاء قال یحیی بن سعید ذاک منکر قال یحیی القطان کان منکرا۔" [۳]
علامہ ذھبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ :۔
ذکرہ ابن عمرو العقیلی فی الضعفاء [۴] **اور القاسم بن الفضل الحدانی** اس روایت کو

۱ منتھی المقال صفحہ ۴۲۶ - ۲۰۸ طبع قدیم ایران (تحت تشریح فرقہ الجارودیہ)

۲ لسان المیزان لابن حجر العسقلانی صفحہ ۱۲۴ / ج ۳ طبع دکن

۳ تہذیب التہذیب لابن حجر صفحہ / ۳۲۹ ج ۸ تحت القاسم بن الفضل

۴ میزان الاعتدال للذھبی صفحہ ۳۴۲ / ج ۲ تحت القاسم بن الفضل

یوسف بن ماذن سے نقل کرتا ہے۔ اس شخص یوسف کو بعض مقامات میں یوسف بن سعد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۳) یوسف بن ماذن

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ :۔

یوسف بن ماذن رجل مجہول ہے۔

اور علما نے یہاں یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ اس کی جہالت باعتبار ذات کے نہیں بلکہ باعتبار صفات و احوال کے ہے۔ اور اس کی روایت کا جو درجہ ہے وہ عنقریب ہم علماء کے بیانات کے تحت ذکر رہے ہیں (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اسی روایت (صعود علی المنبر) کے راویوں میں موسیٰ بن اسمٰعیل ہے۔

(۴) موسیٰ بن اسمٰعیل

اس کے متعلق علامہ ذھبی نے لکھا ہے کہ :**وتکلم الناس فیہ۔ قلت نعم تکلموا فیہ بانہ ثقتہ ثبت اما رافضی۔** ۱ مطلب یہ ہے کہ شخص ثقہ تو ہے لیکن رافضی ہے

اس روایت کے بعض اسانید میں محمد بن اسحاق صاحب المغازی ہے۔

(۵) محمد بن اسحاق صاحب المغازی

اس شخص کے متعلق جرح و تعدیل کے دونوں پہلو علماء رجال نے ذکر کئے ہیں۔ اور یہاں تک لکھا ہے کہ :۔

صلوق مشہور بالتلبس عن الضعفاء والمجھولین وعن شرمنھم و صفہ بنالک احمد والدار قطنی و غیرھما۔ ۲

اور حواشی نصب الرایہ میں مذکور ہے کہ

قال النواوی فی شرح المھذب ج ۵ ص ۱۳۳ "اسنادہ ضعیف فیہ محمد بن اسحاق صاحب المغازی وھو مدلس واذا قال المدلس "عن" لا یحتج بہ۔ انتہی کلامہ۔

۱ میزان الاعتدال للذھبی صفحہ ۲۰۸ / ج ۳ تحت موسی بن اسمٰعیل طبع قدیم مصری

۲ طبقات المدلسین لابن حجر العسقلانی صفحہ ۱۹

(حواشی نصب الرایۃ ص ۱۵۱ ج ۲ باب الجنائز)

اور روایت مذکور کے بعض اسانید میں السری بن اسمٰعیل البجلی الھمدانی الکوفی راوی ہے۔

(۶) السری بن اسمٰعیل

اس راوی کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ :۔

هو متروک الحدیث..... قال الداری عن ابن معین لیس بشئی قال الاجری عن ابی دائود۔ ضعیف متروک الحدیث قال ابن حبان کان یقلب الاسانید و یرفع المراسیل۔" ۱ **قال النسائی متروک الحدیث و قال غیره لیس بشئی قال احمد ترک الناس حدیثه** ۲

روایت مذکورہ میں ایک اور راوی سفیان بن اللیل الھمدانی الکوفی ہے

(۷) سفیان بن اللیل

اس کے متعلق علماء رجال نے درج ذیل نقد اور جرح ذکر کی ہے :۔

ذھبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ :۔

قال العقیلی کان ممن یغلو فی الرفض لا یصح حدیثه قال ابو الفتح الازدی سفیان مجھول والخبر منکر۔" ۱،۲

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سفیان الھمدانی الکوفی غالی رافضی ہے اس کی روایت صحیح نہیں۔ اور یہ سخت مجھول ہے اور اس کی روایت منکر ہے یعنی معروف روایات کے خلاف ہے۔

اس روایت کی بعض اسانید میں محمد بن حسن بن زبالۃ المخزومی ایک راوی ہے۔

(۸) محمد بن حسن بن زبالۃ

اس روای کے متعلق علماء نے درج ذیل نقد ذکر کیا ہے

قال ابن معین واللہ ما هو بثقه قال هاشم بن مرثد عن ابن معین کذاب، خبیث لم یکن

۱ تہذیب التہذیب لابن حجر صفحہ ۴۵۹، ۴۶۰ / ج ۳ تحت السری بن اسمٰعیل

۲ میزان الاعتدال للذھبی صفحہ ۳۷۰ / ج اول تحت السری بن اسمٰعیل

۱ میزان الاعتدال للذھبی صفحہ ۳۹۷ / ج اول تحت سفیان بن اللیل

(۲) لسان المیزان لابن حجر صفحہ ۵۳، ۵۴ / ج ۳ تحت سفیان بن اللیل

بثقة ولا مامون يسرق الاحاديث قال ابو زرعة واهی الحدیث قال النسائی لا یکتب حدیثه قال احمد بن صالح کتبت عنه مائة الف حدیث ثم تبین لی انه کان یضع الحدیث فترکت حدیثه"۔ ۱

اور علامہ العقیلی نے ابن زبالہ کے متعلق مندرجہ ذیل کلام کیا ہے۔

کان یسرق الحدیث کان کذابا ولم یکن بشئی عنده منا کیر۔"۔ ۲

اور آیتہ "الشجرۃ الملعونۃ" کے تحت جو روایات پیش کی جاتی ہیں اور اس سے مراد بنو امیہ لیتے ہیں ان کی سند میں یہی بزرگ (محمد بن الحسن بن زبالہ ثنا عبدالمھیمن بن عباس) ہے ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس پر سخت تنقید کر دی ہے جو عدم قبولیت کے لئے کافی ہے فرماتے ہیں کہ وھذا السند ضعیف جدا فان محمد بن الحسن بن زبالہ متروک و شیخه ایضا ضعیف بالکلیة (تفسیر ابن کثیر جلد ثالث تحت الایة)

اور اسی طرح روایت حذا کے دیگر اسناد میں عبدالمھیمن بن عباس بن سھل ایک راوی ہے جو محمد بن حسن کا استاد ہے

(۹) عبدالمھیمن بن عباس بن سھل

اس شخص کے متعلق علماء رجال نے لکھا ہے کہ :۔

قال ابن معین هو ضعیف

قال البخاری منکر الحدیث قال النسائی لیس بثقة قال ابن حبان لما فحش الوهم فی روایته بطل الاحتجاج به قال علی بن جنید ضعیف الحدیث روی عن ابائه احادیث منکرہ لا شئی۔ ۳

(۱۰) علی بن زید بن جدعان

اور بعض مرویات کے اسناد میں ایک شخص علی بن زید بن جدعان ہے اس کو علما نے

۱ تہذیب التہذیب لابن حجر صفحہ ۱۱٦ / ج ۹ تحت محمد بن حسن بن زبالہ

۲ الضعفاء للعقیلی صفحہ ۵۸ / ج ۴ تحت محمد بن حسن بن زبالہ المخزومی

۳ الضعفاء للعقیلی صفحہ ۱۱۴، ۱۱۵ / ج ۳ تحت عبدالمھیمن بن عباس

(۲) میزان الاعتدال للذہبی صفحہ ٦۷۱ / ج ۲ تحت عبدالمھیمن طبع بیروت

(۳) تہذیب التہذیب لابن حجر صفحہ ۴۳۲ / ج ٦ تحت عبدالمھیمن بن عباس

ضعیف لکھا ہے۔ ۱ ذھبی کہتے ہیں کہ **قال شبعتہ وکان رفاعا وکان ابن عیینتہ یضعفہ قال حماد بن زید کان یقلب الاحادیث عن یزید بن ربیع قال کان علی بن زید را فضیا عن یحی لیس بشئی کان یتشیع قال البخاری و ابو حاتم لا یحتج بہ**
اسی طرح روایت مذکورہ بالا کے بعض دیگر اسانید میں متعدد افراد قابل نقد و جرح ہیں لیکن ان میں سے صرف ایک پر مختصر سا کلام درج ذیل ہے۔ اور روایت پر جرح کے لئے یہی کافی ہے۔

(۱۱) ابو الجحاف

اس شخص کا نام داؤد ابن ابی عوف ہے۔ اس کے متعلق ابن عدی کہتے ہیں کہ :۔
وھو من غالیتہ اھل التشیع و عامتہ حدیثہ فی اھل البیت وھو عندی لیس بالقوی ولا ممن یحتج بہ فی الحدیث۔"۔ ۳
اور حافظ ذھبی نے بحوالہ ابن عدی لکھا ہے کہ **لیس ھو عندی ممن یحتج بہ۔ شیعی عامتہ یرویہ فی فضائل اھل البیت۔**"۔ ۴

حاصل کلام

روایت ھذا کے اسناد پر نقد و جرح کے سلسلہ میں ہم نے چند ایک راویوں پر مختصر سا کلام علمائے رجال کے حوالہ جات سے ذکر کر دیا ہے۔ اس روایت کے تمام اسانید کو فراہم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ القلیل یدل علی الکثیر
جو اسانید ہمارے سامنے آئے ہیں ان پر نقد و جرح کیا ہے۔ اور سقم روایت کے لئے اس میں کفایت ہے اور صحیح روایت کے اوصاف و شرائط یہاں نہیں پائے گئے فلہذا اس روایت کو عندالمحدثین صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔ خاص طور پر جب کہ بعض رواۃ شیعہ ہوں

۱ البدایہ صفحہ ۲۴۳ / ج ۶ تحت الاخبار عن خلفاء بنی امیتہ جملہ من جملتہ

۲ میزان الاعتدال للذھبی جلد ثالث صفحہ ۱۲۷، ۱۲۸ / تحت علی بن زید بن جدعان طبع بیروت

۳ الکامل لابن عدی صفحہ ۹۵۱ / ج ۳ تحت ابی الجحاف داؤد بن ابی عوف

۴ میزان الاعتدال للذھبی صفحہ ۱۸ / ج ۲ تحت داؤد بن ابی عوف۔ طبع بیروت

(۲) الضعفاء للعقیلی صفحہ ۳۷ / ج ۲ تحت داؤد بن ابی عوف

تو ظاہر ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے خلاف مذمت کی روایات کو نشر کرنا اپنا مسلک سمجھتے ہیں فلہذا ایسے رواۃ کی روایت کو صحابہ کرامؓ کی مذمت اور تنقیص میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔

روایت ھذا کے متعلق اکابر علماء کے بیانات

گزشتہ سطور میں روایت مذکورہ بالا کے اسانید کے متعلق بقدر ضرورت ناقدانہ گفتگو ذکر کی ہے۔ اور اس مضمون کی جو روایات تاحال دستیاب ہو سکی تھیں۔ ان کی سند پر بقدر کفایت نقد ذکر کر دیا ہے۔

اب اس کے بعد اس روایت کے متعلق اکابر علماء کی تنقیدات اور ان کے ناقدانہ بیانات ایک ترتیب سے ذکر کئے جاتے ہیں۔ علماء کرام کے ان بیانات سے روایت کے عدم قبولیت کا درجہ واضح ہے۔

۱۔ مشہور محدث امام ترمذیؒ نے روایت ہذا نقل کرنے کے بعد یہ تحریر کیا ہے کہ:

هذا حديث غريب لا نعرفه الا من هذا الوجه من حديث القاسم بن الفضل و قد قيل عن القاسم بن الفضل عن يوسف بن مازن والقاسم بن الفضل الحدانی هو ثقة يحيى بن سعيد و عبدالرحمن بن مهدی و يوسف بن سعد رجل مجهول ولا نعرف هذا الحديث على هذا اللفظ الا من هذا الوجه" [1] !

اس مقام میں امام ترمذیؒ نے واضح کر دیا ہے کہ روایت ہذا غریب ہے اور قاسم بن الفضل کے ذریعے ہی اس کی معرفت ہوئی ہے۔ اس شخص کے بغیر معروف نہیں ہو سکی۔ اور پھر بعض دفعہ قاسم مذکور یوسف بن مازن سے نقل کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ یوسف بن سعد سے۔ اور یہ یوسف رجل مجہول ہے۔ مختصر یہ ہے کہ یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ صرف اسی ایک واسطہ سے ہمیں معلوم ہوئی ہے۔

۲۔ علامہ ابن کثیرؒ دمشقی نے اس روایت پر گفتگو کی ہے اور امام ترمذیؒ کی مذکورہ بالا تحقیق نقل کرنے کے بعد مزید چیزیں بھی ذکر کی ہیں اور لکھا ہے کہ: **رواه ابن جرير من طريق القاسم بن الفضل عن يوسف بن مازن كذا قال وهذا يقتضى اضطرابا فى الحديث والله اعلم**

ثم هذا الحديث على كل تقدير منكر جدا۔ قال شيخنا الامام الحافظ الحجة ابو

۱ جامع الترمذی صفحہ ۴۸۴ ابواب التفسیر تحت سورۃ القدر طبع لکھنؤ

الحجاج المزی ھو حدیث منکر۔ ۱

اور حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ کے دوسرے مقام میں اس روایت پر بحث کرتے ہوئے یہ بات ذکر کی ہے کہ :-

وقد سالت شیخنا الحافظ الحجاج المزی رحمہ اللہ عن ھذا الحدیث فقال وحدیث منکر۔" ۲

مطلب یہ ہے کہ امام ترمذی کی تصریحات اور حافظ ابن کثیر کے بیانات نے واضح کر دیا کہ یہ روایت غریب ہے اور منکر جدا ہے یعنی معروف روایات کے خلاف پائی جاتی ہے اور سوا اس ایک واسطہ کے کسی دوسرے صحیح طریقے سے دستیاب نہیں ہوتی۔

۳۔ مشہور محدث ابن الجوزی نے العلل المتناھیۃ میں اس روایت کو اپنی سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اس پر نقد کیا ہے اور اس روایت کے عدم صحت کا قول کیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ :-

ھذا حدیث لا یصح' واحمد بن محمد بن سعید ھو ابن عقدۃ قال الدار قطنی کان رجل سوء قال ابن عدی رائیت مشائخ بغداد یسیئون اثناء علیہ۔ ویقولون لا یتدین بالحدیث و یحمل شیوخنا بالکوفۃ علی الکذب و یسوی لھم نسخا ویا مرھم بروایا تھا۔ واکثر رجال ھذا الاسناد مجاھیل۔" ۳

نیز اس روایت کے بعد اسانید میں ابن عقدہ ہے اس پر علمائے رجال نے ناقدانہ مفصل کلام کیا ہے یہ شخص زیدی جارودی شیعہ ہے صحابہ کرامؓ کے خلاف مثالب و معائب املا کراتا تھا حاشیہ ۔ ۴ میں چند ایک حوالے درج کر دیئے ہیں تاکہ اہل علم رجوع کر سکیں اس قسم

۱ تفسیر لابن کثیرؒ صفحہ ۵۳۰ / ج ۴ تحت سورۃ القدر

(۲) البدایۃ والنہایۃ صفحہ ۱۸، ۱۹ / ج ۸ تحت تذکرہ خلافۃ الحسنؓ

۲ البدایہ والنہایۃ لابن کثیرؒ صفحہ ۲۴۴ / ج ۶ تحت ذکر الاخبار عن خلفاء بنی امیہ جملۃ من جملۃ"

۳ العلل المتناھیۃ لابن الجوزی صفحہ ۲۹۴ / ج اول تحت حدیث آخر فی ذم بنی امیۃ

۴ میزان الاعتدال ذھبی صفحہ ۶۵ / ج اول تحت احمد بن محمد بن سعد ابن عقدۃ) طبع مصر قدیم

(۲) لسان المیزان صفحہ ۲۶۶ جلد اول تحت احمد مزکور

(۳) البدایہ صفحہ ۸۷ / ج ۶ تحت روایت رد شمس

(۴) تراجم رجال شیعہ کتب ملاحظہ ہوں یہ زیدی شیعہ اور جارودی شیعہ ہے شیعہ کے نزدیک معتمد شخصیت ہے

کے بزرگ کی روایت اس مقام میں قبول نہیں ہو سکتی۔

۴۔ اور الحاکم نے مستدرک میں یہ روایت قاسم بن الفضل عن یوسف بن مازن نقل کی ہے۔ اس پر تلخیص میں حافظ الذھبی نے نقد کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ :۔

وما ادری آفتہ من این؟

یعنی علامہ الذھبی اس روایت کے متعلق اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ آفت نہیں معلوم کہ کہاں سے آئی؟

مطلب یہ ہوا کہ وہ اس روایت کے مضمون کو صحیح نہیں سمجھتے لیکن متعین طور پر کسی شخص پر نقد کرنے میں متردد نظر آتے ہیں۔

۵۔ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی تفسیر مظہری میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس پر وہی نقد و جرح ذکر کی ہے جو امام الترمذیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ :۔ **قال الترمذی غریب وقال المزی وابن کثیر منکرا جدا۔**" [۱]

مختصر یہ ہے کہ

مذکورہ روایت کے متعلق کبار علماء نے اپنی اپنی عبارات میں نقد کر دیا ہے کہ یہ روایت غریب ہے اور کوئی مشہور و متداول نہیں۔ اور منکر ہے (معروف روایات کے خلاف ہے) اور منکر اجدا ہے نکارۃ رفع نہیں ہو سکی۔

اور بعض علماء اس روایت کی عدم صحت کا قول بھی کرتے ہیں اس کے راویوں میں بعض رجل سوء موجود ہیں اور بعض رجل مجہول ہیں۔ اور اس کے مضمون کو "آفت و بلاء" سے تعبیر کیا ہے۔

اکابر علماء کرام کی ان تصریحات اور تعبیرات سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ روایت درجہ صحت کو نہیں پہنچتی اور قابل اعتماد نہیں ہے۔

"درایت کے اعتبار سے کلام

ماقبل میں اس روایت کے متعلق باعتبار روایت کے کلام کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں اکابر علماء کرام کے بیانات بھی مختصراً ذکر کئے ہیں۔

اب اس مقام میں یہ چیز ذکر کرنا مناسب خیال کیا ہے کہ جو روایت معترض دوستوں نے بنو امیہ کی مذمت اور تنقیص کے طور پر ذکر کی ہے اس کو باعتبار درایت کے جانچ لیا جائے

۱ تفسیر المظہری صفحہ ۳۰۱ پارہ نمبر ۳۰ تحت سورۃ القدر

اور واقعات کے پیش نظر اس کا جائزہ لیا جائے۔

پیش کردہ روایت میں یہ مضمون مذکور ہے کہ بنو امیہ کا منبر نبوی صلعم پر پایا جانا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار معلوم ہوا۔

مطلب یہ ہے کہ منبر کے منصب پر ان لوگوں کا فائز ہونا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شاق ہے اور آنجناب صلعم کو بنو امیہ کے لئے یہ عہدہ ناپسند اور مکروہ ہے۔

اس تمہیدی گزارش کے بعد حالات واقعی پر نظر فرما کر غور فرماویں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود اور آنجناب صلعم کے اکابر جانشینوں نے منصب و عہدہ کے مسئلہ میں بنو امیہ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ اور ان کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا؟

اس پر ذیل میں اجمالاً چند امور پیش خدمت ہیں ان کو ملاحظہ فرماویں۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے جانے کے دوران جناب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مناب اور قائم مقام بنایا۔

استخلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المدینۃ فی غزوتہ الی ذات الرقاع عثمان بن عفان و استخلفہ ایضا علی المدینۃ فی غزوتہ الی غطفان"۔ ۱

یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ پر حضرت عثمان غنیؓ کو اپنا خلیفہ بنایا جب کہ آپ صلعم غزوہ ذات الرقاع کی طرف تشریف لے گئے اور اسی طرح جب آپ صلعم غزوہ غطفان کی طرف تشریف لے گئے تھے تو اس وقت بھی مدینہ طیبہ پر حضرت عثمان غنیؓ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔

اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنیؓ کو متعدد بار مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اور ظاہر بات ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصلیٰ اور منبر پر بطور نائب کے فرائض منصبی سرانجام دیتے تھے۔

نیز خلفائے راشدین کے عہد خلافت میں حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد تمام صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو بلا نزاع (متفقہ طور پر) خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا اور مصلیٰ نبوی صلعم اور منبر نبوی صلعم کا منصب انہیں امت کی طرف سے حاصل ہوا اور کسی قبیلہ اور کسی شخص نے ان کے اس منصب پر فائز ہونے پر کوئی نقد اور اعتراض نہیں کیا۔

بنو امیہ کے منبر نبوی صلعم پر کودنے والی روایت کیا ان سب حضرات کے سامنے نہیں تھی؟ غور فرماویں!

طبقات ابن سعد صفحہ / ۳۹ ج ۳ قسم اول تحت ذکر سلامہ عثمان طبع اول لیدن

(۲) منہاج السنۃ لابن تیمیہ صفحہ / ۱۶ ج ۳

۲۔ نیز یہ چیز قابل توجہ ہے کہ جس وقت مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ شریف سے رخصت ہونے سے قبل قبل بنو امیہ کے ایک مشہور فرد جناب عتابؓ بن اسید بن ابی العیص بن امیہ کو مکہ شریف کا والی اور حاکم مقرر فرمایا (جو زمین پر افضل ترین مقام ہے) اور جناب عتاب بن اسیدؓ اپنے منصب ولایت کے دور میں جہاں دیگر دینی امور سرانجام دیتے تھے وہاں منبر اور مصلیٰ کے فرائض بھی انہیں کے سپرد تھے۔ اور تمام اکابر صحابہ کرامؓ بنو ھاشم ہوں یا بنو امیہ یا قریش کے دیگر قبائل اس منصب کے حصول پر رضا مند تھے اور کسی نے اس معاملہ میں اعتراض نہیں پیدا کیا اور مندرجہ روایت کو پیش نظر نہیں لائے۔

۳۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں بنو امیہ کو دینی امور کے فرائض انجام دینے کے لئے متعدد بار منصب عطا کئے جاتے تھے۔ جس کی قلیل سی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" میں بحث ثالث ص ۳۱۴ کے تحت ذکر کر دی ہے۔

وہاں یہ بھی ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے برادر کلاں یزید بن ابی سفیانؓ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیما کے علاقے پر امیر بنا کر بھیجا تھا۔

مرکز اسلام کی طرف سے جو کسی علاقہ کا امیر مقرر کیا جاتا تھا ظاہر ہے کہ وہ دیگر امور کے ساتھ ساتھ مصلیٰ اور منبر کے متعلق فرائض بھی سرانجام دیتا تھا۔

ویزید بن ابی سفیانؓ (امرہ) علی تیما.....الخ۔ [1]

ایک تجزیہ

روایت ہذا میں بعض راویوں کی جانب سے بنو امیہ کے عہد کی مذمت ظاہر کرنے کے لئے حساب لگایا گیا ہے

وہ اس طرح کہ روایت کے مضمون کے مطابق جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو امیہ کا منبر پر صعود اور نزول دکھایا گیا تو آنجناب صلعم کی طبیعت پریشان ہوئی اور جناب کو یہ چیز ناگوار معلوم ہوئی۔ پس اطمینان و تسکین کی خاطر سورۃ القدر و سورۃ کوثر کا نزول ہوا اور سورۃ القدر میں لیلۃ القدر کا بیان ہے کہ یہ ہزار مہینہ سے بہتر ہے اور ہزار مہینہ کے (۸۳ سال اور ۴ ماہ) ہوتے ہیں اور یہ مدت دولت بنی امیہ کے مطابق ہے یعنی ان کا عہد بھی ایک

۱ کتاب المحبر ۱۲۶ تحت امراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہزار مہینہ بنتا ہے (لا تزید یوما ولا تنقص)

گویا معترض لوگوں کے نزدیک یہ تمام عہد جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ناپسند اور مبغوض ہے۔

راوی کے اس قول کا علما نے تجزیہ کر کے اسے غیر صحیح قرار دیا ہے اس کے لئے مندرجہ ذیل چیزیں قابل غور ہیں

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا عہد (جو بارہ روز کم بارہ برس ہے) حساب کے اعتبار سے دولت بنو امیہ میں شامل و داخل کیا جائے گا۔ حالانکہ یہ عہد جمہور امت کے نزدیک ممدوح ہے مذموم نہیں پسندیدہ ہے مکروہ نہیں

۲۔ پھر حضرت معاویہؓ کا عہد حضرت سیدنا حسنؓ کے ساتھ مصالحت و صلح کے بعد ۴۱ھ سے شروع ہوتا ہے (اور قریباً" انیس برس سے زائد) وہ بھی اس مدت میں شمار ہو گا۔

اور اہل تاریخ کے نزدیک مسلم چیز ہے کہ بنو امیہ کا دور ایک سو بتیس ہجری تک قائم رہا پھر بنو عباس کی طرف خلافت منتقل ہوئی۔

تو اس حساب سے قریباً" ایک سو چار سال تک مدت خلافت (بنی امیہ بنتی ہے جو اعتراض پیدا کرنے والے راوی کے حساب کے بالکل متعارض و مخالف ہے۔

اور اگر بالفرض حضرت عثمانؓ کی مدت خلافت (بارہ برس) وضع بھی کر لی جائے تو اس کے بعد بھی قریباً" بانوے سال ہوتے ہیں اور یہ بھی راوی کے قول کے حساب سے درست نہیں ہے۔

۳۔ نیز روایت کے مقتضی کے اعتبار سے حضرت عمرو بن عبدالعزیزؒ کی خلافت بھی اس مدت میں داخل ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ "محمود عہد" بھی مذموم و مبغوض ٹھہرے حالانکہ اس دور کی مذمت کا ائمہ اسلام میں سے کوئی بھی قائل نہیں۔

پس یہ چیز بھی روایت کے منکر اور ناقابل قبول ہونے پر واضح دلیل ہے

۴۔ طعن کرنے والوں نے روایت بنو امیہ کی مذمت کے لئے ذکر کی ہے اور ان کے عہد کی تنقیص کے لئے پیش کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ لیلۃ القدر کی فضیلت جو ان ایام پر ہے وہ بنو امیہ کے عہد کے مذموم ہونے پر دلالت نہیں کرتی

فما یلزم من تفضیلھا علی دولتھم ذم دولتھم فلیتامل ھذا فانہ دقیق یدل علی ان الحدیث فی صحتہ نظر لانہ انما سیق لذم ایامھم واللہ تعالی اعلم"[۱]

۱ البدایہ صفحہ ۲۴۴ / ج ۶ تحت: ذکر الاخبار عن خلفاء بنی امیۃ جملۃ من جملۃ

مختصر یہ ہے کہ روایت اپنے مضمون کے تقاضوں کے اعتبار سے محل نظر ہے اور اپنے مفہوم میں صحیح ثابت نہیں ہو سکتی۔

اس بنا پر اکابر علماء کو اس کی صحت پر اعتماد نہیں اور قابل تامل قرار دیتے ہیں نیز اہل علم کے اطمینان کے لئے تفسیر ابن کثیر کی بعینہ عبارت درج ہے اور مذکورہ بالا عبارت البدایہ سے نقل کی تھی۔ **ومما يدل على ضعف هذا الحديث انه سيق لذم بنى امية ولو اريد ذالك لم يكن بهذا السياق فان تفضيل ليلة القدر على ايامهم لا يدل على ذم ايامهم فان ليلة القدر شريفة جدا والسورة الكريمة انما جائت لمدح ليلة القدر فكيف تمدح بتفضيلها على ايام بنى امية التى هى مذمومة بمقتضى هذا الحديث** ۔ ؎ ا

حاصل کلام

یہ ہے کہ منبر نبوی صلعم پر بنو امیہ کے چڑھنے اور اترنے کی روایات کے متعلق ایک طریقہ سے کلام کر دیا ہے اور ساتھ ساتھ اس کا مختصر سا تجزیہ بھی پیش کر دیا ہے۔ ان تمام مندرجات پر نظر انصاف فرماویں۔

مثلاً **رای رسول الله صلى الله عليه وسلم بنو امية على منبره فساء ذالك**
ينزون على منبرى كما تنزو القردة
رائى بنو امية يخطبون على منبره رجلا رجلا ۔ وغیرہ وغیرہ

بالفرض اگر یہ روایات درست ہیں تو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بنو امیہ کے ساتھ معاملات جن میں سے بعض کا قلیل سا ذکر کیا ہے۔ یہ کیسے درست ہوئے؟

اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو امیہ کے مذکورہ لوگوں کو دینی معاملات میں کیسے اپنا قائم مقام بنایا اور اپنے مصلی اور منبر پر فائز فرمایا؟

اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر خلفاء راشدین حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے بھی بنو امیہ کے اکابر کو کس طرح دینی مناصب تفویض فرمائے؟ جب کہ وہ اس بات کے اہل نہیں تھے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں میں مبغوض و مکروہ تھے؟

ایک شبہ کا ازالہ

اگر کوئی شخص یہ صورت اختیار کر لے کہ مندرجہ بالا روایات جو اعتراض میں پیش کی

ا؎ تفسیر ابن کثیر صفحہ ۵۰۳ / ج ۴ تحت سورۃ القدر

جاتی ہیں ان سے مراد صرف بنو امیہ کے وہ افراد ہیں جو صحابہ کرامؓ کے بعد اپنے اپنے عہد میں مسلمانوں کے امراء اور خلفاء ہوئے اور ان سے کئی چیزیں قابل اعتراض سرزد ہوئیں یعنی روایات میں روئے سخن ان کی طرف ہے۔

تو اس چیز کے ازالہ کے لئے اتنی گزارش ہے۔ کہ اعتراض میں بطور طعن جو روایات پیش کی جاتی ہیں ان کے الفاظ عام ہیں۔ ان کے عموم الفاظ میں صحابہؓ بنو امیہ داخل ہیں

اور ساتھ یہ بات بھی ہے کہ معترض احباب صحابہؓ بنو امیہ (مثلاً" حضرت عثمان غنیؓ حضرت عتاب بن اسید' حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے والد حضرت ابو سفیانؓ اور ان کے برادر کلان یزید بن ابی سفیان وغیرھم) کو اعتراض کرتے وقت ان روایات سے مستثنیٰ نہیں قرار دیتے اور ان تمام کے حق میں ان روایات کے ذریعے طعن قائم کرتے ہیں اور عوام میں نفرت پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس بنا پر اس اعتراض کے جواب میں ان صحابہ کرامؓ کی صفائی پیش کرنا ضروری سمجھی گئی اور ہمارا موقف بھی مدح صحابہؓ کے مقام میں یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرامؓ سے دفاع کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ اور جو خلفاء اور امراء صحابی نہیں بنو امیہ سے ہوں یا غیر بنو امیہ سے ان کے دفاع سے ہمیں سروکار نہیں پس ان کے اعمال ان کے ساتھ ہیں اور اپنے اعمال کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔

تلک امتہ قد خلت۔ لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسبت (القرآن الکریم)

طعن کی ایک روایت

بعض روایات میں یہ چیز ذکر کی گئی ہے کہ ایک دفعہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ واقعہ کا ناقل کہتا ہے کہ میں جب مسجد نبویؐ میں داخل ہوا تو آنجناب صلعم کے اصحاب کی زبانوں پر یہ کلمات جاری تھے

نعوذ باللہ من غضب اللہ و غضب رسولہ

یہ کلمات سن کر میں نے کہا کہ کیا چیز پیش آئی ہے تو جواب میں کہنے لگے کہ "قبل ازیں معاویہ اپنے والد ابو سفیان کا ہاتھ پکڑے ہوئے یہاں مسجد سے نکلے ہیں" اور اسی دوران جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے اور آنجناب صلعم نے ان دونوں کے حق میں ایک ایسا فرمان دیا ہے جس کی وجہ سے ہم نعوذ باللہ کہہ رہے تھے۔

الجواب

اس روایت کے جواب کے لئے ذیل میں چند امور ذکر کئے جاتے ہیں ان کو انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ یہ راویت جن کتابوں میں مذکور ہے وہ تاریخ اور تراجم کی کتب میں شمار ہوتی ہیں کوئی معتمد کتب احادیث میں سے نہیں۔

۲۔ روایت کی سند کے اعتبار سے جو کلام کیا جاتا ہے اس کو پیش نظر رکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ اگر سند صحیح پائی جائے تب یہ روایت قابل قبول ہو گی ورنہ نہیں۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہئے کہ صاحب کتاب کی طرف سے اس کی سند اس طرح شروع ہوئی ہے کہ

قال اخبرت عن فلان یعنی مجھے فلاں شخص کی جانب سے خبر پہنچی ہے

اب دیکھنا ہو گا کہ کس طرح خبر حاصل ہوئی؟ اور کون اور کیسا شخص خبر دینے والا تھا؟ اس کی کوئی وضاحت نہیں ملتی یہ معرض خفا میں ہے۔ وہ شخص راست گو تھا یا دروغ گو تھا اس کی کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔

پھر سند پر نظر کرنے سے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ سند ہذا کا آخری راوی "نصر بن عاصم اللیثی عن ابیہ" ہے اس شخص کے حق میں علماء رجال نے اگرچہ الفاظ توثیق ذکر کئے ہیں تاہم اس راوی کا فطری رجحان یہ لکھا ہے کہ رائے خوارج رکھتا تھا

قال ابو دائود کان خارجیا قال المرزبانی فی معجم الشعراء کان علی رائی

الخوارج ثم ترکھم"۔ ۱

مختصر یہ ہے کہ روایت ہذا اس شخص کے خارجی رجحانات کے دور کی یادگار ہے اور خوارج حضرت معاویہؓ کے سخت خلاف ہیں فلہذا یہ روایت قابل تسلیم نہیں اور اس سے طعن قائم کرنا از روئے قاعدہ درست نہیں۔

درایت کے اعتبار سے تجزیہ

اس سلسلہ میں یہ چیز نہایت قابل توجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد گرامی جب سے مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں ان کے ساتھ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ کس طرح رہا؟ اور کیا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی عزت و شرف بخشا ہے؟ اور کوئی منصب یا اعزاز فرمایا ہے یا نہیں؟ یا اس کے برعکس معاملہ ان کے ساتھ کیا گیا؟

حقیقت حال یہ ہے کہ ان دونوں باپ بیٹے کے ساتھ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات اور تعلقات احادیث اور تاریخ و تراجم کی کتابوں میں بڑے عمدہ طریقہ سے مصنفین نے ذکر کئے ہیں چنانچہ ناظرین کرام کی خدمت میں یاد دہانی کے طور پر یہ امور اختصاراً ذکر کئے جاتے ہیں۔ تمام واقعات کا احاطہ کرنا مقصود نہیں۔ ان پر نظر کر لینے سے یہ مسئلہ واضح ہو جائے گا۔

۱۔ حضرت امیر معاویہؓ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتہائی اعتماد کے ساتھ اپنے کاتبوں میں داخل فرمایا اور حضرت معاویہؓ کتابت کے اس منصب پر تمام عہد نبوت میں آخر تک فائز رہے

۲۔ حضرت امیر معاویہؓ کو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وائل بن حجر کے اسلام لانے کے بعد اسے علاقہ یمن میں حضر موت کے مقام پر ایک قطعہ اراضی عطا فرمانے کے لئے روانہ فرمایا۔

قبل ازیں یہ واقعہ ہم نے کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" میں عنوان "الشام" کے تحت ص ۶۱۔۶۲ پر ذکر کر دیا ہے۔

اسی طرح اور بھی بہت امور حضرت امیر معاویہؓ کے اعزاز و شرف میں پائے جاتے ہیں جن کو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی سیرت و سوانح میں درج کرنے کا قصد ہے مالک کریم توفیق

۱ تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی صفحہ ۴۲۷ / ج ۱۰ تحت نصر بن عاصم اللیثی البصری

عنایت فرماویں تو ان کے رحم و کرم سے کچھ بعید نہیں۔

حضرت امیر معاویہؓ کے والد گرامی حضرت ابو سفیانؓ جب اسلام لائے تو ان کو کئی اعزازات و مناصب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عنایت فرمائے گئے۔ مثلاً

۱۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعہ پر دار ابی سفیانؓ کو دارالامن قرار دیا۔

۲۔ حضرت ابو سفیانؓ کو نجران کے علاقہ پر عامل اور حاکم بنا کر روانہ فرمایا۔

۳۔ قبیلہ بنی ثقیف کے بت کو پاش پاش کرنے کے لئے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سفیانؓ کو مغیرہ بن شعبہؓ کے ہمراہ روانہ فرمایا۔

۴۔ قبیلہ بنی ثقیف میں عروۃ اور الاسود نامی دو مقروض شخصوں کے قرض کی ادائیگی کے لئے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت ابو سفیانؓ کو روانہ فرمایا گیا

۵۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ کے قریش میں کچھ مال و اسباب تقسیم کرنا مقصود تھا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مال عمر بن فغواء کے ذریعے حضرت ابو سفیانؓ کی طرف ارسال فرمایا تاکہ وہ اسے قریش مکہ میں تقسیم کر دیں۔

مذکورہ بالا واقعات کے حوالہ جات کے لئے "کتاب مسئلہ اقربا نوازی" ص ۳۱۸ تا ۳۲۱ کی طرف رجوع فرمائیں وہاں اس کی بقدر ضرورت تفصیل درج کر دی ہے۔

اور اپنے کتابچہ "حضرت ابو سفیان اور ان کی اہلیہ" میں کچھ قدر مزید تفصیل لکھ دی ہے

مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت ابو سفیانؓ دونوں کے لئے کئی مناصب اور متعدد اعزازات عنایت فرمائے گئے۔ اور واقعات عند العلماء مسلمات میں سے ہیں۔

فلہذا قابل اعتراض روایت مذکورہ بالا یا اس نوع کی دیگر روایات جن میں نعوذ باللہ من غضبہ و غضب رسولہ وغیرہ کے الفاظ مذکور ہیں صحیح نہیں غلط اور بے سروپا ہیں اور قابل قبول نہیں۔

علماء کرام نے صاف طور پر یہ مسئلہ واضح کر دیا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کی مذمت میں جو روایات دستیاب ہیں وہ دروغ بے فروغ اور بے بنیاد ہیں ان کی کوئی اصل نہیں :۔ و کل حدیث فی ذمہ فھو کذب" ۔ ۱

۱ کتاب المنار المنیف فی الصحیح والضعیف لابن القیم الجوزیہ صفحہ ۱۱۷ مطبوعہ حلب (فصل ۳۸)

(۲) الموضوعات الکبیر لملا علی القاری صفحہ نمبر ۱۰۶ تحت مسئلہ ہذا طبع مجتبائی دہلی

"حضرت عائشہ صدیقہؓ کے قتل کا الزام"

صحابہ کرامؓ کے مخالفین نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق حضرت معاویہؓ پر یہ طعن قائم کیا ہے کہ :۔

"جب معاویہؓ یزید کے لئے بیعت لینے کی خاطر مدینہ منورہ آئے تو حضرت عائشہؓ نے ان کو ملامت کی۔ معاویہ نے اپنے گھر میں ایک کنواں کھودا اور اسے گھاس پھونس سے ڈھانپ دیا اور اس پر آبنوس کی کرسی رکھ دی پھر حضرت عائشہ کی ضیافت کی اور انہیں اس کرسی پر بٹھایا وہ اسی وقت کنوئیں میں گر گئیں۔ معاویہؓ مضبوطی سے کنوئیں کو بند کر کے مکہ چلا گیا اور ام المومنین اس میں مر گئیں۔" (نستغفر اللہ العظیم)

یہ ایک مشہور طعن ہے شیعہ لوگ اس کی تشہیر کیا کرتے ہیں۔

الجواب

طعن ہذا کے جواب کے لئے مندرجہ ذیل امور تحریر کئے جاتے ہیں۔ مندرجات ہذا ملاحظہ کرنے سے جواب مکمل ہو سکے گا۔

جن کتابوں سے حضرت صدیقہؓ کے قتل کا طعن اخذ کیا گیا ہے وہ علمی طبقہ میں غیر معروف اور۔ اعتماد کے لحاظ سے کسی درجہ میں شمار نہیں ہوتیں بیکار اور ردی مواد کی حامل ہیں۔

اب اس واقعہ کو صاف کرنے کے لئے ہم حدیث تاریخ اور تراجم کی مشہور روایات سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے انتقال کا اصل واقعہ نقل کرتے ہیں۔

اس کے بعد باعتبار درایت کے اس پر کلام کیا جائے گا۔

روایات کے اعتبار سے

یہاں صرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال اور وفات کے موقعہ کی روایات ذیل میں مختصراً" پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے انؓ کے قتل کے افسانے کا جواب ہو سکے گا۔

حضرت صدیقہؓ کے فضائل و مناقب اور کمالات کا ذکر یہاں مقصود نہیں۔

احادیث اور تراجم کی کتابوں میں حضرت صدیقہؓ کی وفات کا واقعہ منقول ہے۔

ابن ابی ملیکہ کی روایت کے مطابق ام المومنین صدیقہؓ جب بیمار ہوئیں اور بیماری نے

شدت اختیار کی تو عبداللہ بن عباسؓ عیادت کے لئے تشریف لائے اور حضرت صدیقہؓ کے غلام ذکوان کے ذریعے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو اس وقت حضرت صدیقہؓ کے پاس ان کے برادر زادے عبداللہ بن عبدالرحمان بن ابی بکر موجود تھے انہوں نے بھی کہا کہ عبداللہ بن عباسؓ اندر آنے کی اجازت طلب کرتے ہیں پہلے تو حضرت صدیقہؓ اپنی پریشانی کے باعث معذرت کرنے لگیں تاہم ان کے برادر زادے کے اصرار سے انہوںؓ نے اجازت دے دی

فلما ان سلم و جلس قال البشری قالت بما ؟ قال ما بینک و بین ان تلقی محمد صلی اللہ علیہ وسلم والا حبتہ الاان تخرج الروح من الجسد کنت احب نساء رسول اللہ الی رسول اللہؐ ولم یکن رسول اللہؐ یحب الطیبا۔" ۳

یعنی جب ابن عباسؓ حضرت صدیقہؓ کے پاس داخل ہوئے سلام پیش کیا اور بیٹھ گئے تو ابن عباسؓ نے کہا اے ام المومنین! آپ کو بشارت ہو حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کس بات کی بشارت کہہ رہے ہو تو ابن عباسؓ نے عرض کیا کہ جسم سے روح الگ ہونے کی دیر ہے کہ آپ کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوستوں سے ملاقات ہو گی۔

اور کہا کہ آپؓ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے زیادہ محبوب تھیں اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پسند فرماتے تھے مگر بہترین چیز کو (اسی طرح مزید بھی حضرت صدیقہؓ کے فضائل و مناقب میں حضرت ابن عباسؓ نے گفتگو کی اور اس کے بعد حضرت صدیقہؓ کا انتقال ہو گیا)

اسی طرح اس موقعہ کی ایک دیگر روایت بھی حضرت ابن عباسؓ سے اکابر علمائے امت نے نقل کی ہے اس کا مفہوم بھی گزشتہ روایت کے مفہوم کے قریب ہے اور مزید چیزیں بھی مذکور ہیں روایت اس طرح ہے کہ :۔

(۲) عن ابن عباسؓ انہ استاذن علی عائشہ فی مرضھا فارسلت الیہ انی اجد غما و کربا فانصرف! فقال للرسول ما انا الذی ینصرف حتی ادخل فاذنت لہ فقالت انی اجد غما و کربا وانا مشفقتہ مما اخاف ان اھجم علیہ فقال لھا ابن عباسؓ البشری فواللہ لقد لسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول عائشتہؓ ذوجتی فی الجنتہ وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکرم علی اللہ ان یزوجہ جمرۃ من جمر جھنم فقالت

۱ الطبقات لابن سعد صفحہ ۵۱' ۵۲ / ج ۸ تحت ترجمہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (طبع اول لیڈن)

فرجت عنی فرج اللہ عنک۔"[۱]

مطلب یہ ہے کہ حضرت صدیقہؓ کی مرض الوفات کے موقعہ پر عبداللہ بن عباسؓ عیادت کے لئے تشریف لائے اور حاضری کی اجازت طلب کی حضرت صدیقہؓ نے جواباً" فرمایا کہ بیماری کی پریشانی اور مغمومی ہے آپ واپس چلے جائیں تو ابن عباسؓ نے واپس ہونا پسند نہیں کیا اور پھر حاضری کے لئے اذن چاہا اور حاضر ہوئے اس وقت حضرت صدیقہؓ فرمانے لگیں کہ موت سامنے ہے اور سخت پریشان ہوں کہ موت کے بعد کیا ہو گا تو ابن عباسؓ نے اطمینان دلاتے ہوئے عرض کیا کہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا تھا آپ فرماتے تھے کہ عائشہؓ جنت میں بھی میری زوجہ ہوں گی اور ابن عباسؓ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خدا کے ہاں اس بات سے بلند و بالا ہیں کہ جہنم کے ایک پارہ آتش کو ان کی زوجیت میں دیا جائے۔

یہ سن کر ام المومنین صدیقہؓ نے فرمایا کہ آپ نے میری پریشانی کو زائل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تکالیف کو بھی رفع فرمائے (مسند امام ابو حنیفہؒ کی یہ روایت قبل ازیں "رحماء بینھم" حصہ صدیقی ص ۸۵-۸۶ پر ہم ذکر کر چکے ہیں۔) اس مقام کی مزید ایک دو روایات ذکر کی جاتی ہیں تاکہ حضرت صدیقہؓ کے انتقال کا مسئلہ اپنی جگہ پر منقح ہو جائے۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ:

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنھا کا ایک غلام ذکوان تھا اس کے متعلق قبل از انتقال یوں ارشاد فرمایا کہ جب بعد از وفات مجھے کفن دیا جائے اور خوشبو لگائی جائے پھر میرا غلام مجھے قبر میں داخل کرے اور بعد از دفن اوپر قبر کی مٹی درست کر دی جائے تو ذکوان آزاد ہے۔

ان عائشۃؓ قالت اذا کفنت و حنطت ثم دلانی ذکوان فی حفرتی وسواھا علی فھو حر۔"[۳]

اسی طرح طبقات ابن سعد میں ایک دیگر روایت ہے کہ: حضرت صدیقہؓ کا انتقال بتاریخ ۱۷ رمضان المبارک بعد از عشاء (بعد الوتر) ہوا۔

حضرت صدیقہؓ نے فرمان دے رکھا تھا کہ میری تدفین انتقال کی رات ہی میں کر دی جائے۔ بہت سے لوگ جنازے میں حاضر ہوئے۔ رات کے وقت اتنا بڑا اجتماع کبھی نہیں دیکھا گیا حتی کہ عوالی مدینہ کے لوگ بھی پہنچے اور جنت البقیع میں آپؓ کو دفن کیا گیا۔

۱ جامع مسانید الامام الاعظمؒ الباب الثالث فی الایمان الفصل الرابع فی الفضائل ج ۱ ص ۲۱۵

۲ مسند الامام ابی حنیفۃ عند اختتام باب الفضائل: الشمائل ص ۱۷۹ طبع حلب"

۳ طبقات ابن سعد صفحہ ۵۳ / ج ۸ تحت ترجمہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

(۴) ماتت عائشةؓ لیلته سبع عشرة من شهر رمضان بعد الوتر فامرت ان تدفن من لیلتها فاجتمع الناس و حضروا فلم نر لیلته اکثر ناسا منها نزل اهل العوالی فدفنت بالبقیع۔ ۱

نیز اس مقام میں اس طرح بھی مروی ہے کہ ام المومنین حضرت صدیقہؓ کا جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھایا اور ان کی وفات کی تاریخ رمضان المبارک ۵۸ھ تھی۔ اور وتروں کے بعد ان کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔

(۵) صلی ابو هریرة علی عائشةؓ فی رمضان سنته ثمان و خمسین و دفنت بعد الیتار۔" ۲

مندرجہ بالا روایات نے حضرت صدیقہؓ کے انتقال تجہیز و تکفین اور تدفین کے مسئلہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ صاف کر دیا ہے اور طبعی وفات کی صورت میں پیش کیا ہے۔

فلہذا مخالفین صحابہؓ نے جو واقعہ حضرت صدیقہؓ کے انتقال کا بصورت قتل پیش کیا وہ بالکل افسانہ ہے تصنیف شدہ قصہ ہے۔ حقیقت واقعہ کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں حضرت معاویہؓ کے ساتھ عداوت کو ظاہر کیا ہے۔

ایک قاعدہ

اور قاعدہ یہ ہے کہ الزام کی مدافعت اپنے مسلمات سے پیش کرنے کا حق ہمیں حاصل ہے اس اعتبار سے ان روایات کے ذریعے مذکورہ الزام قتل کا جواب مکمل ہو گیا۔

تنبیہہ

مسئلہ ہذا کے لئے ہم نے صرف چند ایک روایات' احادیث اور تراجم کی کتابوں سے پیش کی ہیں ورنہ اس مسئلہ کی تفصیلات دیگر تراجم اور تاریخ کی کتابوں میں بہت پائی جاتی ہیں مثلاً (۱) البدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ ص ۹۳۔۹۴ ج ۸ تحت ترجمہ ام المومنین حضرت عائشہؓ (۲) الاصابہ لابن حجر ص ۳۴۹۔ ۳۵۰ ج ۴ تحت ترجمہ حضرت عائشہؓ بنت ابی بکر الصدیقؓ

شیعہ کی طرف سے تائید

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے متعلق شیعہ کے اکابر علماء نے جو

۱ طبقات ابن سعد صفحہ ۵۴ / ج ۸ تحت ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہؓ

۲ تاریخ الاسلام للذہبی صفحہ ۲۶۵ / ج ۲ تحت سنتہ ثمان و خمسین (۵۸ھ)

تفصیلات ذکر کی ہیں وہ بھی افسانہ قتل کے جواب کے لئے خود ان علماء کی زبان سے کافی وافی ہیں ہم ان کی تفصیلات کو بخوف تطویل نقل نہیں کر سکتے لیکن مسئلہ کو مدلل کرنے کے لئے صرف دو عدد حوالہ جات ذکر کرتے ہیں۔ ان کے ذریعے طعن کا جواب مکمل ہو جائے گا چنانچہ تنقیح المقال میں ہے کہ :۔

۱۔ **عدھا (عائشہ بنت ابی بکر) الشیخ فی رجالہ من الصحابیات قال المقدسی تزوج بھا رسول اللہ بکرا ولم تیزوج بکرا غیرھا وھی بنت ست قبل الھجرۃ بسنتین وبنی بھا وھی بنت تسع و قبض رسول اللہ وھی بنت ثمان عشرۃ الی ان قال توفیت سنۃ ثمان و خمسین انتھی۔"** ۴۴۰

۲۔ اور منتخب التواریخ میں ہے کہ :۔

و درمیان زوجات آں بزرگوار ہمیں یکزن باکرہ بود و باقی ثیبہ بودند کہ زوجہ نحضرت شدند و عائشہ در سنہ پنجاہ و ہفت ہجری در مدینہ از دنیا رفت و در بقیع دفن شد۔" ۴۴۱

یعنی شیعہ عالم مامقانی کہتے ہیں کہ ان کے شیخ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی رجال کی کتاب میں "صحابیات" میں شمار کیا ہے اور المقدسی نے کہا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کیا درانحالیکہ یہ باکرہ تھیں اور ان کے سوا آپؐ کے ازواج میں اور کوئی عورت باکرہ نہیں تھیں۔ ہجرت سے دو سال پہلے ان سے نکاح ہوا جب کہ ان کی عمر چھ سال تھی اور نو سال کی عمر میں انؓ کی رخصتی ہوئی تھی اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت انؓ کی عمر اٹھارہ سال تھی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا انتقال ۵۸ھ میں ہوا۔

اور محمد بن ہاشم خراسانی الشیعی نے منتخب التواریخ میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج میں صرف حضرت عائشہؓ باکرہ تھیں باقی ثیبہ تھیں اور حضرت عائشہ ۵۷ھ میں مدینہ شریف میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں اور جنت البقیع میں ان کو دفن ہوا۔

حاصل یہ ہے کہ شیعہ علماء نے حضرت صدیقہؓ کی وفات کو طبعی حالت سے ذکر کیا ہے اور

۱ تنقیح المقال للشیخ عبد اللہ المامقانی صفحہ ۸۱ / ج ۳ من فصل النساء تحت عائشہؓ بنت ابی بکر

۲ منتخب التواریخ لمحمد بن ہاشم خراسانی صفحہ ۲۱ فصل چہارم امردوم تحت الثانیہ عائشہ دختر ابابکر

اسے قتل کی صورت میں بیان نہیں کیا اور جنت البقیع میں ان کا مدفون ہونا درج کیا ہے۔
مطلب یہ ہوا کہ قتل کا افسانہ تصنیف شدہ ہے اور حقیقت واقعہ کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں۔ شیعہ و سنی دونوں فریقوں کے علماء نے یہ مسئلہ صاف کر دیا ہے۔

درایت کے اعتبار سے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قتل کے متعلق جو واقعہ تیار کر کے حضرت امیر معاویہؓ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس میں قتل کے وجوہ جو معترض لوگ بیان کرتے ہیں ان پر نظر کی جائے تو وہ جواز قتل کے اسباب بننے کے قابل نہیں

۱۔ وجہ یہ ہے کہ یزید کی بیعت کے مسئلہ میں اختلاف پیش آیا تھا تو اس وقت اختلاف کرنے والے چار پانچ مردوں کا ذکر عام تاریخوں میں پایا جاتا ہے لیکن عورتوں خصوصاً" ازواج مطہرات کی طرف سے باعتبار صحیح روایات کے اختلاف مذکور نہیں۔

اور جن حضرات نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا تھا ان کے ساتھ بھی حضرت معاویہؓ کی طرف سے قتل یا قید و بند کی سزا کا معاملہ نہیں کیا گیا۔ اور اگر حضرت صدیقہؓ کا بیعت یزید کے سلسلہ میں اختلاف تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی ان کے ساتھ سختی اور سزا کا معاملہ بالکل نہیں روا رکھا گیا جب مردوں کے ساتھ سزا کا معاملہ نہیں کیا گیا تو ازواج مطہرات کے ساتھ یہ کس طرح کر دیا؟

۲۔ نیز بیعت یزید کی دعوت کا معاملہ بقول مورخین ۵۶ ھ میں پیش آیا تھا جب کہ مشہور اقوال کے مطابق حضرت صدیقہؓ کا انتقال ۵۸ھ میں ہوا اگر بالفرض ان کو سزا دینا مقصود تھا تو جلدی اس کے متعلق کارروائی کرتے قریباً" دو سال کے بعد سزا کا اقدام درایت کے ہی خلاف ہے۔

۳۔ مزید برآں یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ حضرت صدیقہؓ کے ساتھ حضرت امیر معاویہؓ کے روابط تا زیست خوشگوار تھے اور ان کے باہمی عمدہ تعلقات کے کئی واقعات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے درمیان کسی قسم کی عداوت یا رنجش نہیں تھی۔ ذیل میں ہم اس پر چند شواھد پیش کرتے ہیں۔

۱۔ چنانچہ ایک بار حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت صدیقہؓ کے متعلق ایک عجیب فضیلت ذکر کی جو ان کے مقام و مرتبہ کو بہتر طور پر واضح کرتی ہے حضرت امیر معاویہؓ کے اس کلام کو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے۔

عن عبداللہ بن وردان قال معاویۃؓ ان من الناس من لا یرد علیہ امرہ وان عائشۃ

رضی اللہ عنہا منھم۔ ا   یعنی حضرت معاویہؓ نے فرمایا بعض لوگوں کا درجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی بات کو رد نہیں کیا جا سکتا اور حضرت صدیقہؓ ان ہی لوگوں میں سے ہیں۔

اس روایت سے ایک تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حضرت امیر معاویہؓ کے ہاں مقام د مرتبہ معلوم ہوتا ہے۔

اور دوسری چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر حضرت صدیقہؓ نے بیعت یزید کے متعلق حضرت امیر معاویہؓ کی مخالفت کی ہوتی تو حضرت امیر معاویہؓ اپنے ہی مذکورہ بالا قول کے مطابق حضرت صدیقہؓ کی بات کو رد نہیں کر سکتے تھے۔

۲۔ دیگر چیز یہ ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں ایک قیمتی قلادہ (ہار) بطور تحفہ ارسال کیا جس کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کی جانب سے یہ تحفہ قبول فرمایا اور اپنے سمیت تمام امہات المومنین میں تقسیم فرما دیا۔

عن حجاج عن عطاء ان عائشۃؓ بعث الیھا معاویۃؓ قلادۃ قومت بمائتہ الف۔ فقبلتھا و قسمتھا بین امھات المومنین۔" ۲

حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باہمی خوشگوار اور عمدہ تعلقات پر اسی نوع کے کئی واقعات احادیث اور روایات کی کتابوں میں دستیاب ہیں (ان کو ہم انشاء اللہ تعالیٰ سیرۃ سیدنا معاویۃؓ میں تفصیل سے بیان کریں گے بعونہ تعالیٰ)

ان واقعات کے پیش نظر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے درمیان کوئی رنجش عداوت یا عناد نہیں تھا جو ان کے معاملات کو قتل تک پہنچائے

معترض لوگوں نے حضرت صدیقہؓ کے قتل کا جو افسانہ تیار کیا ہے جانبین کی طرف سے اس دور کے حالات اور واقعات اس کی تائید نہیں کرتے۔

اور جو روایت امر واقع کے خلاف پائی جائے وہ قابل قبول نہیں ہوتی اہل علم حضرات اس قاعدہ سے خوب واقف ہیں۔

ا   التاریخ الکبیر للبخاریؒ صفحہ ۲۲۰ / ج ۳ ق اول طبع دکن

ا   المصنف لابن ابی شیبتہ صفحہ /۹۸۰ ج ٦ تحت کتاب البیوع والا قضیتہ روایت نمبر

حضرت امیر معاویہؓ رضی اللہ عنہ پر مطاعن کا ایک دیگر سلسلہ

(مغیرہ بن شعبہؓ کا ایک قول پھر اس کا جواب)

بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مطاعن کا ایک حیرت انگیز سلسلہ چلایا ہے۔ مثلاً معاویہ اور اسلام" معاویہ اور رسول" اور معاویہ کا شوق رسالت" وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان عنوانات کے تحت ایسے بے بنیاد' بے ہودہ اور بے سروپا اتہامات ذکر کئے ہیں جنہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایمان رکھنے والا کوئی مسلمان نہ ذکر کر سکتا ہے اور نہ ہی ان کی سماعت برداشت کر سکتا ہے زمانہ قدیم سے اعدائے صحابہ کرامؓ اس طرح کا طریق کار اختیار کئے ہوئے ہیں کہ مقتدر صحابہ کرامؓ کو مطعون کرنا ان کا نصب العین اور مقصد زندگی ہے۔

اس دور میں ایک بار پھر اس مذموم مقصد کو ایک تحریک کی شکل میں اٹھایا گیا ہے اور اپنے "دیرینہ ساتھیوں" کے ہاتھوں کو مضبوط کیا جا رہا ہے۔

"بزعم خویش" اس "کار خیر" کے لئے ایک پارٹی اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو "ناموس اہل بیت" کے محافظین کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ اہل السنۃ والجماعۃ کا نام بھی استعمال کئے ہوئے ہیں تاکہ عام مسلمانوں کا ان پر مذہبی اعتماد بھی بحال رہے اور مقام صحابہؓ کو خوب مجروح اور مقدوح کیا جائے۔ ایسے لوگوں کی یہ دیرینہ پالیسی چلی آئی ہے اور یہی ان کا شاطرانہ طریق کار رہا ہے۔

طعن کی روایت

چنانچہ طعن کرنے والے ان لوگوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ قلبی عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیعہ بزرگوں کی تاریخی کتب سے مندرجہ ذیل واقعہ اپنی تازہ تصانیف میں درج کیا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

"حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے فرزند مطرف بیان کرتے ہیں کہ میرے والد بعد از عشاء گھر واپس تشریف لائے بڑے مغموم نظر آ رہے تھے۔ دریافت کرنے پر کہنے لگے کہ اے بیٹے! میں دنیا کے "اخبث الناس" کے ہاں سے لوٹ کر آ رہا ہوں۔ میں نے کہا کیا بات ہے؟ تو کہنے لگے کہ میں نے معاویہؓ سے کہا کہ تم بوڑھے ہو گئے ہو۔ بہتر یہ ہے کہ عدل و انصاف کیا کرو اور اچھا ہو تاکہ تم بنو ھاشم کی طرف التفات کرتے۔ اب تو ان سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ تو جواب میں معاویہؓ نے (دیگر ناگفتہ بہ چیزوں کے علاوہ) یہ بات بھی کہی کہ تینوں خلفاء (ابو بکر و عمر اور عثمان (رضی اللہ عنھم) ہلاک

ہو گئے اور ان کا ذکر بھی ختم ہو گیا۔ اور تحقیق اس ہاشمی کے لئے دن میں پانچ بار چلا کر آواز دی جاتی ہے **اشهد ان محمدا رسول الله** اور یہ عمل باقی رہے تو ہمارا کون سا کام باقی رہا۔ اللہ کی قسم اگر ہم اس کو دفن نہ کر سکیں"

وان اخا هاشم يصرخ به في كل يوم خمس مرات اشهد ان محمدا رسول الله فاى عمل يبقى مع هذا؟ لا ام لك والله الا دفنا دفنا (نعوذ باللہ من ذالک) ے ۱

الجواب

اعتراض کرنے کے لئے ہوشمندی کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ یہاں بھی اس بات کی ضرورت تھی کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سنی حضرات کے سامنے معترض اپنا اعتراض پیش کر رہا ہے تو اسے چاہیے تھا کہ وہ سنی احباب کے مسلمات میں سے قابل طعن روایت پیش کرتا۔ سنی حضرات کے سامنے شیعہ بزرگوں کی کتابوں اور ناقابل اعتماد تاریخی ملفوظات سے مقتدر صحابہؓ پر نقد اور طعن پیش کرنا اصولاً سو فیصد غلط ہے۔

یہاں معترض لوگوں نے شیعہ مورخ کی تاریخی کتاب سے مندرجہ بالا طعن پیش کر کے بے اصولی کا ثبوت دیا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ شیعہ مورخین کو صحابہ کرامؓ کے ساتھ دیرینہ دشمنی اور قلبی عناد ہے۔ فلہذا ان کا پیش کردہ مواد عداوت پر مبنی ہو گا۔ ان حضرات سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

معترض نے اس مقام میں روایت بالا اور دیگر کئی روایات المسعودی الشیعی سے نقل کی ہیں عوام نہیں جانتے کہ المسعودی کون ہے؟ اور کیسا شخص ہے؟

لیکن اہل علم کو معلوم ہے کہ "المسعودی" پختہ شیعہ اور رافضی شخص ہے اس چیز پر اطمینان کے لئے شیعی علمائے تراجم کے صرف دو حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔ زیادہ کی حاجت نہیں۔ دو شاہدوں کی شہادت سے مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے

۱۔ قریبی دور کے مشہور شیعہ مورخ شیخ عبداللہ المامقانی اپنی تصنیف تنقیح المقال میں علی بن حسین بن علی المسعودی ابو الحسن الهذلی المتوفی ۳۴۶ھ کے متعلق لکھتے ہیں کہ **انه امامی ثقته وهو الحق۔**"

اور اس کی تصنیفات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

له كتب في الامامة وغيرها منها كتاب في اثبات الوصية لعلي بن ابي طالبؓ وهو

---

۱ مروج الذهب للمسعودی صفحہ ۴۱ ج ۴ تحت ذکر ایام مامون عبداللہ بن ہارون الرشید

صاحب مروج الذھب۔"[۱]

۲۔ اور شیخ عباس القمی الشیعی نے اپنے مشہور تصنیف "تحفتہ الاحباب" میں المسعودی کا تذکرہ بعبارت ذیل نقل کیا ہے۔

علی بن حسین بن علی الھذلی۔ معروف المسعودی مورخ امین و معتمد عند الفریقین صاحب کتاب اثبات الوصیتہ و مروج الذھب و کتب دیگر است و این شیخ جلیل از اجلہ امامیہ است۔"[۱]

حاصل یہ ہے مسعودی امامی ہے ثقہ ہے اثبات وصیہ علیؓ و مروج الذھب وغیرہ اس کی تصانیف ہیں امامیہ کا شیخ جلیل ہے

بنا بریں اصولاً ہم اس طعن کا جواب پیش کرنے کے ذمہ دار نہیں تاہم اس سے قطع نظر کرلیں تب بھی درج ذیل چیزیں قابل توجہ ہیں۔

معترض احباب کی پیش کردہ روایت میں ہے کہ "یقول (المدائنی) قال المطرف بن مغیرہ بن شعبہ

روایت میں انقطاع

المدائنی کہتا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کے فرزند المطرف نے کہا یعنی یہ سارا واقعہ المدائنی نے المطرف سے نقل کیا ہے۔

اس طریق اسناد میں ایک واضح انقطاع پایا جاتا ہے کیونکہ المدائنی (ابو الحسن علی بن محمد) المولود ۱۳۵ھ والمتوفی ۲۲۴ھ المطرف کا قول نقل کرتا ہے اور مطرف بن مغیرہ بن شعبہ کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ اس نے حجاج بن یوسف (المتوفی ۹۵ھ) کے سامنے بعض چیزوں کے متعلق حق گوئی کی تھی اور حجاج نے اپنے ظالمانہ رویہ کے مطابق المطرف کو قتل کروا دیا تھا۔ حجاج بن یوسف کا زمانہ عبدالملک بن مروان کا دور ہے۔ جب کہ المدائنی بہت بعد میں یعنی ۱۳۵ھ میں متولد ہوا فلہٰذا مطرف بن مغیرہ کے دور اور المدائنی کے تولد میں کم و بیش چالیس پچاس سال کا فاصلہ پایا جاتا ہے۔ اور یہ ایک بین "انقطاع ہے۔ اس دور انقطاع میں خدا جانے کن کن لوگوں نے اس واقعہ کو نقل کیا؟ اور معلوم نہیں وہ کیسے لوگ تھے؟ جن کے ذریعے یہ بات المدائنی تک پہنچی۔

المدائنی خود کوئی محدث نہیں کہ جس پر اعتماد کیا جائے۔ بلکہ یہ ایک مورخ ہے جو صحیح غلط اور

۱ تنقیح المقال للشیخ عبداللہ المامقانی الشیعی صفحہ ۲۸۲، ۲۸۳ / ج ۲ تحت باب علی ابن حسین

۱ تحفتہ الاحباب للشیخ عباس القمی الشیعی صفحہ ۲۲۷ تحت علی بن حسین الھذلی المسعودی (طبع ایران)

رطب ویابس جمع کر دیا کرتا ہے چنانچہ ایسی شدید الانقطاع تاریخی روایت کے ذریعے صحابہ کرامؓ پر ایسا سنگین طعن قائم کرنا کسی طرح درست نہیں اور ہرگز قابل تسلیم نہیں

قصہ گوئی کے درجہ میں

مزید برآں روایت ہذا کے شروع میں درج ہے کہ:۔

منها ان بعض سمار حلث بحديث عن مطرف

یعنی یہ واقعہ بعض قصہ گو لوگوں نے مطرف سے نقل کیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ طعن والی روایت کی یہ روایتی حیثیت ہے جو اہل فن کے نزدیک لائق اعتماد نہیں ہے اور بے سروپا روایات کے درجہ میں ہے۔

درایت کے اعتبار سے

اب روایت ہذا کے متعلق باعتبار درایت کے مختصراً" چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان پر نظر کر لینے سے اس قصہ کا دروغ بے فروغ ہونا واضح ہو جائے گا۔

۱۔ اگر بالفرض (بمقتضائے روایت) امیر معاویہؓ "اشھد ان محمدا رسول اللہ" ندائے شہادت رسالتہ نہیں سن سکتے تھے اور اس ندائے اسلامی کو مٹانے کا عزم رکھتے تھے تو پھر ان حالات میں اس دور کے تمام صحابہ کرامؓ بشمول ہاشمی حضرات کے خاموش کیوں رہے؟ اور ان کے خلاف علم بغاوت کیوں نہیں بلند کیا؟ اور قرآنی آیات (مثلاً" **ولا تعاونوا على الاثم والعدوان ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار**) پر عمل درآمد کیوں ترک کر دیا؟

۲۔ ایسے منکر رسالتہ شخص کے ساتھ یہ صحابہ کرامؓ اپنی پنجگانہ نمازیں کیسے ادا کرتے تھے؟

۳۔ ایسے منکر دین شخص کے ساتھ مل کر حج کیسے ادا کرتے رہے اور اسے امیر حج متعدد دفعہ کیوں بنائے رکھا؟

۴۔ ایسے دشمن رسالت کے ساتھ مل کر دیگر ممالک میں فریضہ جہاد و غزوات کیوں قائم رکھا جب کہ خود ایسے شخص کے خلاف جہاد کرنا فرض اولین تھا

۵۔ ایسے دشمن نبوت کے دربار میں اکابرین صحابہؓ بشمول ہاشمی حضرات کے کیوں تشریف لے جایا کرتے تھے؟ اور اس سے مالی عطیات صدایا وظائف وغیرہ کیوں حاصل کرتے تھے؟

۶۔ ایسے دشمن دین واسلام کی طرف سے اکابر صحابہ کرامؓ نے بڑے بڑے مناصب اور عہدے حاصل کر کے نظام حکومت میں کیسے تعاون کیا؟ جب کہ یہ شخص دینی و دنیاوی لحاظ سے مقاطعہ کے قابل تھا۔ اور ہر نوع کے روابط و تعلقات کو منقطع کر دینے کے لائق تھا۔

ایک اعجوبہ

اھل علم حضرات اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کے ہمنوا اکابر صحابہ کرامؓ میں سے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ کی طرح خلافت کے معاملات میں سب سے زیادہ مدد و معاون تھے حتیٰ کہ بقول بعض مورخین یزید کے استخلاف کے بارے میں انہوں نے ہی اولاً رائے دی تھی۔

نیز حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو حضرت معاویہؓ نے اپنے عہد خلافت میں کوفہ پر والی اور حاکم کے منصب پر فائز رکھا۔ اور ان حالات میں مغیرہ بن شعبہؓ نے انتقال فرمایا یعنی ان کو معزول نہیں کیا گیا تھا اندریں حالات حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضرت معاویہؓ کے خلاف اس قسم کا بیان کیسے دے سکتے ہیں؟ جس میں حضرت امیر معاویہؓ کو دین اسلام کا دشمن، شہادت رسالت کا سخت مخالف اور دین کا باغی دکھلایا گیا ہے اور معاویہ کو اخبث الناس سے تعبیر کیا ہے۔

یہ چیز عقل و درایت کے سخت خلاف ہے فلھذا اس روایت کو کوئی عقلمند آدمی تسلیم نہیں کر سکتا۔

کسی شخصیت کے ساتھ عداوت کا معاملہ پورا کرنا ہو تو کسی تدبیر و حکمت عملی کے ذریعہ تمام کرنا چاہئے مگر یہاں تو طعن کرنے والوں نے عقلمندی و ہوش مندی کو پس پشت ڈال کر آنکھ بند کر کے یہ روایت چلا دی۔

نیز اس مقام میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت امیر معاویہؓ کی محبت اور قدر دانی کے بے شمار واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں جو اس بات کے واضح قرائن ہیں کہ حضرت معاویہؓ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے حد عقیدت مندی اور کمال محبت تھی یہ واقعات خود مذکورہ روایت کے جعلی اور وضعی ہونے کے شواہد میں سے ہیں مزید کسی جواب کی حاجت ہی نہیں

ان واقعات میں سے یہاں صرف دو واقعے ناظرین کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ اصل مسئلہ کی تائید کے لیے یہ کافی ہیں۔

مشابہت نبوی کا احترام

کبار علماء محدثین اور مورخین نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کو معلوم ہوا کہ بصرہ کے علاقہ میں ایک شخص ہیں جن کی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قسم کی کچھ شبہات پائی جاتی ہے۔

(۱) حضرت امیر معاویہؓ نے بصرہ کے حاکم عبد اللہ بن عامر بن کریز کو مراسلہ ارسال کیا کہ وہ اس شخص کو جس کی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادنی سی مشابہت پائی جاتی ہے (اسکا نام کابس

بن ربیعہ تھا) اس کو ہمارے ہاں بطور وفد کے روانہ کریں۔
جب یہ شخص (کابس بن ربیعہ) حضرت امیر معاویہؓ کے ہاں پہنچے تو حضرت امیر معاویہؓ اپنی مسند سے نیچے اترے اور پیدل آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور تکریم و تعظیم کرتے ہوئے کابس بن ربیعہ کی پیشانی پر بوسہ دیا نیز انہیں بطور اکرام اپنے ہاں رکھا اور ان کی قدر دانی کرتے ہوئے ان کی کفالت کے لئے علاقہ مرو میں ایک "المرغاب" کے نام سے موسوم قطعہ اراضی متعین کر دیا ہے۔
تاکہ وہ خوشحال زندگی بسر کر سکیں
یہ واقعہ ابو جعفر بغدادی نے المجر میں ذکر کیا ہے
نیز شیخ شہاب الدین الخفاجی نے شرح الشفاء میں اس واقعہ کو عمدہ طریقہ سے درج کیا ہے ذیل میں ابو جعفر کی عبارت ذکر کی جاتی ہے

وکان بلغ معاویۃ بن ابی سفیانؓ ان بالبصرۃ رجلا یشبہ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکتب الی عاملہ علیھا وھو عبداللہ بن عامر بن کریز ان یوفدہ الیہ فاوفد کابسا فلما دخل الی معاویۃ نزل عن سریرہ ومشی الیہ حتی قبل بین عینیہ واقطعہ المرغاب" ۱

بنو فیقہؒ ان واقعات کو تفصیل کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوانح میں درج کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

۲۔ آثار نبویؐ سے تبرک

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تمام زندگی میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اشاعت اور تبلیغ میں کوشاں رہے اور ابتدائے قبول اسلام سے لے کر زندگی کے آخری مراحل تک دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ جیسا کہ اہل علم حضرات پر یہ مسئلہ واضح ہے۔
حضرت معاویہؓ نے اپنے محبوب پیغمبر صلعم کی ذات گرامی کے چند تبرکات حاصل کر کے محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ ان تبرکات میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قمیص مبارک اور بعض روایات کے مطابق ایک چادر مبارک کے علاوہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن مبارک کے کچھ تراشے اور موئے مبارک شامل تھے۔ یہ تبرکات حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی کے آخری سفر کے لئے محفوظ کئے ہوئے تھے۔

۱ کتاب المجر لابی جعفر بغدادی صفحہ ۴۶ / ۴۷ تحت المشبھون بالنبیؐ

(۲) نسیم الریاض شرح الشفاء للخفاجی صفحہ ۴۶۳ / ج ۳ جلد ثالث فصل من توقیرہ ..... الخ

چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ نے وصیت فرمائی کہ جب میرا انتقال ہو جائے توان تبرکات میں سے قمیص مبارک اور چادر مبارک کو میرے کفن میں شامل کیا جائے اور ناخن مبارک کے تراشوں اور موئے مبارک کو میرے منہ نتھنوں اور سینہ پر رکھ دیا جائے

یہ مضمون متعدد تاریخ اور رجال کی کتابوں میں مذکور ہے لیکن ہم یہاں اختصاراً" صرف دو عدد حوالہ جات پیش کرتے ہیں

۱۔ میمون بن مهران عن ابیہ ان معاویۃؓ قال فی موضہ الذی مات کنت اوضئی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فقال لی الا اکسوک قمیصا؟ قلت بلی بابی انت وامی فنزع قمیصا" کان علیہ فکسانیہ و قلم اظفارہ ناخذت قلا متہا فاذا مت فالبسونی القمیص و خذو القلا متہ فاجعلوھا فی عینی..... الخ

(انساب الاشراف للبلاذری ص ۱۳۰۔۱۳۱ ج ۴ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیانؓ)

۲۔ وفی روایت لابن عساکر.......... فاذا انامت فالبسونی قمیص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وازرونی بازارہ وادرجونی فی ردانہ وخذوا ھذا الشعر فاحشوا بہ شدقی و منخری وذروا سائرہ علی صدری وخلوا بینی وبین ارحم الراحمین۔ [۲]

یہ واقعات حضرت معاویہؓ کی اپنے پیغمبر کے ساتھ محبت اور عقیدت کے شواہد میں سے ہیں اور جس شخص کے قلب میں احترام نبوت نہ ہو اس سے ایسے امور صادر نہیں ہو سکتے۔

آخر کلام

حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی تمام زندگی میں دین اسلام کے احیاء و بقا کے لئے بہت سے اہم کارنامے سرانجام دیئے۔ اور اشاعت اسلام کے لئے مقدور بھر مساعی کیں۔ اپنے مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وغلامی میں عمر صرف کردی اور دین اسلام کے فروغ کے لئے کوششیں کیں حتیٰ کہ قبر میں داخل ہونے تک آثار نبوت کے ساتھ تبرک حاصل کیا۔ تاریخ اسلامی اور کتب احادیث ان چیزوں پر شاہد عادل ہیں۔

اب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی دشمن صحابہؓ یہ ندا بلند کرے کہ یہ دشمن نبی تھے اور نبی کے دین کے مخالف تھے پیغمبر اسلام کی رسالت ان کو ناگوار تھی ؟ پنجگانہ اذان میں "شہادت رسالت" ان کو برداشت نہیں ہوتی تھی وغیرہ وغیرہ تو یہ سب دروغ بے فروغ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ

۱ انساب الاشراف للبلاذری صفحہ ۱۳۰، ۱۳۱ / ج ۴ تحت ترجمہ معاویۃ بن ابی سفیانؓ (قسم اول)

۲ مخطوطہ ابن عساکر (عکس شدہ) صفحہ ۸۸ / ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیانؓ

یہ چیزیں مسلمہ واقعات اور مشاہدات کے برخلاف ہونے کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ قرآن مجید کے شاہی وعدوں کے تقاضوں کے بھی برعکس ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید (سورۃ حدید رکوع اول) میں ان مومنوں کے ساتھ جو فتح مکہ سے قبل ایمان لائے اور انفاق و جہاد فی سبیل اللہ کیا اور جو لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور انفاق مال و فی سبیل اللہ قتال کیا (ان کے مابین فرق مراتب بیان فرمانے کے بعد) دونوں فریقوں کے ساتھ "مثوبتہ الحسنیٰ یعنی (جنت) کا وعدہ فرمایا ہے (**وکلا وعد اللہ الحسنی**)

اور نیز دوسری آیت کریمہ میں فرمایا کہ:

ان الذین سبقت لھم منا الحسنی اولئک عنھا مبعدون (یعنی جن سے ہماری جانب سے الحسنی کا سابقا" وعدہ فرمایا گیا وہ لوگ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے) (پارہ سترہ اخر سورۃ الانبیاء

اللہ جل شانہ کے ان ارشادات کی روشنی میں ثابت ہوا کہ (قبل الفتح و بعد الفتح) دونوں جماعتوں کو الحسنیٰ (جنت) ملے گی اور یہ لوگ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔

ان وعد اللہ حق واللہ لا یخلف المیعاد

اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا اور صحیح ہے وہ اس کا خلاف ہرگز نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کے ان فرمودات کے مطابق بعد الفتح ایمان کی دولت سے سرفراز ہونے والے صحابہ کرامؓ بھی (بشمول حضرت امیر معاویہؓ کے) اس بشارت عظمیٰ کے مستحق ہیں اور مغفرت کے مژدہ پانے والوں میں داخل ہیں۔

فلہذا ان ارشادات خداوندی کی مقتضیات کے پیش نظر ان حضرات سے رسالت کی نفی اور نبوت کے ساتھ عناد و اسلام دشمنی وغیرہ وغیرہ کے واقعات کا صدور کسی طرح درست نہیں۔

وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گزشتہ و آئندہ تمام واقعات کا علیم و بصیر ہے اس کی طرف سے کسی دشمن نبوت و مخالف دین کے حق میں مثوبتہ الحسنیٰ کے صحیح وعدوں کا دیا جانا صادر نہیں ہو سکتا۔

بنابریں معاندین کی طرف سے حضرت امیر معاویہؓ پر رسالت کی نفی کا طعن اور نبوت کے ساتھ معاندانہ رویہ کا اتہام کسی بھی صورت میں درست نہیں قرآن مجید کے قطعی فرمودات کے تقاضوں کے مقابلہ میں تاریخی ملغوبات کو کوئی باخبر مسلمان وزن نہیں دے سکتا۔

اس لئے یہ بات یقینی ہے کہ یہ تاریخی روایات بالکل بے سروپا اور دروغ محض ہیں جن کی بنا پر حضرت امیر معاویہؓ کو دشمن نبوت اور مخالف اسلام قرار دینے کی سعی لاحاصل اور مذموم کوشش کی گئی ہے۔

"درخانہ کس است ہمیں گفتہ بس است"

غدراً قتل کا طعن پھر اس کا جواب

اعتراض کرنے والوں نے ایک اور اعتراض جستجو کر کے پیش کیا ہے کہ:
ایک دفعہ حضرت معاویہؓ کی مجلس میں کعب بن الاشرف یہودی کے قتل کا ذکر ہوا تو ایک یہودی ابن یامین نے کہا کہ **کان قتلہ غدرا** (یعنی یہ قتل بد عہدی کی صورت میں ہوا تھا۔) محمد بن مسلمہؓ الانصاری اسی مجلس میں موجود تھے انہوںؓ نے کہا "**یا معاویۃ ایغدر عندک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم لا تنکر واللہ لا یظلنی وایاک سقف بیت ابدا ولا یخلولی دم ھذا الا قتلتہ**"
معترض نے اس واقعہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: معاویہ کی قلبی کیفیات کا یہاں سے پتہ چل جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو کتنی محبت تھی؟ اور کتنا قلبی لگاؤ یا بغض تھا؟
طاعن کا مقصد یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ محبت نہ تھی بلکہ وہ آنجناب صلعم کے ساتھ بغض رکھتا تھا اس بنا پر انہوں نے یہودی ابن یامین کے قول کا کچھ رد نہیں کیا۔
سوال مذکور کے جواب سے پہلے اصل واقعہ ذکر کرنا مناسب ہے تاکہ واقعہ کے متعلقات عام قاری کو بھی صحیح طور پر معلوم ہو سکیں
صورت واقعہ یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور ۳ھ میں یہود کے ساتھ چند امور کے متعلق ایک معاہدہ طے پایا تھا اس سلسلہ میں یہود کی طرف سے بد عہدی کا ارتکاب ہوا۔ اور یہودی پارٹی کے سرداروں میں ایک مشہور یہودی کعب بن الاشرف تھا۔ اس نے معاہدہ کے خلاف مکہ میں جا کر قریش کے ساتھ اہل اسلام کے خلاف گفتگو کی اور انہیں مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کیا۔ اور پھر مدینہ واپس آیا یہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو بھی کرتا تھا تو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی کارگزاری کی اطلاع ہوئی۔ اس پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کعب بن الاشرف کو بد عہدی اور ہجو گوئی کی بنا پر ختم کرنا چاہیے اس پر کون تیار ہے۔ تو اس وقت محمد بن مسلمہ الانصاریؓ نے عرض کیا میں اس کو ختم کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ محمد بن مسلمہ الانصاری کے ساتھ ایک دو اور صحابہ کرام بھی شامل ہو گئے اور اس کام کے لئے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی اور کعب بن الاشرف کو اس کے گھر پر جا کر قتل کر دیا۔ (جیسا کہ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں مفصل واقعہ ہذا مذکور ہے ہم نے یہاں اجمالاً ذکر کیا ہے)

الجواب

اس مقام میں غور فکر کرنے کی یہ چیز ہے کہ معترض نے یہ روایت حضرت معاویہؓ کی مجلس کی طرف منسوب کر کے اعتراض قائم کیا ہے

اور اسی مقام پر یہی روایت ایک دوسرے طریقے سے بالفاظ ذیل مروی ہے لیکن معترض نے اس سے بعد والی روایات کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ وہ ان کے طعن کو بے وزن بنا دیتی ہے حدثنی ابراھیم بن جعفر عن ابیہ قال قال مروان بن الحکم وھو علی المدینۃ و عندہ ابن یامین النضری کیف کان قتل ابن الاشراف قال یامین کان غدرا و محمد بن مسلمہ جالس شیخ کبیر فقال یا مروان ایغدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عندک واللہ ما قتلناہ الا بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ لا یؤدینی وایاک سقف بیت الا المسجد واما انت یا ابن یامین فللہ علی ان افلت و قدرت علیک و فی یدی سیف الا ضربت بہ راسک

یعنی واقعہ ہذا نقل کرنے والے راوی نے مروان بن حکم کی مدینہ طیبہ میں ایک مجلس میں گفتگو کا ذکر کیا ہے کہ یعنی مروان بن حکم کی۔ مجلس میں مذکور قول ابن یامین نے ذکر کیا وہاں محمد بن مسلم شیخ کبیر بھی اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اس واقعہ کو غدر کہنے کے قول پر ناراض ہو کر مروان بن الحکم سے کہنے لگے کہ تمہاری مجلس میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غدر کی نسبت کی جاتی ہے۔ اور فرمایا کہ اللہ کی قسم! کعب بن الاشرف کا قتل ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے تحت کیا تھا (اور ابن یامین یہودی غلط کہتا ہے کہ یہ غدر تھا)

اور ابن مسلمہؓ نے ابن یامین سے مخاطب ہو کر فرمایا اللہ کی قسم! جب میں قادر ہوں گا اور میرے ہاتھ میں تلوار ہو گی تو میں تیرا سر قلم کر دوں گا۔

یعنی بعض رواۃ کی طرف سے واقعہ ہذا کا مروان بن الحکم کی مجلس میں وقوع پذیر ہونا مذکور ہے جب کہ بعض دیگر رواۃ نے اس واقعہ کا صدور حضرت امیر معاویہؓ کی مجلس میں ذکر کیا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا

درحقیقت واقعہ ایک ہی معلوم ہوتا ہے اور اس کے لئے قرائن پائے جاتے ہیں۔ مثلاً

ابن یامین یہودی ہی دونوں روایات میں غدر کا قول کرنے والا ہے اور دونوں روایات میں محمد بن مسلمہؓ الانصاری ہی اس کے قول پر ناراض ہو کر ابن یامین کو قتل کرنے کی قسم اٹھاتے ہیں۔ اور واقعہ ہذا کے دیگر الفاظ اور گفتگو قریب قریب ایک ہی جیسی پائی جاتی ہے

ان قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ متعدد نہیں بلکہ ایک ہی ہے لیکن بعض رواۃ نے اسے حضرت امیر معاویہؓ کی مجلس کی طرف منسوب کر دیا ہے اور بعض دوسرے راویوں نے مروان کا ذکر کیا ہے۔

مزید بر آں یہاں ایک اور چیز قابل غور ہے کہ اسی روایت میں ذرا آگے مذکور ہے کہ:

ایک مرتبہ محمد بن مسلمہؓ نے ابن یامین یہودی کو جنت البقیع میں دیکھ لیا (تلوار تو ان پاس نہیں تھی) لیکن کھجور کی جرائد (چھڑیاں) مل سکیں انہی کے ساتھ آپؓ نے اس یہودی کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا اور اس کے چہرے اور سر کو زخمی کر دیا اور فرمایا کہ میرے پاس تلوار نہیں ورنہ میں تجھے قتل کر دیتا

چنانچہ ابن تیمیہ نے اس مضمون کو عبارت ذیل نقل کیا ہے

فکان ابن یامین لا ینزل من بنی قریظۃ حتی یبعث لہ رسولا ینظر محمد بن مسلمۃ فان کان فی بعض ضیاعہ نزل فقضی حاجتہ ثم صدر والا لم ینزل۔ فبینا محمد فی جنازۃ وابن یامین فی البقیع........ فقام الیہ الناس فقال یا ابا عبدالرحمن ما تصنع نحن نکفیک فقام الیہ فلم یزل یضربہ جریدۃ جریدۃ حتی کسر ذالک الجرید علی وجہہ راسہ حتی لم یترک بہ مصحا ثم قال واللہ لو قدرت علی السیف لضربتک بہ" ۱

مندرجہ بالا روایت اس بات کا قرینہ ہے کہ ابن یامین مدینہ شریف کے علاقہ کا باشندہ تھا اور یہ تمام واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا اور مروان بن الحکم والی مدینہ رہا ہے اس واقعہ کا تعلق اس کے دور کے ساتھ ہے۔

واقعہ کو امیر معاویہؓ کی مجلس کی طرف منسوب کرنے کے قرائن مضبوط نہیں پائے جاتے۔

بالفرض اگر اس واقعہ کی نسبت حضرت امیر معاویہؓ کی مجلس کی طرف تسلیم کر بھی لی جائے تو بھی یہ احتمال موجود ہے کہ مجلس میں جو گفتگو ہوئی اور ابن یامین نے قتل کعب کو غدر کہا تو حضرت امیر معاویہؓ اس کی تردید کرنے یا کچھ دیگر کلام کرنے ہی نہ پائے تھے کہ محمد بن مسلمہؓ اپنے دینی جذبہ کے باعث برافروختہ ہو گئے اور ابن یامین کے قتل کی قسم اٹھالی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ:

حضرت امیر معاویہ نے تردید یا دیگر کچھ کلام کیا ہو اور راوی نے اسے اپنی روایت میں ذکر نہ کیا ہو۔

علاوہ ازیں روایات میں "ثم لا تنکر" کے الفاظ راوی کے اپنی تعبیر ہے۔ کیونکہ ایک روایات میں تو یہ لفظ پائے جاتے ہیں اور دیگر روایت میں یہ الفاظ ندارد حالانکہ یہ روایات ایک ہی واقعہ کے متعلق ہیں

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و فرامین جو صحیح طور پر ثابت ہیں ان کو تمام صحابہ کرامؓ بہ دل و جاں تسلیم کرتے ہیں اور ان کی صداقت میں ذرہ بھر بھی شک و شبہ نہیں کرتے

۱ الصارم المسلول لابن ابی القاسم الحرانی (ابن تیمیہ صفحہ ۸۹ / ۹۰ قطع عہد کعب بن الاشرف

۲۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ کے دیگر حالات زندگی اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آثار و فرامین کی قدر دانی حدیث اور تاریخ میں واضح طور پر ثابت ہے۔ اور اس پر بے شمار واقعات موجود ہیں۔ یہاں آثار نبوت کی قدر دانی کا صرف ایک واقعہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

ایک شخص کعب بن زہیر جو پہلے اسلام کے خلاف تھا اور اسلام و اہل اسلام کے خلاف شاعری کرتا تھا مسلمان ہوا اور اس نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر انصار و مہاجرین کی مدح میں چند اشعار کہے۔ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت فرماتے ہوئے اپنی چادر مبارک جسے آپؐ زیب تن فرمائے ہوئے تھے اتار کر کعب بن زہیر کو عنایت فرمائی۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہد میں یہ چادر مبارک ایک معقول معاوضہ کے عوض حضرت کعب سے حاصل کرنا چاہی مگر حضرت کعبؓ اس پر رضامند نہ ہوئے۔ کعب بن زہیرؓ کی وفات کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے آپ کے وارثوں سے بیس ہزار درھم کے عوض وہ چادر نبویؐ حاصل کر لی اور اپنے پاس تاحیات بطور تبرک محفوظ رکھی" چنانچہ "سیرة حلبیة" میں ہے کہ .... **القی علیہ صلی اللہ علیہ وسلم بردة کانت علیہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد اشتراھا معاویہ بن ابی سفیانؓ رضی اللہ تعالی عنھما من ال لاف بمال کثیر ای بعد ان دفع لکعب فیھا عشرة لاف فقال ما کنت لا وثر بثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احدا فلما مات کعب رضی اللہ تعالی عنہ اخذھا من ورثتہ بعشرین الفا وتوارثھا خلفاء بنی امیۃ ثم خلفاء بنی العباس۔**"[1]

اس نوع کے بے شمار واقعات حضرت امیر معاویہؓ کی زندگی میں پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؓ اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ کمال عقیدت، محبت اور اخلاص رکھتے تھے۔

تو ان حالات میں حضرت امیر معاویہؓ کعب بن الاشرف کے قتل کو اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مقدس فرمان کے خلاف غدر کہنے کو کس طرح درست تسلیم کر سکتے ہیں؟ اور ان کی طرف سے اس بات کی تصدیق یا تائید کس طرح پائی جا سکتی ہے؟ یہ چیز تو اس دور کے واقعات اور حالات ہی کے خلاف ہے۔

ایک قاعدہ

چنانچہ اس فن کے علماء کے نزدیک روایت کی صحت و سقم معلوم کرنے کے لئے جو قواعد ذکر کئے

۱ سیرة حلبیہ صفحہ ۲۴۲ / ج ۳ تحت باب یذکر فیہ ما یتعلق بالوفود .... الخ

ہیں ان میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ :۔ جو روایت مشاہدات ---------- اور واقعات وعام عادت کے برخلاف پائی جائے اور حالات واقعات اس کی تائید نہ کرتے ہوں وہ قابل قبول نہیں ہوتی اور اسے درست تسلیم نہیں کیاجاتا۔ اس قاعدہ کی عبارت درج ذیل ہے۔

ومنها قرينته في المروى كمخالفته لمقتضى العقل بحيث لا يقبل التاويل' ويلتحق به مايدفع الحس والمشاهده او العادة وكمنا قاته لدلا لته الكتاب القطعته اوالسنته المتواترة اوالاجماع القطعي تنزيه الشريعته لابن العراق ص٦ مقدمته الكتاب

آخر کلام

مختصر یہ ہے کہ اعتراض کنندگان اس واقعہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عدم محبت بلکہ بغض وعناد ثابت کرنا چاہتے ہیں
("معاویہؓ اور رسول اللہ صلعم") کا عنوان دے کر یہ بحث چلائی ہے اور واقعہ جو دلیل میں پیش کیا ہے اس کا حال آپ معلوم کر چکے ہیں۔

پھر اس کے بالمقابل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں محبت نبویؐ اور اطاعت نبویؐ کے واقعات موجود ہیں

اب اس چیز کا موازنہ کر کے ناظرین کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کہ معترض دوست اپنے مخصوص مقصد میں کہاں تک کامیاب ہو سکے ہیں؟

"معاویہؓ" اور شوق رسالت"
یعنی ایک دیگر روایت کا جواب

طعن کرنے والے لوگوں نے حضرت امیر معاویہؓ پر طعن قائم کرنے کے لئے ایک جدید عنوان "معاویہؓ کا شوق رسالت" قائم کیا ہے۔

اس سلسلہ میں انہوں نے درج ذیل تاریخی واقعہ تاریخ طبری وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

طبری اصل ماخذ ہے اور باقی مورخین اس سے ناقل ہیں۔ (اصل ماخذ کا جواب ہونے کے بعد ناقلین کے جواب کی حاجت نہیں رہتی)

طبری کی سند کا آخری راوی کہتا ہے کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ عمرو بن العاصؓ مصر سے وفد لے کر حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں پہنچے۔ عمرو بن العاصؓ نے اپنے ساتھیوں کو کہہ رکھا تھا کہ جب تم امیر معاویہؓ کے پاس پہنچو تو اسے خلافت کے ساتھ سلام نہ کہنا (اسلام علیک یا امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین) کیونکہ اس میں ان کی بڑائی ہے اور تم ان کو مقدور بھر حقیر قرار دینا۔

جب وفد حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں پہنچا تو حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے دربانوں کو کہہ دیا کہ ابن نابغہ (حضرت عمرو بن العاصؓ) نے میرے معاملے کو قوم کے سامنے حقیر قرار دیا ہے۔ تم خیال رکھنا کہ جب وفد آئے تو تم بھی ان کو خوب سرزنش کرنا اور جھنجھوڑنا حتی کہ ان میں سے جو بھی میرے پاس پہنچے اسے اپنی ہلاکت کا خوف ہو۔ مصریوں کے وفد میں سے پہلا شخص جو حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت حاضر ہوا وہ ابن خیاط تھا اور اس نے آتے ہی کہا "اسلام علیک یا رسول اللہ" پھر اس کے باقی ساتھیوں نے بھی اسی طرح کیا جب یہ لوگ حضرت امیر معاویہؓ کی مجلس سے باہر آئے تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے انہیں برا بھلا کہتے ہوئے کہا لعنکم اللہ! میں نے تمہیں خلافت کے ساتھ سلام کرنے سے منع کیا تھا الثاتم نے رسالت کے ساتھ سلام کہہ دیا......

اس روایت کے بعد طعن کرنے والے بزرگ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے نبی و رسول ہونے کا اقرار لوگوں سے سنا اور منع نہیں کیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ اس پر راضی تھا اور نبوت کا دعویدار تھا ختم نبوت پر ایمان تو بعد کی بات ہے......

الجواب

معترض حضرات نے جو روایت تلاش کر کے اعتراض کے لئے پیش کی ہے اس کے متعلق ذیل میں چند معروضات تحریر کی جاتی ہیں ان پر نظر غائر فرمالیں اس کے بعد اس کا جائزہ لیں کہ طعن کرنے والا اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے؟۔

باعتبار روایت کے کلام

پہلے روایت کے اعتبار سے اس پر کلام کیا جاتا ہے اس کے بعد درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کی صحت کا جائزہ لیا جائے گا۔

۱۔ یہ روایت طبری کی ہے اور طبری کا مقام روایات کے باب میں جس نوعیت کا ہے وہ اس فن کے کبار علماء سے مخفی نہیں۔

التاریخ لابن جریر الطبری مرویات کا ایک کشکول ہے جس میں ہر طرح کا مال دستیاب ہو جاتا ہے۔ صحیح و سقیم ضعیف و قوی رطب و یابس راست و دروغ سب قسم کا مواد اس تاریخ میں فراہم ہے۔ اور طبری مکمل یا نامکمل سند پیش کر کے ناظرین کے سامنے روایات کا ایک انبار لگا دیتا ہے۔ اب اس سے صحیح چیزیں اخذ کرنا اور بیکار اور ردی مواد کو متروک قرار دینا قارئین و ناظرین کی صوابدید پر ہے۔

پھر اس فن کے قواعد کی روشنی میں مواد حاصل کرنا ایک متیقظ اور بیدار مغز اہل علم کا کام ہے عام آدمی کو سوائے حیرت و استعجاب کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

۲۔ روایت کی سند جو طبری نے پیش کی ہے اس میں کئی رواۃ تو ایسے موجود ہیں جن کی صحیح تعیین کرنا ایک مرحلہ ہے۔ پھر راوی کی تعیین کے بغیر اس پر جرح و قدح کرنا علمی دیانت کے برخلاف ہے۔

۳۔ اور پھر اس روایت کا آخری راوی جس نے یہ طعن کا تمام واقعہ فراہم کیا ہے اس کا نام "فلیح" ہے اور وہ بھی کہتا ہے کہ آخبرت یعنی مجھے اس واقعہ کی خبر دی گئی ہے۔

فلیح راوی کے حق میں علماء کی جرح و تعدیل دونوں موجود ہیں فلیح کے متعلق ابن حجر نے ابن معین کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے کہ تین اشخاص عاصم بن عبید اللہ، ابن عقیل اور فلیح کی روایت قابل حجت اور لائق استدلال نہیں............. **لا یحتج بحدیثھم**[۱] اور نسائی نے لکھا

۱ تہذیب التہذیب صفحہ ۳۰۴ / ج ۸ تحت فلیح بن سلیمان

ہے کہ فلیح ضعیف ہے اگرچہ اس کی توثیق بھی پائی جاتی ہے
نیز حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں فلیح بن سلیمان مذکور کے متعلق لکھا ہے کہ........
کثیر الخطاء ہے اور اس کا انتقال ۱۶۸ھ میں ہوا۔ ۱
۵۔ دیگر بات یہ ہے کہ فلیح نے یہ تمام واقعہ اخبرت کے لفظ سے نقل کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ "مجھے خبر دی گئی"

اب خبر دینے والا کون ہے؟ کس ذہنیت کا حامل ہے؟
اور صحابہ کرامؓ کے حق میں کس قسم کی رائے رکھتا ہے؟ راست گو شخص ہے یا دروغ گو؟ یہ تمام چیزیں مخفی ہیں اور قابل توجہ ہیں۔
۶۔ جس دور کا یہ واقعہ ہے اس وقت حضرت عمرو بن العاصؓ زندہ و سلامت موجود تھے اور وفد لے کر حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں تشریف لائے تھے۔
اہل علم کو معلوم ہونا چاہئے کہ مشہور روایات کے اعتبار سے حضرت عمرو بن العاص یوم الفطر کو ۴۳ھ میں مصر میں انتقال فرما گئے تھے جب کہ واقعہ کے ناقل فلیح کا انتقال ۱۶۸ھ ہے
اس طرح اس روایت کی سند میں شدید انقطاع ہے اور رواۃ کے درمیان ایک طویل مدت کا فصل ہے۔
خدا معلوم اس دوران کن کن اشخاص نے اس واقعہ کو نقل کیا؟ اور اس میں کیا کچھ تصرفات ہوئے۔
ان حالات میں اصل واقعہ کی صحت و ثبوت میں بے شمار شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ جن کی بنا پر روایت قابل قبول نہیں رہتی

مضمون روایت کے اعتبار سے کلام

ایک بات تو یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان بعد از صفین واقعہ تحکیم سے لے کر حضرت عمرو بن العاصؓ کے انتقال ۴۳ھ تک بہترین تعلقات قائم تھے اور امور مملکت کی تدبیر میں یہ حضرت معاویہؓ کے حق میں ہمیشہ معین اور معاون رہتے تھے اور مصر میں حضرت معاویہؓ نے انؓ کو ۳۸ھ سے لے کر ان کے آخری ایام تک والی اور حاکم قائم رکھا۔

۱ تقریب التہذیب تحت فلیح بن سلیمان

فلحق بمعاویۃ فکان معہ یلبر امرہ فی الحرب الی ان جری امر الحکمین ثم سار فی جیش جھزہ معاویۃؓ الی مصر فولھا لمعاویۃؓ من صفر سنتہ ثمان و ثلاثین الی ان مات سنتہ ثلاث واربعین علی الصحیح۔" ۔ ۱

......؟؟؟

اور طبری کے انہیں اوراق میں یہ چیز بھی درج ہے کہ ایک بار عمرو بن العاصؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں ذکر کیا کہ :۔

اے امیر المومنین! کیا میں آپ کے حق میں لوگوں میں سے بہترین خیر خواہ نہیں ہوں؟ تو حضرت معاویہؓ نے کہا کہ بے شک آپ ہمارے حق میں خیر خواہ ہیں اسی بناپر تو آپ اس رتبہ پر فائز ہیں

قال عمرو بن العاصؓ لمعاویۃؓ یا امیر المومنین! الست انصح الناس لک؟ قال بذا لک نلت ما نلت۔" ۔ ۲

مندرجات بالا پر ناظرین کرام نظر فرماویں اور پھر طعن کی اصل روایت کے متن پر غور فرمائیں کہ کیا ان میں کسی قسم کی مطابقت پائی جاتی ہے؟ واضح ہے کہ ان دونوں چیزوں کے درمیان بون بعید ہے کیونکہ اس روایت میں دونوں حضرات کے درمیان شدید منافرت اور مناقشہ کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

مثلاً

۱۔ جب عمرو بن العاصؓ وفد لے کر امیر معاویہؓ کی خدمت میں پہنچے ہیں تو وفد والوں کو کہنے لگے کہ تم لوگ امیر معاویہؓ کو خلیفہ المسلمین کے الفاظ کے ساتھ سلام نہ کہنا۔ تاکہ ان کی عظمت اور وقار نہ بنے اور حتی المقدور ان کو حقیر جاننا۔

۲۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے دربانوں کو کہا کہ ابن نابغہ آ رہے ہیں یہ میری قوم کے سامنے تحقیر کرنا چاہتے ہیں خبردار جب یہ وفد آئے تو ان سے درشتی سے پیش آنا اور خوب جھنجوڑنا اور میرے پاس وہ اپنی ہلاکت کا خوف لئے ہوئے حاضر ہوں۔

۳۔ غور کرنا چاہئے کہ بالفرض جناب عمرو العاصؓ نے حضرت معاویہؓ کے خلاف اس قسم کی سکیم بنائی اور وفد کے لوگوں کو سمجھایا لیکن معاً اس تمام کارکردگی کی اطلاع حضرت معاویہؓ کو کس طرح ہو

۱ الاصابہ صفحہ ۳ / ج ۳ تحت عمرو بن العاصؓ

(۲) تاریخ ذہبی صفحہ /۲۳۶ ج ۲ تحت عمرو بن العاصؓ

۲ مسند ابی یعلی الموصلی صفحہ ۳۱۴ / ج اول تحت مسندات طلحہ روایت نمبر ۶۴۱ تا ۶۴۳

گئی؟------ پھرانہوں نے اپنے خدام کو جلد تر جوابی کارروائی فہمائش کر لی۔ معلوم ہوتا ہے یہ سب رواۃ کی ذہنی ساخت ہے

۴۔ وفد میں سے پہلے ابن خیاط حاضر ہوا اور اس نے آتے ہی السلام علیک یا رسول اللہ کہہ دیا اور پھر اس کی متابعت میں اس کے باقی ساتھیوں نے بھی اسی طرح کہہ دیا۔

۵۔ پھر جب یہ وفد حضرت معاویہؓ کی خدمت سے واپس ہوا تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے ان کو نفریں و ملامت کی اور کہا کہ تم پر لعنت ہو۔ میں نے تم کو خلافت کے ساتھ سلام کہنے سے منع کیا تھا الٹا تم نے معاویہؓ پر نبوت کے ساتھ سلام کہہ دیا۔

قابل غور

صحابہ کرام کے دور میں کیا گنجائش کہیں مل سکتی ہے؟ کہ کوئی مسلمان اپنے خلیفۃ المسلمین کو یا رسول اللہ کہہ کر سلام پیش کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدت حیات میں نبی اقدس صلعم کے بعد کسی شخصیت کو رسول و نبی کا درجہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا مسیلمہ کذاب نے صحابہ کے دور میں نبوت و رسالت کا دعوی کیا تھا تو صحابہ کرام نے علمی بحث مباحثہ سے جواب نہیں پیش کیا تھا بلکہ تلوار سے مسئلہ ختم نبوت کو حل کیا تھا

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت معاویہؓ مسیلمہ کذاب کے مقابلہ کی جنگ یمامہ میں خود شریک واقعہ تھے اور اس کذاب کے قتل کرنے میں شامل تھے۔ یہ مسلمہ واقعات میں ان پر حوالہ جات کی حاجت نہیں اب اپنے دور خلافت میں حضرت معاویہ نبی و رسول قرار دیئے جانے پر رضامند کیسے ہو گئے؟

اور یہ کلمات انہوں نے تسلیم کر لئے؟ یہ سب دروغ بافی ہے کوئی ہوشمند اس کو قبول نہیں کر سکتا

حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین جو عمدہ تعلقات اور اعلیٰ روابط مدت دراز سے قائم تھے ان کے مقابلے میں طعن والی روایت ہذا کے مندرجات ایک ایک کر کے برعکس اور برخلاف پائے جاتے ہیں۔

معترض بزرگوں کو اگر طعن کرنا ہی ہے تو پہلے حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے درمیان شدید عداوت و عناد صحیح روایات کے ذریعے ثابت کریں پھر اس کے بعد یہ روایت (جس درجہ کی بھی ہے) اس کو مقام طعن میں لائیں۔

ایسی بے سروپا روایات کے پیش نظر جلیل القدر صحابہؓ پر طعن کرنا اور ان کو مطعون کرنا دشمنان کا کام ہی ہو سکتا ہے اور کوئی مسلمان محب صحابہؓ ایسا نہیں کر سکتا۔ طبری کے تاریخی ملغوبات لینے سے تو قرآن مجید کے قطعیات کی نفی لازم آتی ہے۔

وجہ یہ ہے کہ:-

- قرآن مجید صحابہ کی مدح و ثنا کرتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کی قدح کرتے ہیں
- قرآن صحابہ کی عظمت شان بیان کرتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کی تحقیر و حقارت کرتے ہیں
- قرآن مجید صحابہ کی طرف سے دفاع کرتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کرام پر کیچڑ اچھالتے ہیں
- قرآن مجید صحابہ کی نجات و مغفرت کے وعدے کرتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کی اخروی ہلاکت کے گیت گاتے ہیں
- قرآن مجید صحابہ کرام کے حق میں ''خیر امت'' ہونے کا مژدہ سناتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کو شر امت ثابت کرنے میں زندگی صرف کرتے ہیں۔

بنابریں ایسی تمام اخبار و روایات جو اپنے مفہوم و معانی کے اعتبار سے قرآن مجید کی قطعیات کے خلاف پائی جاتی ہیں۔
ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں اور ان کے ذریعے صحابہ کرامؓ کے رفیع مقام و مرتبہ کو گرایا نہیں جا سکتا۔

برہنہ لونڈی پیش کرنے کا اعتراض

صحابہ کرامؓ پر طعن قائم کرنے والوں نے حضرت امیر معاویہؓ پر بے حیائی اور بے شرمی کا طعن ایک تاریخی روایت کے حوالہ سے ذکر کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ۔

ایک بار حضرت امیر معاویہؓ کے ایک آزاد کردہ غلام خدیج خصی نے آپ کی خدمت میں ایک خوبصورت رومی لونڈی خرید کر برہنہ حالت میں پیش کی۔ اور حضرت امیر معاویہؓ نے اس کے جسم کو اسی حالت میں دیکھا اور پھر اس لونڈی کو یزید کے پاس لے جانے کو کہا.........

الجواب

اس طعن کے جواب کے لئے چند امور پیش کئے جاتے ہیں ان پر توجہ فرمالیں امید ہے مزید کسی جواب کی حاجت نہیں رہے گی۔

اعتراض کنندگان نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بے حیائی اور بے شرمی کا اعتراض قائم کرنے کے لئے جو واقعہ تلاش کر کے پیش کیا ہے وہ ایک تاریخ کی کتاب ”تاریخ ابن عساکر“ سے نقل کیا گیا ہے۔ تاریخ ابن عساکر تاریخی کتاب ہے حدیث کی کتاب نہیں۔ اس میں ہر نوع کی روایات فراہم ہیں ابن عساکر نے اس واقعہ کو جس سند کے ساتھ پیش کیا ہے اگر وہ سند صحیح ہے اور اس کے رواۃ قابل اعتماد ہیں تو واقعہ کو معتبر سمجھا جائے گا۔ اور اگر سند مجروح ہے اور اس کے رواۃ قابل اعتماد نہیں تو واقعہ غیر معتبر ہو گا اور لائق اعتبار نہیں ہو گا۔

اگر بالفرض روایت کی سند پر بحث کرنے سے صرف نظر کر لیا جاوے تو بھی مورخین کے اقوال کے مطابق حضرت امیر معاویہؓ نے یہ رومی لونڈی خریدی تھی (اور اسلام میں خرید کردہ جاریہ سے انتفاع اور تمتع جائز ہے)

نیز اگر یہ واقعہ درست ہے تو حضرت امیر معاویہؓ کا اس زر خرید لونڈی کے جسم پر نظر ڈالنا خلوت کی بات ہے جس کو ناقلین ایسی صورت میں نقل کر رہے ہیں گویا یہ واقعہ مجلس میں دیگر لوگوں کی موجودگی میں پیش آیا ہو۔ حالانکہ یہ بات سو فیصد غلط ہے

ایک مقتدر صحابی کی دیانت اور شرافت اس بات کی متقاضی ہے کہ ایسے واقعہ کا صدور بر سر عام مجلس میں نہیں ہو سکتا۔

صحابہ کرامؓ نے امت کو دیانت اور شرافت کی تعلیم دی ہے اور بے حیائی کے امور اور منکرات سے منع فرمایا ہے۔ فلھذا ان سے ایسے واقعہ کا صدور جلوت میں کیسے ممکن ہے؟

اور مسلمہ قاعدہ کے مطابق ایسی منکر روایت جو صحابہ کرامؓ کی شان دیانت و شرافت کے خلاف ہو

اسے قبول نہیں کیا جاتا۔ ایسے مواقع کے متعلق کبار علماء نے قاعدہ ذکر کیا ہے کہ: **فانا مامورون بحسن الظن بالصحابۃؓ و نفی کل رذیلۃ عنھم۔**"[1]

نیز قابل توجہ یہ بات ہے کہ دیگر مورخین نے اسی واقعہ کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے۔

وقال محمد بن الحکم الانصاری عن عوانۃ قال حدثنی خدیج خصی قال قال لی معاویۃؓ ادع لی عبداللہ بن مسعدۃ الفزاری فدعوتہ وکان ادم شدید الادمۃ فقال دونک ھذہ الجاریۃ لجاریۃ رومیۃ بیض بھا ولدک۔"[2]

یعنی محمد بن الحکم الانصاری عوانہ سے نقل کرتے ہیں کہ خدیج خصی نے مجھے یہ واقعہ بیان کیا۔ خدیج کہتا ہے کہ مجھے امیر معاویہؓ نے فرمایا عبداللہ بن مسعدۃ کو میرے پاس بلالاؤ۔ میں اسے بلالایا۔ وہ شخص گہرے سانولے رنگ کا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے اسے کہا یہ لونڈی تمہیں ھبہ کی جاتی ہے یہ رومی لونڈی ہے اسے تو اپنی اولاد سفید رنگ والی پیدا کرلے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہؓ نے یہ لونڈی عبداللہ بن مسعدہ کو ہبہ کردی تھی۔ روایت کے ابتدائی حصے کا ذکر اہم نہیں تھا وہ انہوں نے نقل نہیں کیا خدا جانے وہ کس طرح واقعہ پیش آیا کیا کچھ بات ہوئی؟

اگر واقعہ صحیح ہے تو اس کی حقیقت حال اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی زرخرید لونڈی پر خلوت میں نظر ڈالی جو شرعاً" درست تھی۔ پھر اس لونڈی کو اپنے بیٹے یزید کو دینے کا ارادہ کیا۔ اور ازراہ احتیاط اس معاملہ میں اس وقت کے فقیہ ربیعہ بن عمرو الجرشی سے رائے طلب کی۔ انہوں نے یزید کو یہ لونڈی دینے سے منع کر دیا کہ آپ کے بیٹے کے لئے جائز نہیں۔ اس صورت میں حضرت امیر معاویہؓ نے مسئلہ شرعی کی پاسداری کرتے ہوئے یہ لونڈی عبداللہ بن مسعدہ الفزاری کو ھبہ کردی اور فرمایا کہ تو اس سے گورے رنگ کی اولاد پیدا کرلے۔

اس صورت میں شرعاً" کوئی قباحت نہیں۔ اس دور میں لونڈیوں کو خرید کرنا اور ان سے انتفاع کیا جانا پھر ان کو کسی کی طرف ھبہ کردینا کوئی معیوب نہ تھا اور آئین اسلامی کے اعتبار سے بھی کوئی سقم نہیں تھا۔ ان مسائل کے حدود و قیود تھے ان کے تحت یہ عمل ہوتا تھا۔

اور اس واقعہ کا برہنگی کی حالت میں برسر مجلس پایا جانا کسی طرح بھی درست نہیں۔ اسلامی (اخلاق و عادات اور اطوار کے برعکس یہ چیز صحابہ کرام کی شان دیانت و شرافت کے خلاف ہے۔ اور ساتھ ساتھ اس دور کے واقعات کے بالکل متضاد ہے۔ واقعہ ہذا کی ان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں

1. شرح مسلم شریف للنوادی صفحہ ۹۰ / ج ۲ بحوالہ المازری تحت الجھاد والسیر باب حکم الفئی
2. الاصابہ لابن حجر صفحہ ۳۵۹ / ج ۲ تحت حرف العین (عبداللہ بن مسعدۃ الفزاری)

پائی جاتی۔ ایسی صورت حال کے متعلق امام نواوی کی جانب سے ایک ہدایت ہم نے قبل ازیں نقل کردی ہے وہ ملحوظ رکھنے کے قابل ہے۔

نیز طعن کرنے والوں نے مذکورہ طعن کے تحت مزید یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ رقص و سرود کی محفلیں قائم کرتے تھے اور رقاصاؤں کو خوب داد دیتے تھے۔ اور حوالہ کے لئے عمرو بن بحرالجاحظ کی کتاب التاج کا حوالہ دیا ہے۔

اس کے متعلق ناظرین کرام یاد رکھیں کہ جس مصنف اور اس کی کتاب سے حوالہ پیش کیا گیا ہے اس کی علمی قابلیت اور دیانت کے متعلق علماء رجال نے درج ذیل چیزیں ذکر کی ہیں۔

عمرو بن بحرالجاحظ صاحب تصانیف کثیرہ ہے لیکن اس کی ثقاہت پر کچھ اعتماد نہیں۔ اور نہ ہی یہ مامون شخص ہے۔ بلکہ بد عتیوں کے پیشواؤں میں سے ہے۔

اس کا دین عیب دار ہے۔ اور ابو الفرج اصفہانی نے اس کو زندیق قرار دیا ہے.............. یہ اللہ تعالیٰ۔ اس کے رسول صلعم اور لوگوں پر جھوٹ بولتا تھا۔

لسان المیزان میں ہے کہ :۔

قال ثعلب لیس بثقتہ ولا ماسون۔ قلت۔ وکان من ائمتہ البدع انتھی.............. قال الخطابی ھو مغموص فی دینہ و ذکر ابو الفرج الا صبھانی انہ کان یرمی بالزندقتہ قال ثعلب کان کذابا علی اللہ وعلی رسولہ وعلی الناس۔" ۱

مختصر یہ ہے کہ ایسے بے دین، زندیق اور کذاب شخص کی روایات کی بنا پر ایک مقتدر صحابی پر رقص و سرود کی محفلوں کا طعن قائم کرنا ہرگز جائز نہیں۔

صحابہ کرامؓ نے اپنی مدت العمر لوگوں کو دین کی تعلیم دی ہے اور اس قسم کی لغو مجالس اور منکر محافل قائم کرنے سے لوگوں کو منع فرمایا ہے۔ فلہذا اس قسم کے مطاعن کی ان حضرات سے نسبت کر کے معترضین نے اپنے بغض و عداوت کو پورا کرنے کی مذموم کوشش کی ہے ورنہ حقیقت حال اس کے برخلاف ہے

۱ لسان المیزان لابن حجر صفحہ ۳۵۵، ۳۵۷ / ج ۴ تحت حرف العین (عمرو بن بحر الجاحظ) .

علامت نفاق پر موت کا طعن

یعنی دبیلہ سے موت

صحابہ کرامؓ کے مخالفین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ایک عجیب طعن تلاش کر کے ذکر کیا ہے کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ کی موت دبیلہ سے ہوئی (دبیلہ لغت عرب میں پھوڑے کو کہتے ہیں)

معترضین نے حدیث کی کتابوں سے روایت تلاش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "میرے صحابہؓ میں بارہ منافق ہیں جو جہنم میں جائیں گے اور ان کی موت دبیلہ سے واقع ہو گی

اعتراض کرنے والوں نے یہاں یہ ذکر کیا ہے کہ چونکہ حضرت معاویہؓ کی وفات بھی دبیلہ سے ہوئی تھی لہٰذا یہ اس پیشگوئی کا مصداق ہیں اور منافقین کے زمرہ میں آنے کی وجہ سے معاویہؓ کا مقام خود بخود متعین ہے

الجواب

اس مقام میں ایک تو یہ چیز قابل غور ہے کہ اعتراض کرنے والے لوگوں نے جو احادیث کی کتابوں سے طعن کی روایات فراہم کی ہیں وہ اپنی جگہ پر اپنے مفہوم کے اعتبار سے درست ہیں

لیکن اس مقام میں معترض لوگوں نے جو رویہ اختیار کیا ہے وہ اس مقولہ کا مصداق ہے کہ : **کلمتہ حق ارید بہ الباطل** (یہ مقولہ جناب علی المرتضیٰؓ سے مروی ہے جب خوارج لوگ آپ کے بعض امور پر اعتراض کرتے تھے اور زور دار آواز سے کہتے تھے کہ **ان الحکم الا للہ**"۔ تو اس کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا الفاظ فرمایا کرتے تھے۔) یعنی بات تو ٹھیک ہے لیکن اس سے ارادہ غلط لیا گیا ہے وہی معاملہ یہاں کیا جا رہا ہے

مطلب یہ ہے کہ اس مقام میں پیش کردہ روایات جو معترضین نے فراہم کی ہیں ان میں منافقوں کے متعلق ایک پیشگوئی ذکر کی گئی ہے کہ وہ بارہ منافق ہوں گے اور وہ جنت میں نہیں جائیں گے اور ان میں سے بعض کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ ان کی موت دبیلہ سے ہو گی۔ لیکن ان روایات میں کسی قبیلہ گروہ یا کسی مخصوص شخص (مثلاً حضرت معاویہ رضی اللہ

عنہ) کا نام تک مذکور نہیں تاکہ ان کو وجہ اعتراض بنایا جا سکتا۔

یہ روایات اپنے مفہوم کے اعتبار سے درست ہیں اور منافقین کے متعلق فرمائی گئی ہیں۔

چنانچہ شارحین حدیث نے ان روایات کے تحت جو کچھ ذکر کیا ہے اس کی طرف رجوع کر کے تسلی کی جا سکتی ہے ان روایات کا مصداق سفر تبوک میں منافقوں کی ایک جماعت ہے ان کے حق میں یہ فرمان صادر ہوا تھا

اس پر قرینہ یہ ہے کہ صاحب مسلم شریف نے ان روایات کو "صفات المنافقین و احکامھم" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔

لیکن اعتراض کرنے والوں نے ان روایات کا مصداق حضرت امیر معاویہؓ کو از خود قرار دیا ہے اور اپنے بغض و عناد اور قلبی عداوت کا اظہار اس طریقہ سے پورا کیا ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ شارحین حدیث کے قول کے موافق منافقین کے متعلق یہ واقعہ غزوہ تبوک میں پیش آیا تھا۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بارہ منافقوں کے متعلق یہ پیشگوئی فرمائی کہ لا یدخلون الجنتہ وہ لوگ غزوہ تبوک سے واپسی کے سفر میں لیلتہ العقبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے متعلق ایک منصوبہ کے تحت رات کے اندھیرے میں آنجناب صلعم پر یک دم حملہ کرنا چاہتے تھے انہوں نے اپنی آنکھوں کے سوا چہروں پر نقاب لگا رکھا تھا۔ جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو آنجناب صلعم نے حضرت حذیفہؓ کو حکم فرمایا کہ معلوم کرو کہ یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں تو حضرت حذیفہؓ ان کے نزدیک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حملہ آوروں کے دل میں رعب اور خوف ڈال دیا اور وہ جلدی سے واپس لوٹ کر لوگوں میں جا ملے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہؓ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے پہچانا کہ یہ کون کون افراد تھے؟ تو حذیفہؓ نے عرض کیا کہ یہ لوگ اپنے چہرے پوشیدہ کئے ہوئے تھے پہچان نہیں سکا لیکن میں نے ان کی سواریوں کو پہچان لیا ہے۔

اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان افراد اور ان کے آباء کے اسماء سے خبر دی ہے اور میں تم کو صبح کے وقت ان کے متعلق خبر دوں گا۔

اسی بنا پر منافقوں کے معاملے کے متعلق لوگ حضرت حذیفہؓ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

چنانچہ مسلم کے محشی اس واقعہ کو بعبارت ذیل ذکر کرتے ہیں۔

و ذالک لانہ کان لیلتہ العقبتہ مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولہ علیہ السلام فی امتی اثنا عشر منافقا لا یدخلون الجنتہ

یعنی وھم الذین قصدوا قتل النبی علیہ السلام لیلتہ العقبتہ مرجعہ من تبوک حین اخذ النبی علیہ السلام مع عمار و حذیفہ طریق الثنیہ والقوم بطن الوادی فطمع اثنا عشر رجلا فی المکر بہ فاتبعوہ ساترین وجوھھم غیرا عینھم فلما سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خشفتہ القوم من ورائہ امر حذیفتہؓ ان یردھم فخوفھم اللہ حین البصروا حذیفتہ فرجعو مسرعین علی اعقابھم حتی خالطوا الناس فادرک حذیفتہ فقال ھل عرفت احدا منھم قال لا فانھم کانوا متلثمین ولکن اعرف روا حلھم فقال علیہ السلام ان اللہ اخبرنی باسمائھم واسماء ابائھم و ساخبرک بھم ان شاء اللہ عندالصباح فمن ثمتہ کان الناس سیرا جعون حذیفتہ فی امر المنافقین۔۱ اور یہی مضمون مرقاۃ شرح مشکوٰۃ تحت ھذالحدیث مذکور ہے۔ نیز دیگر شارحین نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

اور اس مقام کی ایک دیگر روایت میں اسی طرح ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہؓ کو ان منافقین کے بارے میں اطلاع فرمائی اور حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان کی ہلاکت کی خبردی تھی وہ لوگ بالکل اسی طرح ہلاک ہو گئے۔

عن حذیفتہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ ایاھم وانھم ھلکوا کما اخبرہ الرسول صلوات اللہ و سلامہ علیہ۔۲

تنبیہہ

واضح ہو کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مدائن میں ۳۵/۳۶ھ میں فوت ہو گئے اور وہیں ان کا مزار ہے بعض اقوال کے مطابق آپ نے حضرت عثمان غنیؓ کے انتقال کے چالیس دن بعد وفات پائی۔۳

مذکورہ بالا روایات کے مطابق حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جن منافقوں کے متعلق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی اور نشاندھی کی تھی وہ تمام اشخاص

۱ ۔۔یہ صحیح مسلم للعلامہ محمد ذھنی صفحہ ۱۲۳/ ج ۸ تحت الحدیث طبع مصر

(۲) البدایتہ والنھایہ صفحہ ۱۹، ۲۰، ۲۱ جلد خامس تحت غزوۃ نبوی احوال منافقین

۲ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۶/ ج ۱۱ تحت ھذا الحدیث

۳ اسماء الرجال لصاحب المشکوۃ صفحہ ۵۹۰ تحت حذیفہ بن یمانؓ

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے عین مطابق ہلاک ہو گئے۔

اور اس کے بعد حضرت حذیفہؓ خود بھی ۳۵ / ۳۶ ھ میں انتقال فرما گئے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ جن کا انتقال حضرت حذیفہؓ کی وفات سے بھی پچیس سال بعد ۶۰ ھ میں ہوا وہ منافقین سے متعلق پیشگوئی والی اس روایت کا مصداق کس طرح ٹھہرے؟ انصاف کے ساتھ غور فرماویں۔

مختصر یہ ہے کہ منافقین کے حق میں دبیلہ سے موت والی روایات کا مصداق و محمل حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی موجودگی میں پورا ہو گیا اور انہوں نے اس کی تصدیق کر دی تو اس صورت حال کے باوجود ان روایات کا مصداق حضرت امیر معاویہؓ کو قرار دینا بالکل غلط ہے اور اس میں حبہ بھر صداقت نہیں۔

بعض قرائن

معترض لوگوں نے یہاں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ (معاذ اللہ) منافق تھے اور ان کا خاتمہ نفاق کی علامات پر ہوا۔

اس چیز کے دفاع کے متعلق از روئے روایات ہم نے گزشتہ سطور میں کلام کر دیا ہے جو اصل طعن کے صاف کرنے میں کافی ہے۔

تاہم اس مقام میں مختصراً چند چیزیں دیگر ذکر کی جاتی ہیں جن سے حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں نفاق کے طعن کا ازالہ ہوتا ہے اور منافقت کے شبہ کی نفی ہوتی ہے۔

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ کے اعتبار سے نہایت قریب ہیں اس طرح کہ ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور حضرت امیر معاویہؓ کی خواہر ہیں۔ اس مبارک رشتہ داری کی وجہ سے حضرت امیر معاویہؓ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے "برادر نسبتی" ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ رشتہ داری اور دیگر نسبی تعلقات جو حضرت امیر معاویہؓ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاندان سے ہیں وہ ہم نے "مسئلہ اقربا نوازی" میں ۱۲۶ تا ۱۳۰ تک مستقل عنوان کے تحت ذکر کر دیئے ہیں۔

۲۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان نبوت سے امیر معاویہؓ کے حق میں بہت سی دعائیں منقول ہیں مثلاً

(الف)---- اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھدہ واھدبہ

(ب)---- سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم علم معاویۃ الکتاب والحساب

وقہ العذاب

ان دعاؤں کے سلسلہ میں وضاحت مطلوب ہو تو "مسئلہ اقربا نوازی" ص ۱۳۰ تا ۱۳۴ ملاحظہ فرمائیں وہاں دیگر دعاؤں کے تذکرہ کے علاوہ ان دعائیہ کلمات کے لئے مکمل حوالہ جات درج کر دیئے گئے ہیں۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین وحی و غیروحی میں حضرت امیر معاویہؓ شامل ہیں اور کاتب نبوی ہونے کا یہ شرف انہیں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدۃ العمر حاصل رہا۔ اس منصب سے معزول نہیں کئے گئے۔

اس مقام میں غزوہ تبوک کا ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔

کہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر ایک شاہی قاصد نے قیصر روم کا مراسلہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں حضرت امیر معاویہؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کے خط کو پڑھنے کے لئے حضرت امیر معاویہؓ کو عنایت فرمایا۔ اور حضرت معاویہؓ نے وہ خط آنجناب صلعم کی خدمت میں پڑھ کر سنایا۔

شاہی قاصد کہتا ہے کہ **فاتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو مع اصحابه وهم محتبون بحمائل سيو فهم حول بئر تبوک فقلت ايكم محمد؟ فاوماء بيده الى نفسه فدفعت اليه الكتاب۔ فدفعه الى رجل الى جنبه فقلت من هذا۔ فقالوا معاوية بن ابى سفيانؓ فقراه فاذا فيه.....الخ** [۱]

(۴) اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کے بارے میں فرمان دیا ہے کہ:۔

يا ايها النبى جاهد الكفار والمنافقين واغلظ عليهم یعنی اے پیغمبر! کفار اور منافقوں کے ساتھ جہاد کیجئے اور ان پر درشتی اور سختی کا معاملہ کیجئے۔

فرمان خداوندی کے موافق پیغمبر خدا کو کفار کے ساتھ جہاد کرنے اور منافقوں کے ساتھ سختی کا معاملہ کرنے کا حکم ہے۔ اگر بالفرض والتقدیر حضرت امیر معاویہؓ صفت نفاق اور منافقت سے متصف تھے تو خدا کے پیغمبر کو ان کے ساتھ ہمیشہ سختی اور درشتی کا معاملہ کرنا چاہیے تھا۔

حالانکہ پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ

۱ مسند ابی یعلی الموصلی صفحہ ۱۷۱ / ج ۳ تحت عنوان رسول قیصر (مطبوعہ دمشق)

(۲) مجمع الزوائد للہیثمی صفحہ ۲۳۴، ۲۳۶ / ج ۸ (رجال ابی یعلی ثقات)

ہمیشہ جاری و ساری رہا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے مشرف بہ اسلام ہونے سے لے کر انتقال نبوی صلعم کی مدت تک باہمی معاملات پر نظر کر لی جائے تو حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاملات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دواماً جاری پائے جاتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہؓ کو اپنے کاتبین میں دواماً" شامل رکھنا تقسیم اراضی کے لئے ارسال کرنے کا اعزاز بخشنا۔ جنگی معاملات میں شریک رکھنا اور غنائم سے حصہ عنایت فرماتے رہنا وغیرہ وغیرہ حسن سلوک اور حسن معاملات کی بین علامات ہیں۔

شیعہ کی طرف سے تائید

شیعہ کے اکابر مصنفین نے اپنے ائمہ کرام سے ایک چیز نقل کی ہے جس میں مسئلہ بالا کی تائید پائی جاتی ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مقابلین (اہل جمل و اہل صفین) کے حق میں شرک اور نفاق کی نسبت نہیں کرتے تھے بلکہ شرک اور نفاق کی ان حضرات سے نفی کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں ہمارے خلاف زیادتی کرنے لگے ہیں۔

جعفر عن ابیہ ان علیا علیہ السلام لم یکن ینسب احدا من اھل حربہ الی الشرک والا الی النفاق ولکن یقول ھم اخواننا بغوا علینا۔"[1]

حضرت امام جعفر صادقؒ کے اس بیان کے ذریعے یہ بات ثابت ہوئی کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اپنے مقابل میں قتال کرنے والوں کو نہ مشرک کہتے تھے اور نہ ہی منافق قرار دیتے تھے بلکہ ان کو اسلامی اور دینی برادر ہی سمجھتے تھے اور حضرت امیر معاویہؓ کا سیدنا علی المرتضیٰؓ کے ساتھ صفین میں محاربہ مسلمات میں سے ہے تاہم حضرت امیر معاویہؓ سے شرک و نفاق کی نفی ان حضرات کے فرامین سے پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے۔

اندریں حالات حضرت امیر معاویہؓ کو منافق قرار دینا شیعہ کے نزدیک بھی ائمہ کرام کے فرامین کی خلاف ورزی کرنا ہے۔

۵۔ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات بڑی کوشش سے حاصل کر کے اپنے پاس عمر بھر محفوظ رکھے ہوئے تھے جب آپؓ کے آخری ایام آئے اور وفات قریب آ پہنچی تو آپؓ نے ان تبرکات (موئے مبارک اور ناخن کے

---

۱ ۔ قرب الاسناد (لعبد اللہ بن جعفر العمیری الشیعی من علماء القرن الثالث صفحہ ۴۵ طبع قدیم ایران

تراشے) کے متعلق وصیت فرمائی کہ ان کو میرے منہ آنکھوں اور چہرے پر رکھ دیں اور چادر نبوی کے متعلق فرمایا کہ یہ میرے کفن میں شامل کر دی جائے۔ چنانچہ ان وصایا پر عمل کیا گیا اور اس شرف و اعزاز کے ساتھ آپؓ کا سفر آخرت شروع ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوئے۔

فلہذا نصوص اور واقعات اور ائمہ کرامؒ کے فرامین کی روشنی میں حضرت امیر معاویہؓ کو منافقین میں شمار کرنے کا کوئی جواز نہیں پایا جاتا۔ بلکہ آپؓ کی تمام زندگی ان کے حسن اسلام پر شاہد عادل ہے۔

حاصل یہ ہے کہ:

۱۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خاندان کے ساتھ امیر معاویہؓ کی رشتہ داری اور نسبی تعلق آپؓ میں نفاق کی نفی کے لئے کافی ہے۔ منافقوں اور خبیث خاندان کے ساتھ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ داری کا تعلق ہرگز نہیں تھا

۲۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان نبوت سے خیر و برکت کی دعائیں جو حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں صادر ہوئی ہیں وہ یقیناً" مقبول و منظور ہیں۔ اور منافقوں کو اس نوع کا شرف ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔

۳۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت وحی کا منصب اور مراسلات پڑھنے اور ان کے جواب ارسال کرنے کا شرف حضرت امیر معاویہؓ کو تازیست حاصل رہا جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آپؓ پر خصوصی اعتماد کا بین ثبوت ہے۔

نیز حضرت امیر معاویہؓ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھنے کے مشرف تھے اور حاضر باش خادم تھے۔ کوئی منافق یا عام قسم کا آدمی اس جلیل القدر منصب کا حامل نہیں ہو سکتا۔

۴۔ نص قرآنی کے اعتبار سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں پر غلظت اور سختی کے معاملہ کرنے کا حکم ہے جب کہ حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاملہ روا رکھا گیا۔ اور کبھی درشتی اور سختی کا معاملہ نہیں کیا گیا۔

۵۔ حضرت امیر معاویہؓ کا سفر آخرت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک تبرکات سے انتفاع کے اعزاز سے شروع ہوا جو آپؓ کے ایمان کی سلامتی اور خاتمہ بالخیر کی قوی دلیل ہے اور نفاق کے شبہ سے کوسوں دور ہے۔

یہ عز و شرف کسی بے دین اور منافق کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اور علامات نفاق پر مرنے والوں کو یہ چیزیں نصیب نہیں ہو سکتیں۔

اندریں حالات حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں نفاق اور منافقت کا قول کرنا ان حقائق و مشاہدات کو جھٹلانے کے مترادف ہے جسے کوئی ذی شعور انسان درست تسلیم نہیں کر سکتا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال بعض طبعی عوارض سے ہوا اس مقام میں مورخین کے اقوال مختلف پائے جاتے ہیں۔ ان کے پیش نظر موصوف کے حق میں کھینچ تان کر علامات نفاق کا قول کرتے ہوئے ایک جلیل القدر صحابی کو مطعون کرنا ہرگز درست نہیں۔

مختصر ہے کہ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں منافقت کی علامات کا اثبات کرنا محض عناد و عداوت کو پورا کرنا ہے اسلامی نصوص اور تاریخی واقعات اس امر کی تائید نہیں کرتے

مولانا محمد نافع کی دیگر نادر کتب

- رحماء بینهم (صدیقی) --- حصہ اول
- رحماء بینهم (فاروقی) --- حصہ دوم
- رحماء بینهم (عثمانی) --- حصہ سوم
- مسئلہ اقربانوازی --- حصہ چہارم
- بنات اربعہ
- حدیث ثقلین
- سیرت سیدنا علیؓ المرتضیٰ
- سیرت سیدنا ابوسفیانؓ

اکرم آرکیڈ، ۲۹ ٹمپل روڈ (صفاں والا چوک) لاہور۔ پاکستان فون: ۱۴-۷۲۳۸